

الرَّفِيقُ الْفَصِيحُ لِمَشْكُوتَةِ الْمَصَابِيحِ



جلد ۱

اقتادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محفل دروق غفرہ

ڈیڑا ٹنڈکھو ضلع راولپنڈی
پیشہ کشی 7805786325

مُتَلَمَّاتُ
الرَفِیقِ الْفَصِیحِ
لَمَشْکُوءَةِ الْمَصَابِیحِ
جلد ۱

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یو پی) ۲۳۵۲۰۶

بسم الله الرحمن الرحيم

تفصیلات

نام کتاب مقدمہ الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح ج: اول

افادات حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ

مرتب محمد فاروق غفرلہ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ مجیب الرحمن لکھنؤ پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

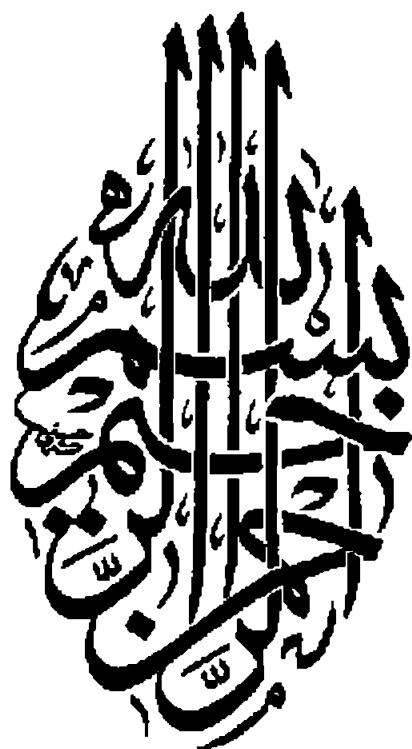
صفحات ۳۴۱

قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یو پی) ۲۳۵۲۰۶



نذر حقیر

بارگاہ رسالتماآب سید الاولین والآخرین

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم

گر قبول افتد زہے عز و شرف

زمین و سماں سب صلاۃ و سلام مکیں و مکاں سب صلاۃ و سلام

صلاۃ و سلام اور صلاۃ و سلام مرا جسم و جان سب صلاۃ و سلام

سلام علی رحمۃ العالمین

سلام علی سید المرسلین

یہ مہذبہ امت مسلمہ کے ان خوش نصیب فرزندوں کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کی جا رہی ہے جن کے لئے کائنات کی سب سے بڑی مستجاب الدعوات شخصیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دعاء کی ہے:

”نضر اللہ عبد اسمع مقالتي فحفظها
ووعابا وادابا، فرب حامل فقه غير فقيه ورب
حامل فقه الهی من هو افقه منه“

[اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ اور خوش و خرم رکھے جس نے میری بات کو سنا اور سن کر یاد کر لیا، پھر اس کو محفوظ رکھا اور اس کو آگے پہنچا دیا، ایسے شخص کی یہ خدمت واقعی قابلِ قدر ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے بعض دین کی بات محفوظ رکھنے والے ایسے ہوں جو خود اس کی زیادہ گہری سمجھ نہ رکھتے ہوں، اور ہو سکتا ہے کہ وہ آگے کسی شخص کو یہ بات پہنچا دے جو اس سے زیادہ فقیہ بصیرت رکھنے والا ہو۔]

کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دعائیں لے رہے ہیں!
کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو یہ بشارت عظمیٰ دی گئی!
حق تعالیٰ قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فهرست مقدمه الرفيق الفصيح لمشكوة المصابيح

اجمالی فہرست

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ	نمبر شمار	نمبر صفحہ
۱	عرض مرتب	۴۴	۲۰	امام ابن خزیمہ
۲	علامہ رفیق احمد صاحب	۴۶	۲۱	امام ابن حبان
۳	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۵۸	۲۲	امام حاکم صاحب مستدرک
۴	مقدمہ شیخ عبدالحق	۶۸	۲۳	امام ضیاء الدین المقدسی
۵	تعریفات	۱۴۱	۲۴	امام ابو عوانہ
۶	رسالہ اصول حدیث منظوم	۱۴۹	۲۵	امام ابن السکن
۷	(تذکرہ ترمذی) امام بخاری	۱۹۴	۲۶	امام ابن الجارود
۸	امام مسلم	۱۹۹	۲۷	الامام الاعظم ابو حنیفہ النعمان
۹	امام مالک	۲۰۱	۲۸	الامام ابو یوسف
۱۰	امام شافعی	۲۰۳	۲۹	الامام محمد بن الحسن
۱۱	امام احمد ابن حنبل	۲۰۶	۳۰	الامام زقر
۱۲	امام ترمذی	۲۰۹	۳۱	صاحب مصابح
۱۳	امام ابو داؤد	۲۱۳	۳۲	صاحب مشکوٰۃ
۱۴	امام نسائی	۲۱۶	۳۳	خطبہ و دیباچہ
۱۵	امام ابن ماجہ	۲۲۰	۳۴	حدیث انما الاعمال بالنیات
۱۶	امام دارمی	۲۲۳		
۱۷	امام دارقطنی	۲۲۵		
۱۸	امام بیہقی	۲۲۸		
۱۹	امام رزین	۲۳۰		

مصادر ومراجع

شماره	نام کتاب	نام مصنف	مطبع
۱	مرقاۃ المفاتیح	علامہ علی ابن سلطان محمد القاری	اصح المطابع بمبئی
۲	شرح الطیغی	الامام شرف الدین الحسین الطیغی	زکریا دیوبند
۳	التعلیق الصبیح	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی	فخریہ دیوبند
۴	فتح الباری	الامام الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی	دارالاسلام الریاض
۵	عمدة القاری	علامہ بدرالدین العینی	دار الفکر بیروت
۶	فتح الملہم	حضرت مولانا شیخ شبیر احمد عثمانی	اشرفیہ دیوبند
۷	بذل المجهود	شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری	دار البشائر الاسلامیہ
۸	نوی علی المسلم	حضرت مولانا یحییٰ بن شرف النووی	عباس احمد البازمکۃ مکرمہ
۹	شرح الأبی	الامام محمد بن خلیفہ الیوسفی الالبی	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۰	ایضاح البخاری	حضرت مولانا ریاست علی بجنوری زید مجدہم	قاسم المعارف دیوبند
۱۱	انعام الباری	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم	حقانیہ سورت کجرات
۱۲	کشف الباری	شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں مدظلہ العالی	دار الکتب دیوبند
۱۳	الدرا المنصود	حضرت مولانا محمد ناقل صاحب مدظلہ العالی	خلیلیہ سہارنپور
۱۴	نفحات التتقیح	حضرت مولانا سلیم اللہ خاں مدظلہ العالی	دار الکتب دیوبند
۱۵	اشرف التوضیح	حضرت مولانا نذیر احمد دامت برکاتہم	العارفی فیصل آباد
۱۶	تنظیم الاشتاب	حضرت مولانا محمد ابوالحسن صاحب	دار الکتب دیوبند
۱۷	درس مشکوٰۃ	حضرت مولانا محمد اتحق جلال آبادی	فیصل دیوبند

۱۸	اشرف المشکوۃ	حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ندوی	فیض القرآن دیوبند
۱۹	فیض المشکوۃ	مفتی حارث عبدالرحیم	فیض القرآن دیوبند
۲۰	مظاہر حق جدید	حضرت مولانا قطب الدین خاں دہلوی	ادارہ اسلامیات دیوبند
۲۱	درس ترمذی	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی	دار الکتاب دیوبند
۲۲	معارف السنن	حضرت علامہ شیخ محمد یوسف بنوری	اشرفی دیوبند
۲۳	بیان القرآن	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	فیصل دیوبند
۲۴	آسان ترجمہ قرآن	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی	آصف بکڈ پو دیوبند
۲۵	حجۃ اللہ البالغۃ	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	مصر
۲۶	رحمۃ اللہ الواسعۃ	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالپوری مدظلہ	حجاز دیوبند
۲۷	البيان المحقق فی شرح مقدمۃ الشیخ عبدالحق	حضرت مولانا مفتی ریاست علی قاسمی	العافیہ ہاپور
۲۸	مصباح المفاہات	ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی	دیوبند
۲۹	القاموس الوحید	حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی	حسینہ دیوبند
۳۰	المعجم الوسیط		حسینہ دیوبند
۳۱	انوار البیان	حضرت مولانا مفتی عاشق الہی بلند شہری	مکتبہ فرید دہلی
۳۲	نصر الباری	حضرت مولانا شیخ محمد عثمان غنی	زکریا دیوبند
۳۳	اوجز المسالک	حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا	خلیلیہ سہارنپور
۳۴	تحفۃ الامعی شرح سنن ترمذی	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالپوری	حجاز دیوبند
۳۵	طریق السالکین	حضرت مولانا ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی	جاوید دیوبند
۳۶	فتاویٰ محمودیہ جدید	مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ	مکتبہ فرید دہلی



فہرست

مقدمہ الرفیق الفصیح لحل مشکوٰۃ المصابیح

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	عرض مرتب	۴۴
۲	علامہ رفیق احمد صاحب	۴۶
۳	حسن اتفاق	۴۹
۴	اصل محرک	۵۱
۵	اس جلد میں درجہ ذیل باتوں کا اہتمام کیا گیا ہے	۵۳
۶	شرح میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے	۵۴
۷	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۵۸
۸	شیخ محدث دہلوی کا سفر حجاز	۶۳
۹	حجاز سے ہندوستان کو واپسی	۶۴
۱۰	شیخ محدث دہلوی کے روحانی پیشوا	۶۵
۱۱	شیخ محدث دہلوی کا وصال	۶۶
۱۲	حضرت شیخ محدث دہلوی کی تصانیف	۶۷
۱۳	معاصرین	۶۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۳	شیخ محدث دہلویؒ کی اولاد.....	۶۷
	مقدمہ شیخ عبدالحق	
۱۵	علم اصول حدیث.....	۶۸
۱۶	اصطلاحی تعریف.....	۷۰
۱۷	موضوع.....	۷۱
۱۸	غرض و نایمیت.....	۷۲
۱۹	حدیث کے لغوی معنی.....	۷۳
۲۰	حدیث کی اصطلاحی تعریف.....	۷۴
۲۱	حدیث کا موضوع.....	۷۵
۲۲	حدیث کی غرض و نایمیت.....	۷۶
۲۳	نایمیت سند کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم.....	۷۷
۲۴	حدیث مرفوع.....	۷۸
۲۵	حدیث موقوف.....	۷۹
۲۶	حدیث مقطوع.....	۸۰
۲۷	اثر	۸۱
۲۸	حدیث اور اثر کے درمیان فرق.....	۸۲
۲۹	خبر اور حدیث کے درمیان فرق.....	۸۳
۳۰	حدیث مرفوع کے اقسام.....	۸۴
۳۱	حدیث مرفوع صریحی قولی.....	۸۵
۳۲	حدیث مرفوع صریحی فعلی.....	۸۶

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۷۲	حدیث مرفوعہ صریحی تقریری.....	۲۲
"	حدیث مرفوعہ حکمی قولی.....	۲۳
"	حدیث مرفوعہ حکمی فعلی.....	۲۵
۷۳	حدیث مرفوعہ حکمی تقریری.....	۲۶
"	فصل.....	۲۷
"	سند کی تعریف.....	۲۸
"	اسناد کی تعریف.....	۲۹
"	دوسرے معنی.....	۳۰
"	متن کی تعریف.....	۳۱
۷۴	اقسام سند.....	۳۲
"	حدیث متصل.....	۳۳
"	حدیث منقطع.....	۳۴
"	حدیث معلق.....	۳۵
"	حدیث معلق کا حکم.....	۳۶
۷۵	فائدہ: ۱.....	۳۷
۷۶	فائدہ: ۲.....	۳۸
"	حدیث مرسل.....	۳۹
"	حدیث مرسل کا حکم.....	۵۰
۷۷	اشکال.....	۵۱
"	جواب.....	۵۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۷۸	حدیث متصل.....	۵۳
"	حدیث منقطع.....	۵۴
"	فائدہ.....	۵۵
۷۹	فائدہ.....	۵۶
"	اقتطاع سند اور ستوط راوی کی معرفت کا طریقہ.....	۵۷
"	فن تاریخ کی ضرورت اور اہمیت.....	۵۸
"	حدیث مدلس کا بیان.....	۵۹
۸۰	حدیث مدلس کی اصطلاحی تعریف.....	۶۰
"	مدلیس کے ارکان.....	۶۱
"	مدلیس کی تقسیم.....	۶۲
"	مدلیس الاسناد.....	۶۳
۸۱	مدلیس الشیوخ.....	۶۴
"	مدلیس التسویۃ.....	۶۵
"	مدلیس کے اسباب.....	۶۶
"	مدلیس کا حکم.....	۶۷
۸۲	مدلس کا حکم.....	۶۸
"	حدیث مدلس کا حکم.....	۶۹
۸۳	مدلس نام رکھنے کی وجہ تسمیہ.....	۷۰
"	حدیث مضطرب.....	۷۱
"	فائدہ.....	۷۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۸۴	حدیث مدرج.....	۷۳
"	مدرج الحسن.....	۷۴
"	مدرج الاسناد.....	۷۵
۸۵	ادراج کا حکم.....	۷۶
"	فصل: تنبیہ روایت بالمعنی واللفظ کا بیان.....	۷۷
"	روایت باللفظ کا حکم.....	۷۸
۸۶	روایت بالمعنی کا حکم.....	۷۹
"	فائدہ	۸۰
۸۷	حدیث مععن کا بیان.....	۸۱
"	حدیث مععن کا حکم.....	۸۲
۸۸	حدیث مسند کا بیان.....	۸۳
"	مسند کے معنی.....	۸۴
"	حدیث مسند کی تعریف.....	۸۵
۸۹	تیسری فصل	۸۶
"	حدیث شاذ، منکر اور معلل کا بیان.....	۸۷
"	مقبول	۸۸
"	مردود	۸۹
"	تنبیہ	۹۰
"	حدیث شاذ.....	۹۱
۹۰	فائدہ	۹۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۹۰	حدیث منکر اور معروف کی تعریف.....	۹۳
”	فائدہ.....	۹۳
”	اقسام اربعہ کا حکم.....	۹۵
”	حدیث شاذ.....	۹۶
”	حدیث محفوظ.....	۹۷
”	حدیث منکر.....	۹۸
”	حدیث معروف.....	۹۹
”	حدیث شاذ کی دوسری تعریف.....	۱۰۰
”	شاذ کی تیسری تعریف.....	۱۰۱
۹۱	منکر کی دوسری تعریف.....	۱۰۲
”	حدیث معلل.....	۱۰۳
”	علت.....	۱۰۳
”	معلل کو پہچاننے کا طریقہ.....	۱۰۵
۹۲	تنبیہ.....	۱۰۶
”	فائدہ.....	۱۰۷
”	متابعت.....	۱۰۸
”	متابع اور متابع.....	۱۰۹
”	متابعت کے درجات.....	۱۱۰
”	متابعت تامہ.....	۱۱۱
۹۳	متابعت قاصرہ.....	۱۱۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۳۹	متابعت کا فائدہ.....	۱۱۳
"	متابعت کی شرط.....	۱۱۴
"	مشلہ و نحوہ کا فرق.....	۱۱۵
"	شہادہ.....	۱۱۶
۹۴	مطالب اور شہادہ کی دوسری تعریف.....	۱۱۷
"	متنبیہ.....	۱۱۸
"	اعتبار.....	۱۱۹
"	حدیث کی بنیادی اقسام.....	۱۲۰
"	صحیح لذاتہ.....	۱۲۱
۹۵	وضاحت.....	۱۲۲
"	صحیح لغیرہ.....	۱۲۳
"	وجہ تسمیہ.....	۱۲۴
"	حسن لذاتہ.....	۱۲۵
۹۶	حسن لغیرہ.....	۱۲۶
"	حدیث ضعیف.....	۱۲۷
"	فائدہ.....	۱۲۸
"	تمام اقسام کے مراتب اور احکام.....	۱۲۹
"	صحیح لذاتہ.....	۱۳۰
۹۷	صحیح لغیرہ.....	۱۳۱
"	حسن لذاتہ.....	۱۳۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۹۷	حسن لغیرہ.....	۱۳۳
۱۱	حدیث ضعیف کا حکم.....	۱۳۴
۱۱	عدالت اور ضبط کا بیان.....	۱۳۵
۱۱	عدالت.....	۱۳۶
۹۸	تقویٰ.....	۱۳۷
۱۱	مروت.....	۱۳۸
۱۱	فائدہ.....	۱۳۹
۱۱	ضبط.....	۱۴۰
۹۹	اقسام ضبط.....	۱۴۱
۱۱	ضبط الصدر.....	۱۴۲
۱۱	ضبط الکتابہ.....	۱۴۳
۱۱	عدالت سے متعلق اسباب طعن کا بیان.....	۱۴۴
۱۱	کذب.....	۱۴۵
۱۰۰	حدیث موضوع.....	۱۴۶
۱۱	کذب راوی اور حدیث کے موضوع ہونے کے قرائن.....	۱۴۷
۱۰۱	قصہ حدیث رسول میں کذب بیانی کا حکم.....	۱۴۸
۱۱	حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کس طرح ہوگا.....	۱۴۹
۱۰۲	اتهام بالكذب.....	۱۵۰
۱۰۳	حدیث متروک.....	۱۵۱
۱۱	متهم بالكذب کا حکم.....	۱۵۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۰۳	گا ہے گا ہے جھوٹ بولنے والے کا حکم.....	۱۵۳
"	فسق.....	۱۵۴
"	فسق فی العمل.....	۱۵۵
"	فسق فی الاعتقاد.....	۱۵۶
"	تنبیہ.....	۱۵۷
۱۰۴	فائدہ.....	۱۵۸
"	جہالت راوی.....	۱۵۹
"	اسباب جہالت.....	۱۶۰
"	عدم تسمیہ کی وجہ سے جہالت.....	۱۶۱
"	غیر مسمیٰ راوی کی حدیث کا حکم.....	۱۶۲
۱۰۵	فائدہ.....	۱۶۳
"	ابہام کرنے والے کی تعدیل کا حکم.....	۱۶۴
"	غیر معروف نام لینے کی وجہ سے جہالت.....	۱۶۵
۱۰۶	غیر معروف التسمیہ راوی کی حدیث کا حکم.....	۱۶۶
"	قلیل الحدیث ہونے کی وجہ سے جہالت.....	۱۶۷
"	قلیل الحدیث مجہول رواۃ کے اقسام.....	۱۶۸
"	فائدہ.....	۱۶۹
۱۰۷	مجہول العین.....	۱۷۰
"	مجہول العین راوی کی روایت کا حکم.....	۱۷۱
"	مجہول الحال.....	۱۷۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۰۷	بدعت	۱۷۳
۱۰۸	بدعت کے اقسام	۱۷۴
"	بدعت مکفرہ	۱۷۵
"	بدعت مفسدہ	۱۷۶
"	بدعت کی حدیث کا حکم	۱۷۷
۱۰۹	خلاصہ کلام	۱۷۸
۱۱۰	صاحب جامع الاصول ابن جزری محدث کا کلام	۱۷۹
"	صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں	۱۸۰
۱۱۱	ضبط سے متعلق اسباب طعن کا بیان	۱۸۱
"	فرط غفلت	۱۸۲
"	کثرت غلط	۱۸۳
"	فائدہ: ۱/	۱۸۴
"	فائدہ: ۲/	۱۸۵
"	مخالفت ثقات	۱۸۶
۱۱۲	مخالفت ثقات کو ضبط سے متعلق اسباب طعن میں شمار کرنے کی وجہ	۱۸۷
۱۱۳	وہم	۱۸۸
"	وہم کی شناخت	۱۸۹
۱۱۴	سوء حفظ	۱۹۰
"	سوء حفظ کی اقسام	۱۹۱
"	سوء حفظ لازم	۱۹۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۱۳ سوء حفظ طاری	۱۹۳
” سنی الحفظ کا حکم	۱۹۴
” مختلط راوی کی حدیث کا حکم	۱۹۵
۱۱۵ فائدہ	۱۹۶
” حدیث صحیح کی اقسام	۱۹۷
” حدیث غریب	۱۹۸
” حدیث عزیز	۱۹۹
” حدیث مشہور	۲۰۰
” حدیث مشہور کی دوسری تعریف	۲۰۱
۱۱۶ حدیث مستفیض	۲۰۲
” دوسری تعریف	۲۰۳
” دونوں تعریفوں کے مابین نسبت	۲۰۴
” وجہ تسمیہ	۲۰۵
” حدیث متواتر	۲۰۶
” شرائط تواتر	۲۰۷
” تنبیہ	۲۰۸
۱۱۷ متواتر کا فائدہ	۲۰۹
” تنبیہ	۲۱۰
” تواتر کی تعداد	۲۱۱
” حدیث غریب کا دوسرا نام اور اسکے اقسام	۲۱۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۱۷	فرد مطلق.....	۲۱۳
۱۱۸	تنبیہ.....	۲۱۴
۱۱۹	فرد نسبی.....	۲۱۵
۱۲۰	تنبیہ.....	۲۱۶
۱۲۱	غریب اور فرد میں فرق.....	۲۱۷
۱۲۲	غریب اور شاذ کا استعمال.....	۲۱۸
۱۲۳	ضعیف اور صحیح کے درجات کا بیان.....	۲۱۹
۱۲۴	حدیث ضعیف کی تعریف.....	۲۲۰
۱۲۵	حدیث صحیح و حدیث حسن کے مراتب اور درجات.....	۲۲۱
۱۲۶	صحیح الاسانید.....	۲۲۲
۱۲۷	صحیح الاسانید کے بارے میں ائمہ محدثین کے اقوال.....	۲۲۳
۱۲۸	کسی خاص قید کے ساتھ صحیح الاسانید کا فیصلہ.....	۲۲۴
۱۲۹	فصل: امام ترمذی کی عادت شریفہ کا بیان.....	۲۲۵
۱۳۰	غریب اور حسن کا اجتماع.....	۲۲۶
۱۳۱	فصل: احادیث صحیحہ اور احادیث حسن اور حدیث ضعیف سے استدلال اور احتجاج کا بیان.....	۲۲۷
۱۳۲	حدیث ضعیف سے استدلال کا حکم.....	۲۲۸
۱۳۳	تنبیہ.....	۲۲۹
۱۳۴	تنبیہ.....	۲۳۰
۱۳۵	کیا تعدد طرق سے مطلقاً حدیث ضعیف کا ضعف دور ہو جائیگا.....	۲۳۱

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۲۹	نصل: صحیح بخاری کی فوقیت اور احادیث صحیحہ کے درجات کا بیان.....	۲۳۳
۱۳۰	صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کی وجوہات.....	۲۳۴
۱۳۱	صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح کا مسئلہ اور اسکی توجیہ.....	۲۳۵
"	متفق علیہ کی تعریف.....	۲۳۶
"	متفق علیہ احادیث کی تعداد.....	۲۳۷
۱۳۲	احادیث صحیحہ کے درجات.....	۲۳۸
"	کیا کتب صحاح مجردہ میں کسی حدیث کا آنا صحت کے لئے کافی ہے.....	۲۳۹
۱۳۳	شرط بخاری و مسلم کی مراد.....	۲۴۰
۱۳۴	وضاحت.....	۲۴۱
"	ایک اشکال اور اس کا جواب.....	۲۴۲
۱۳۵	رواق حدیث کے طبقات.....	۲۴۳
۱۳۶	محاسن النکات.....	۲۴۴
"	کیا احادیث صحیحہ صحیحین میں منحصر ہیں.....	۲۴۵
"	احادیث صحیحہ کے صحیحین میں منحصر نہ ہونے کی دلیل.....	۲۴۶
۱۳۷	حاکم کی تعریف.....	۲۴۷
"	حجت کسے کہتے ہیں؟.....	۲۴۸
"	حافظ کی تعریف.....	۲۴۹
۱۳۸	مبتدعین کا اعتراض اور اس کا جواب.....	۲۵۰
"	صحیحین کی احادیث کی تعداد.....	۲۵۱
۱۳۹	صحاح ستہ میں ترتیب.....	۲۵۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۳۹ہذہ الکتب الاربعہ	۲۵۳
۱۴۰مٹلائی کے کہتے ہیں	۲۵۴
"امام بغوی کی اصطلاح اور اس پر اعتراض	۲۵۵
	(تعریفات)	۲۵۶
۱۴۱حدیث	۲۵۷
"حدیث مرفوع	
"موقوف	۲۵۸
"مقطوع	۲۵۹
"اثر	۲۶۰
"محدث	۲۶۱
"اخباری	۲۶۲
"سند	۲۶۳
"متن	۲۶۴
"متصل	۲۶۵
"منقطع: ۱	۲۶۶
۱۴۲منقطع: ۲	۲۶۷
"معلق	۲۶۸
"مرسل	۲۶۹
"حکم مرسل	۲۷۰
"معقل	۲۷۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۷۲	دلس.....	۱۳۳
۲۷۳	مضطرب.....	"
۲۷۴	مدرج.....	"
۲۷۵	معنہ.....	"
۲۷۶	معین.....	"
۲۷۷	مسند.....	"
۲۷۸	شاذ: ۱.....	"
۲۷۹	شاذ: ۲.....	"
۲۸۰	شاذ: ۳.....	"
۲۸۱	مردود.....	"
۲۸۲	محفوظ.....	"
۲۸۳	منکر: ۱.....	"
۲۸۴	منکر: ۲.....	"
۲۸۵	معروف.....	"
۲۸۶	معلل.....	۱۳۴
۲۸۷	متابع.....	"
۲۸۸	شاہد.....	"
۲۸۹	اعتبار.....	"
۲۹۰	صحیح.....	"
۲۹۱	صحیح لذاتہ.....	"

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
"	صحیح لغیرہ.....	۲۹۲
"	حسن لذاتہ.....	۲۹۳
"	حسن لغیرہ.....	۲۹۴
"	ضعیف.....	۲۹۵
"	عدالت.....	۲۹۶
"	تقوی.....	۲۹۷
"	مروءہ.....	۲۹۸
"	ضبط.....	۲۹۹
۱۴۵	ضبط الصدر.....	۳۰۰
"	ضبط الکتاب.....	۳۰۱
"	جرح عدالت.....	۳۰۲
"	کذب.....	۳۰۳
"	موضوع.....	۳۰۴
"	متروک.....	۳۰۵
"	اتهام بالکذب.....	۳۰۶
"	مبہم.....	۳۰۷
"	مبہم کا حکم.....	۳۰۸
"	بدعت.....	۳۰۹
"	مبتدع کی حدیث کا حکم.....	۳۱۰
"	جرح ضبط.....	۳۱۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۱۲	سوء حفظ	۱۴۶
۳۱۳	مخلط	"
۳۱۴	غریب	"
۳۱۵	عزیز	"
۳۱۶	مشہور	"
۳۱۷	متواتر	"
۳۱۸	فردنسی	"
۳۱۹	فرد مطلق	"
۳۲۰	صحیح حدیثوں کی سات قسمیں ہیں	"
۳۲۱	المستدرک	۱۴۷
۳۲۲	صحاح ستہ	"
۳۲۳	حسان	"
	﴿.....رسالہ اصول حدیث منظوم.....﴾	
۳۲۴	حمد و صلوٰۃ	۱۴۹
۳۲۵	تعریف حدیث	"
۳۲۶	اقسام حدیث	۱۵۱
۳۲۷	تقسیم حدیث باعتبار سند	۱۵۳
۳۲۸	اقسام منقطع	"
۳۲۹	حکم مرسل	۱۵۴
۳۳۰	توضیح	۱۵۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۳۱	مرسل کا حکم محدثین و فقہاء کے نزدیک.....	۱۵۶
۳۳۲	معطل.....	"
۳۳۳	منقطع.....	۱۵۷
۳۳۴	مجلس.....	"
۳۳۵	منقطع کے اقسام میں مجلس بھی ہیں.....	"
۳۳۶	مسند و متصل.....	"
۳۳۷	بیان مضطرب وغیرہ.....	۱۵۸
۳۳۸	مدرج.....	۱۵۹
۳۳۹	مععن.....	"
۳۴۰	فائدہ.....	"
۳۴۱	تقسیم دہر در بیان شذوذ وغیرہ.....	۱۶۰
۳۴۲	فائدہ.....	۱۶۱
۳۴۳	بیان معنی متابعت و نحوہ و مثلہ.....	"
۳۴۴	مثلہ.....	۱۶۲
۳۴۵	نحوہ.....	"
۳۴۶	شرط متابع.....	"
۳۴۷	شواہد.....	"
۳۴۸	معلل.....	"
۳۴۹	بیان حسن و صحیح و ضعیف.....	"
۳۵۰	صحیح.....	۱۶۳

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۶۴	صحیح لذاتہ.....	۳۵۱
۱۶۵	صحیح لغیرہ.....	۳۵۲
۱۶۵	حسن لذاتہ.....	۳۵۳
۱۶۵	حسن لغیرہ.....	۳۵۴
۱۶۶	بیان ضبط و عدالت.....	۳۵۵
۱۶۷	بیان طعن در ضبط.....	۳۵۶
۱۶۸	بیان عزیز و غریب کہ از اقسام صحیح اند.....	۳۵۷
۱۶۹	اقسام غریب یعنی فرد.....	۳۵۸
۱۷۰	بیان اصطلاح دیگر در معنی غریب.....	۳۵۹
۱۷۱	فائدہ.....	۳۶۰
۱۷۱	بیان اقسام ضعیف.....	۳۶۱
۱۷۲	بیان حکم عمل بر آں اقسام.....	۳۶۲
۱۷۳	فائدہ.....	۳۶۳
۱۷۴	صحاح ستہ.....	۳۶۴
۱۷۵	اصطلاح دیگر بقول شیخ ہر وی.....	۳۶۵
۱۷۶	بیان طبقات روایات.....	۳۶۶
۱۷۷	فائدہ.....	۳۶۷
۱۷۸	دعاء.....	۳۶۸
۱۷۹	ہدایت.....	۳۶۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	﴿..... تذکرہ ائمہ محدثین.....﴾ (امام بخاری)	
۲۷۰	نام و نسب	۱۹۳
۲۷۱	والادت	"
۲۷۲	والدہ کی مستجاب دعا	"
۲۷۳	تعلیم و تربیت	"
۲۷۴	حفظ و ذہانت	۱۹۵
۲۷۵	اساتذہ	"
۲۷۶	تلامذہ	"
۲۷۷	حفظ و ذہانت کا ایک عجیب واقعہ	"
۲۷۸	وفات	۱۹۶
۲۷۹	قبر سے مشک کی خوشبو کا آنا	"
۲۸۰	خواب بعد از وفات	"
۲۸۱	تاریخی جملہ	۱۹۷
۲۸۲	صدق حمید نور	"
۲۸۳	تصانیف	"
۲۸۴	صحیح بخاری	"
۲۸۵	وجہ تالیف	۱۹۸
۲۸۶	طریق تالیف	"

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	(امام مسلم)	
۳۸۷	نام و نسب	۱۹۹
۳۸۸	ولادت باسعادت	"
۳۸۹	سماع حدیث کیلئے اسفار کی ابتداء	"
۳۹۰	شیوخ	"
۳۹۱	تلامذہ	۳۹۰
۳۹۲	اخلاق، نادات، زہد، تقویٰ،	"
۳۹۳	فضل و مال کا اعتراف	"
۳۹۳	شغف علم کا ایک عجیب واقعہ	"
۳۹۵	وفات	"
۳۹۶	تصنیفات	"
	(امام مالک)	
۳۹۷	نام و نسب	۳۹۱
۳۹۸	ولادت	"
۳۹۹	حایہ مبارک	"
۴۰۰	طلب علم	"
۴۰۱	فضائل و مناقب	۳۹۲
۴۰۲	علماء کا اعتراف	"
۴۰۳	تصانیف	"
۴۰۴	وفات	"

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
	(امام شافعیؒ)	
۲۲	نام و نسب	۲۰۵
"	ولادت	۲۰۶
"	علمی اسفار	۲۰۷
۲۳	اساتذہ	۲۰۸
"	تلامذہ	۲۰۹
"	قصاحت و بلاغت اور علماء کا اعتراف	۲۱۰
"	اخلاق	۲۱۱
۲۵	وفات	۲۱۲
	(امام احمد بن حنبلؒ)	
۲۶	نام و نسب	۲۱۳
"	ولادت با سعادت	۲۱۴
"	تعلیم و تربیت	۲۱۵
"	اساتذہ	۲۱۶
"	تلامذہ	۲۱۷
۲۷	معاصر علماء کا اعتراف	۲۱۸
"	زہد و ورع	۲۱۹
"	فقہ و اجتہاد	۲۲۰
"	وفات	۲۲۱
"	ایک عجیب اتفاق	۲۲۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۲۳	ابتلا و آزمائش.....	۳۸
۲۲۴	علمی آثار.....	۳۹
	(امام ترمذی)	
۲۲۵	نام و نسب.....	۳۹
۲۲۶	تاریخ پیدائش.....	۳۹
۲۲۷	مولد و مسکن.....	۳۹
۲۲۸	تحصیل علم.....	۳۹
۲۲۹	اساتذہ.....	۳۹
۲۳۰	لطیفہ.....	۳۹
۲۳۱	تلامذہ.....	۳۹
۲۳۲	قوة حافظہ.....	۳۹
۲۳۳	واقعہ.....	۳۹
۲۳۴	وفات.....	۳۹
۲۳۵	تصانیف.....	۳۹
	(امام ابو داؤد)	
۲۳۶	نام و نسب.....	۳۹
۲۳۷	سجستان.....	۳۹
۲۳۸	والادت.....	۳۹
۲۳۹	تحصیل علم.....	۳۹
۲۴۰	اساتذہ.....	۳۹

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۲۴۳	تلاذہ.....	۴۴۱
”	قدردانی اسلاف.....	۴۴۲
۲۱۵	آپ کے فضل و مال کا اعتراف.....	۴۴۳
”	وفات.....	۴۴۴
”	تصانیف.....	۴۴۵
”	سنن ابو داؤد کا مقام.....	۴۴۶
	(امام نسائی)	
۲۶۶	نام و نسب.....	۴۴۷
”	مولد.....	۴۴۸
”	تحصیل علم.....	۴۴۹
”	مصر میں مستقل اقامت.....	۴۵۰
”	اساتذہ.....	۴۵۱
۲۶۷	نام حالات زندگی.....	۴۵۲
”	زہد و تقویٰ.....	۴۵۳
”	معاصرین کا اعتراف.....	۴۵۴
۲۱۸	تلاذہ.....	۴۵۵
”	امام نسائی اور تشیع.....	۴۵۶
”	وفات.....	۴۵۷
”	تالیفات و تصنیفات.....	۴۵۸
۲۱۹	وجہ تالیف.....	۴۵۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	(امام ابن ماجہ)	
۴۶۰	نام و نسب	۴۶۰
۴۶۱	ما جہ	۴۶۱
۴۶۲	والادت	۴۶۲
۴۶۳	اسفار	۴۶۳
۴۶۴	اساتذہ	۴۶۴
۴۶۵	تلامذہ	۴۶۵
۴۶۶	علماء کا حسن اعتراف	۴۶۶
۴۶۷	نقاہت	۴۶۷
۴۶۸	وفات	۴۶۸
۴۶۹	تصانیف	۴۶۹
۴۷۰	سنن ابن ماجہ کا مقام	۴۷۰
۴۷۱	تعداد و روایت ابن ماجہ	۴۷۱
	(امام دارمی)	
۴۷۲	نام و نسب	۴۷۲
۴۷۳	والادت	۴۷۳
۴۷۴	اسفار	۴۷۴
۴۷۵	عبدۃ قضا	۴۷۵
۴۷۶	علماء کا حسن اعتراف	۴۷۶
۴۷۷	اساتذہ	۴۷۷

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۲۲۳	تلامذہ	۳۷۸
”	وفات	۳۷۹
”	تصانیف	۳۸۰
	(امام دارقطنی)	
۲۲۵	تاریخ پیدائش	۳۸۱
”	علمی رحلت	۳۸۲
”	مختلف علوم و فنون میں مہارت	۳۸۳
”	علماء کا حسن اعتراف	۳۸۴
۲۲۶	آپ کی ذہانت کا ایک عجیب واقعہ	۳۸۵
”	اساتذہ	۳۸۶
۲۲۷	تلامذہ	۳۸۷
”	وفات	۳۸۸
”	تصانیف	۳۸۹
	(امام بیہقی)	
۲۲۸	نام و نسب	۳۹۰
”	مولد و مسکن	۳۹۱
”	حصول تعلیم اور اساتذہ	۳۹۲
”	علماء کا حسن اعتراف	۳۹۳
۲۲۹	اساتذہ	۳۹۴
”	تلامذہ	۳۹۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۴۹۶	وفات.....	۴۹۶
۴۹۷	تصانیف.....	۴۹۷
	(امام رزین)	
۴۹۸	نام و نسب.....	۴۹۸
۴۹۹	جائے پیدائش.....	۴۹۹
۵۰۰	مجاورت مکہ مکرمہ.....	۵۰۰
۵۰۱	اساتذہ.....	۵۰۱
۵۰۲	تلامذہ.....	۵۰۲
۵۰۳	تصنیف.....	۵۰۳
۵۰۴	وفات.....	۵۰۴
	(امام ابن خزیمہ)	
۵۰۵	نام و نسب.....	۵۰۵
۵۰۶	جائے پیدائش.....	۵۰۶
۵۰۷	وسعت علم.....	۵۰۷
۵۰۸	اشعار.....	۵۰۸
۵۰۹	علماء کا حسن اعتراف.....	۵۰۹
۵۱۰	ابو علی الحافظ.....	۵۱۰
۵۱۱	اساتذہ.....	۵۱۱
۵۱۲	تلامذہ.....	۵۱۲
۵۱۳	وفات.....	۵۱۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۱۳	تصانیف	"
۵۱۵	تعارف صحیح ابن خزمیہ	"
	(امام ابن حبان)	
۵۱۶	نام و نسب	۲۳۳
۵۱۷	مولد	"
۵۱۸	اوصاف حمیدہ	"
۵۱۹	اسفار	"
۵۲۰	عبدہ قضاء	"
۵۲۱	اعتراف علم و فضل	"
۵۲۲	اساتذہ	۲۳۴
۵۲۳	تلامذہ	"
۵۲۴	وفات	"
۵۲۵	تصانیف	"
۵۲۶	تعارف صحیح ابن حبان	"
	(امام حاکم صاحب مستدرک)	
۵۲۷	نام و نسب	۲۳۵
۵۲۸	ولادت	"
۵۲۹	اسفار	"
۵۳۰	عبدہ قضاء	"
۵۳۱	حدیث دانی	"

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۳۶	علماء کا حسن اعتراف	۲۳۵
۵۳۶	اساتذہ	۲۳۶
۵۳۶	تلامذہ	"
۵۳۵	وفات	"
۵۳۶	تصانیف	"
۵۳۷	تعارف صحیح الحاکم المعروف بالمستدرک	۲۳۷
	(امام ضیاء الدین المقدسی)	
۵۳۸	نام و نسب	۲۳۸
۵۳۹	ولادت	"
۵۴۰	اسفار	"
۵۴۱	وفات	"
۵۴۲	تعارف المختارہ	"
	(امام ابو عوانہ)	
۵۴۲	نام و نسب	۲۳۹
۵۴۲	اسفار	"
۵۴۵	مستقل اقامت	"
۵۴۶	علماء کا حسن اعتراف	"
۵۴۷	اساتذہ	"
۵۴۸	تلامذہ	"
۵۴۹	وفات	۲۴۰

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۵۰	تصنیف.....	۲۳۰
۵۵۱	تعارف صحیح البوعوانہ.....	"
	(امام ابن السکّٰن)	
۵۵۲	نام و نسب.....	۲۳۱
۵۵۳	تاریخ ولادت.....	"
۵۵۴	بیدار مغز مصنف.....	"
۵۵۵	پیشہ.....	"
۵۵۶	اسفار.....	"
۵۵۷	اعتراف علم و فضل.....	"
۵۵۸	اساتذہ.....	"
۵۵۹	تلامذہ.....	۲۳۲
۵۶۰	وفات.....	"
۵۶۱	تالیفات.....	"
۵۶۲	تعارف صحیح ابن السکّٰن.....	"
	(امام ابن الجارود اور ان کی کتاب المنقی)	
۵۶۳	نام و نسب.....	۲۳۳
۵۶۴	تاریخ ولادت.....	"
۵۶۵	اعتراف علم و فضل.....	"
۵۶۶	اساتذہ.....	"
۵۶۷	تلامذہ.....	"

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۶۸	تاریخ وفات	۲۴۴
۵۶۹	تالیف	۲۴۵
۵۷۰	(الامام الاعظم ابو حنیفۃ النعمان علیہ الرحمۃ والرضوان)	۲۴۶
۵۷۱	فضائل امام ابو حنیفہؒ	۲۴۷
۵۷۲	شرف تابعیت	۲۴۸
۵۷۳	اساتذہ کرام	۲۴۹
۵۷۴	تلامذہ	۲۵۰
۵۷۵	مرتبہ فی علم الحدیث	۲۵۱
۵۷۶	فقہ میں امام اعظمؒ کا مرتبہ	۲۵۲
۵۷۷	عقل و ذکاوت	۲۵۳
۵۷۸	عبادت	۲۵۴
۵۷۹	خوف و خشیت	۲۵۵
۵۸۰	زہد و ورع پر بیزگاری	۲۵۶
۵۸۱	امامت و جلالت	۲۵۷
۵۸۲	محدثین اور طلباء علم پر انفاق و سخاوت	۲۵۸
۵۸۳	وفات و سانحہ ارتحال	۲۵۹
۵۸۴	امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک کا تذکرہ و تبصرہ	۲۶۰
۵۸۵	ابو حنیفہؒ تمام حسنات اور تمام صفات محمودہ کے جامع تھے	۲۶۱
۵۸۶	ابو حنیفہؒ سے محرومی علم سے محرومی ہے	۲۶۲
۵۸۷	مرقد امام ابو حنیفہؒ پر ابن مبارکؒ کا زار زار رونا	۲۶۳

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۲۵۸	نواب صدیق حسن خاں کی حقیقت پسندی.....	۵۸۸
..	حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد.....	۵۸۹
..	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد.....	۵۹۰
۲۶۰	(الامام ابویوسف الانصاری).....	۵۹۱
۲۶۳	(الامام محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی).....	۵۹۲
۲۶۶	(الامام زفر بن الہذیل).....	۵۹۳
۲۶۸	(صاحب مصابیح).....	۵۹۴
۲۶۹	آپ کے بحر علمی کی شہادتیں.....	۵۹۵
۱۷۰	تصانیف.....	۵۹۶
۲۷۱	(صاحب مشکوٰۃ).....	۵۹۷
..	تعداد احادیث مشکوٰۃ مصاح.....	۵۹۸
۲۷۲	شرح مشکوٰۃ شریف.....	۵۹۹
۲۷۶	خطبہ ودیباچہ	
۲۷۸	خطبہ الکتاب.....	۶۰۰
۲۸۸	ضرورت تدوین احادیث مبارکہ.....	۶۰۱
..	مصاحح کو اختیار کرنے کی وجہ.....	۶۰۲
۲۸۹	استخارہ.....	۶۰۳
۲۹۰	استخارہ کا مقصد.....	۶۰۴
..	ایک غلط فہمی کا ازالہ.....	۶۰۵
۲۹۱	شیخین.....	۶۰۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۶۰۷	اشکال مع جواب	۲۹۱
۶۰۸	نقل حدیث	۲۹۲
۶۰۹	فوائد خطبہ	۲۹۵
۶۱۰	آغاز کتاب مقدس	//
۶۱۱	تسمیہ اور حمد میں ترتیب	۲۹۷
۶۱۲	دونوں جملوں میں فرق	۲۹۸
۶۱۳	دو جملے ذکر کرنے میں حکمتیں	//
۶۱۴	صیغہ جمع لانے میں حکمت	۲۹۹
۶۱۵	فائدہ	۳۰۱
۶۱۶	فوائد دیباچہ	۳۰۶
۶۱۷	خلاصہ دیباچہ	//
۶۱۸	وجہ الفرق بین المشکوة والمصابیح	۳۰۸
۶۱۹	ذکر صحابی کے فوائد	۳۱۰
۶۲۰	تعیین مخرج کے فوائد	۳۱۲
۶۲۱	قواعد فوائد ہمزہ ابن	//
۶۲۲	لفظ ماجہ کی تحقیق	۳۱۵
۶۲۳	الجمع بین الصحیحین للحمیدی کا تذکرہ	۳۱۷
۶۲۴	ولادت	//
۶۲۵	وفات	۳۱۸
۶۲۶	کرامت	//
۶۲۷	مفید اشعار	//

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۳۱۹	جامع الاصول کا تذکرہ	۶۲۸
۳۲۰	انما الاعمال بالنیات	۶۲۹
۳۲۱	نسخہ کیمیا	۶۳۰
	حدیث انما	
۳۲۲	حدیث نمبر ۱۱۱۱ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔	۶۳۱
۳۲۶	لطیفہ	۶۳۲
۳۲۷	شان ورود	۶۳۳
۳۲۸	حقیقت اخلاص	۶۳۴
..	عمل مشوب کا حکم	۶۳۵
۳۲۹	تینوں قسموں کا حکم	۶۳۶
۳۳۰	ایک غلطی کا ازالہ	۶۳۷
۳۳۱	فائدہ	۶۳۸
۳۳۲	وضو میں نیت کا حکم	۶۳۹
۳۳۵	اشکال مع جواب	۶۴۰
..	اشکال دوم مع جواب	۶۴۱
۳۳۶	ہجرت کو مثال میں ذکر کرنے کی وجہ	۶۴۲
..	خلاصہ	۶۴۳
۳۳۷	اقسام ہجرت	۶۴۴
۳۳۸	فوائد و مسائل	۶۴۵
..	فوائد	۶۴۶
	تمت وبالفعل عمت	

عرض مرتب

جس میں استاذ محترم حضرت علامہ رفیق احمد
صاحب قدس سرہ کا مختصر تعارف، شرح کا محرک
شرح کی نوعیت و کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مرتب

﴿علامہ رفیق احمد صاحب﴾

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد۔
استاذ محترم محدث جلیل حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ بھیسانی اسلام پور
ضلع مظفرنگر یوپی کے رہنے والے تھے۔ یہ بستی تھانہ بھون کے قریب ہے۔
اس بستی سے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کا خاص تعلق تھا اور اس بستی کو اپنی
بستی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علامہ صاحب کی بسم اللہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے کرائی اور ابتدائی
تعلیم اپنی بستی میں حاصل کی۔ اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حضرت تھانوی کی زیر سرپرستی
قرآن پاک حفظ کیا۔

اور خانقاہ میں نابالغ بچوں کے قیام کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے صاحب اعلیٰ السنن
حضرت مولانا علامہ ظفر احمد تھانوی قدس سرہ کے مکان پر قیام رہتا تھا۔ اور موصوف پوری
پوری نگرانی فرماتے تھے۔ حضرت حکیم الامت کے مکان میں بھی آنا جانا تھا، اور مکان سے
حضرت حکیم الامت کی خدمت میں کوئی سامان پان وغیرہ لیجانے کی خدمت بھی گاہے گاہے
انجام دیتے تھے۔

حضرت علامہ ظفر احمد صاحب قدس سرہ کاڈھا کہ یونیورسٹی میں جانا تجویز ہو گیا اس لئے موصوف نے حضرت مولانا مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ کے نام خط لکھ کر دیا کہ اب مولویت کی تعلیم مفتاح العلوم جلال آباد حاصل کرو اس خط کو دیکھ کر حضرت جی نور اللہ مرقدہ نے داخلہ کر لیا اور ابتدائی فارسی عربی کی کتابیں شروع کرادیں تعلیم کے ساتھ حضرت جی نور اللہ مرقدہ کی خدمت کی سعادت میسر رہی۔

کنز الدقائق، شرح جامی وغیرہ کتابوں کی تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند ۱۳۶۱ھ میں داخلہ لیکر شرح جامی کے بعد سے دورہ حدیث شریف تک کی تمام کتابیں دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں۔ اور ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ

شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب قدس سرہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب، حضرت مولانا

عبدالمسیح صاحب نور اللہ مرقدہ، ہم مخصوص اساتذہ تھے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب لوہاروی ثم پاکستانی شیخ الحدیث دارالعلوم فاروقیہ

کراچی و صدر وفاق المدارس پاکستان مخصوص رفیق درس تھے۔ جن سے دوستانہ تعلق تھا۔

فراغت کے بعد ہی مفتاح العلوم جلال آباد میں تقرر ہو گیا، اور شروع ہی میں شرح جامی،

مختصر المعانی، مقامات حریری وغیرہ کتابیں سپرد ہوئیں۔ اس وقت یہی آخری کتابیں تھیں۔

۱۳۷۷ھ میں تقریباً دورہ حدیث شریف کا آغاز ہوا۔ اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد

صاحب لکھنوی مجاز بالصحب از حضرت حکیم الامت اور مجاز بالبیعت حضرت مسیح الامت شیخ

الحدیث کو تجویز کیا گیا۔ مگر موصوف ایک سال کے بعد ہی وصال فرما گئے اور بخاری شریف مکمل، ترمذی شریف مکمل، حضرت علامہ صاحب قدس سرہ کے سپرد ہوئیں۔ صرف بخاری شریف کتاب العلم تک حضرت جی نور اللہ مرقدہ پڑھاتے تھے۔

اس طرح مفتاح العلوم کے اخیر قیام ۱۳۹۹ھ تک آپ اس منصب شیخ الحدیث پر فائز رہے۔ اور کما حقہ اس کا حق ادا فرماتے رہے۔

مفتاح العلوم سے علیحدگی کے بعد مصباح العلوم بھیسانی اسلام پور میں بھی درس حدیث دیا۔ اور دارالعلوم وقف دیوبند میں آپ کو شیخ الحدیث تجویز کیا گیا۔ مگر آپ اپنے مشاغل کی وجہ سے اس کو نباہ نہ سکے اور پھر مظاہر علوم کی تقسیم کے بعد حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ کے حکم اور اصرار پر مظاہر علوم وقف میں آپ کو شیخ الحدیث تجویز کیا گیا۔ اور اخیر حیات تک وہاں اس منصب پر فائز رہے۔

۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۹۰ء بروز شنبہ تقریباً ۱۲ بجے شب وصال ہوا۔ مصباح العلوم بھیسانی اسلام پور کے احاطہ میں حافظ عبد الرزاق بھیسانویؒ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

بخاری شریف، ترمذی شریف کے ساتھ ساتھ مشکوٰۃ شریف کا درس حضرت علامہ صاحب کا خاص درس تھا۔ جس کو حضرت انتہائی بٹاشت سے پڑھاتے تھے۔ اور سیر حاصل بحث فرمایا کرتے تھے۔

بندہ کو حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ سے مشکوٰۃ شریف پڑھنے اور درس کے ساتھ ہی درس کی تقریر لکھنے کی سعادت بھی میسر آئی اس وقت ٹیب ریکارڈ کا سلسلہ زیادہ شروع نہیں ہوا تھا اس لئے ہاتھ سے ہی لکھنا ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ شانہ کا الاکھ الاکھ احسان ہے کہ اس نے مکمل مشکوٰۃ شریف کی درسی تقریر لکھنے کی سعادت بخشی جو پچاسوں کاپیوں میں پھیلی

ہوئی تھی۔ مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحب نور اللہ مرقدہ بندہ کے جلال آباد میں قیام کے زمانہ میں بندہ کے کمرہ میں تشریف لائے اور ان کا پیوں کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا، انکو چھوانا پانے۔ بندہ خاموش ہو گیا اس لئے کہ بندہ کے تصور و خیال میں بھی نہیں تھا کہ اس تقریر کی کبھی اشاعت کی نوبت آئے گی، مگر کیا معلوم تھا کہ مع قلندر ہرچ گوید دیدہ گوید

حسن اتفاق

فقہ الامت حضرت اقدس سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ کے یہاں جامع العلوم کا پورا قیام کے دوران بخاری شریف مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث کے درس کے ساتھ ساتھ مشکوٰۃ شریف کا درس بھی بہت اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا اور درس مشکوٰۃ کو خاص اہمیت حاصل تھی یہاں تک کہ بعض بڑے مدارس سے طلباء درس مشکوٰۃ کی شرکت کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ حضرت والا درس مشکوٰۃ کے لئے متعدد شروح حدیث کا مطالعہ فرماتے تھے اور اپنی کتاب مشکوٰۃ شریف پر بعض اشارے اور حوالجات تحریر فرماتے تھے، مگر وہ حوالجات صرف کتاب کا نام صفحہ نمبر جلد نمبر ہوتا تھا۔ اور ایک ایک صفحہ پر اس طرح متعدد حواشی ہوتے تھے اور بعض صفحات پر بیسوں شروح حدیث کے حوالجات ہوتے تھے۔ حوالجات زیادہ تر بذل المجموعہ، اوجز المسالك، اللکوب الدرر، مرقاة المصابیح، فتح الباری، نووی شرح مسلم، امانی الاحبار، مع الدراری، فتح الملہم کے ہوتے تھے۔

یہ حواشی صرف مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کرنے والے کیلئے تو زیادہ مفید نہیں، لیکن مشکوٰۃ شریف پر شرح وغیرہ کا کام کرنے والے کیلئے بے حد مفید ہیں، کہ ان حوالجات سے ان کتب سے مراجعت

بہت سہل اور آسان ہو جاتی ہے کہ فلاں جلد اور فلاں صفحہ نکالو اور متعلقہ مسئلہ بحث دیکھ لو۔

حضرت اقدس فقہ الامت قدس سرہ کے یہاں تقسیم کتب کا بہت زور تھا کہ اپنے متعلقین اور شاگردوں کو کثرت سے کتب تقسیم فرمایا کرتے تھے، اور خاص طور سے جس کو اہل دیکھتے اسکو بڑی فراخ دلی سے خرید کر کتب عنایت فرمایا کرتے، اور اخیر زمانہ میں کثرت امراض اور ضعف بصر کے بعد اپنا پورا کتب خانہ ہی تقسیم فرما دیا تھا، جس کا بڑا حصہ اس ناکارہ کو عنایت فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف جو حضرت والا قدس سرہ کے زیر درس رہتی تھی اور جس پر حوالجات درج تھے اس پر ایک بڑے عالم اور مفتی صاحب کا نام حضرت والا قدس سرہ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا اس ناکارہ کو عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا: اس کو میں نے فلاں کے لئے رکھا تھا اور ان کو دینے کا ارادہ تھا لیکن یہ میں تم کو دیتا ہوں اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا: کہ یہ محض مطالعہ کے لئے تو زیادہ مفید نہیں مگر مشکوٰۃ پر کام کرنے والے کیلئے بہت مفید ہے۔

اس ناکارہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس ظلوم و جہول کو بھی مشکوٰۃ شریف جیسی اہم کتاب پر اس طرح کا کام کرنے کی نوبت آئیگی، یہ ناکارہ اس کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا، رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد عالی کتنا برحق ہے: ”اتقوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ [مومن کی فراست سے ڈرو پس بیشک وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔] حضرت والا قدس سرہ نے اپنے نور فراست سے کتنی دور کی چیز کو دیکھ لیا تھا، اور فرمایا تھا کہ مشکوٰۃ شریف پر کام کرنے والے کیلئے یہ بہت مفید ہے۔

حضرت والا قدس سرہ کا یہ ارشاد حرف بحرف کتنا سچ نکلا۔

حضرت والا قدس سرہ نے جن شروح حدیث کے حوالجات نقل فرمائے ہیں اس شرح میں علامۃ الان ہی کتابوں سے زیادہ مدد لی گئی ہے، اور اس کام میں بھی یقیناً حضرت فقہ الامت قدس سرہ کی دعاؤں تو جہات عالیہ کا زیادہ دخل ہے، ورنہ اپنا حال تو وہ ہے کہ

من آثم کہ من دامن

۵ کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقان
مصلحت را تہمت بر آہوئے چین بستہ آند

اصل محرک

استاد محترم مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ اور سیدی و مرشدی فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ خلیفہ اجل شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ بردو حضرات کی دعا و توجہات عالیہ کا حال تو معلوم ہو چکا کہ شرح مشکوٰۃ اسی کا ثمرہ ہے۔ یہ تو باطنی محرکات تھے۔

ظاہری اصل محرک یہ ہوا کہ جوں جوں عمر گزر رہی ہے اپنی تہی دامنہ کا احساس بھی بڑھتا جا رہا ہے، اب جب کہ عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر گئی اس احساس میں مزید ترقی ہوتی جا رہی ہے اس لئے شدت سے تقاضا ہوا کہ عمر کا جتنا حصہ باقی ہے وہ حدیث پاک کی خدمت میں گزر جائے کہ حدیث پاک کی خدمت و مشغولی بذات خود بہت بڑی دولت اور نفع نفع ہے اور اس رحمٰن و رحیم کی کریم ذات سے کیا بعید ہے کہ وہ اس کی برکت اور محض اپنے فضل و کرم سے حدیث پاک کی خدمت گزاروں میں حشر فرمادیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تصور میں سراپائے حبیب حق بسائیں گے
دل و دیدہ کی محفل ان کے جلوؤں سے سجائیں گے
نگاہ نامراد دید کی حسرت نکالیں گے
کسی صورت دل مجبور کو اپنے سنبھالیں گے
تمناؤں کا اک طوفان اٹھ آیا ہے سینے میں
مچلتی ہو مئے گل رنگ جیسے آگینے میں

مرے دل کو غم عشق نبی اے میرے باری دے
 تڑپ دے سوز دے درد و الم دے بے قراری دے
 نہ تھمتی چشم غم میری نہ ہوتا اشک کم میرا
 اسی شغل مبارک میں نکلتا کاش دم میرا
 کسی صاحب دل نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ دعائے دل ہے خدا کرے
 تو آتش عشق میں جلا کرے
 نہ نصیب ہو تجھے بیٹھنا
 تیرے دل میں درد اٹھا کرے

تقریباً ۱۳۸۹ھ اور ۱۳۹۰ھ میں بندہ نے مشکوٰۃ شریف پڑھی جس کو پالیس برس کا زمانہ گزر گیا اور وہ کاپیاں بھی بوسیدہ ہو گئیں اس خیال سے کہ یہ تقریر محفوظ ہو جائے اس کو دوسری کاپیوں میں نقل کرانا شروع کیا۔ اکثر حصہ نقل ہو جانے پر بندہ نے اس کو دیکھا، باوجودیکہ مشکوٰۃ شریف پر بہت کام ہو چکا ہے اور عربی، اردو، میں اسکی شرحیں کافی موجود ہیں اور بعض درسی تقریریں بھی آچکی ہیں مگر اس کو دیکھنے کے بعد اسکی اشاعت کا تقاضہ ہوا (اصل وجہ اوپر گزر چکی) اور ارباب علم حضرات جنہوں نے دیکھا انہوں نے بھی اشاعت کا تقاضہ کیا۔ اسلئے تو کلاً علی اللہ اشاعت کا ارادہ کر لیا اور اس پر نظر ثانی اور حوالجات کا انتظام کیا۔

اولاً اس کی نقل کا مسئلہ ہی بہت اہم تھا کہ زمانہ طلب علمی میں دوران درس لکھا ہوا اور اتنی مدت کے بعد جب کہ اوراق بھی انتہائی بوسیدہ ہو جاتے ہیں، بہت سی باتیں لکھنے سے رہ بھی جاتی ہیں، مگر عزیز محترم مولانا امیر احمد ساکن کھوائی فاضل دارالعلوم دیوبند نے اس خدمت کو بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا، جہاں سمجھ میں نہ آیا مشکوٰۃ شریف اور اس کی شروح مرقاۃ المفاتیح، التعلیق الصبیح، اور دیگر شروح حدیث کی مدد سے اس کو درست کیا۔ جہاں لکھنا رہ

گیا تھا اس کی تکمیل کی، پھر اس پر نظر ثانی اور حواشی کے لئے:

محترم مولانا محمد حسن بدایونی سلمہ فاضل جامعہ ہذا
مولانا مفتی تو حید عالم چتر اوی فاضل افتاء شاہی مراد آباد
مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب ادروی فاضل افتاء شاہی مراد آباد
مولانا مفتی کوکب عالم صاحب استاذ حدیث جامعہ ہذا
مولانا مفتی معراج الدین صاحب استاذ حدیث جامعہ ہذا
مولانا مفتی محمد رضوان موانوی صاحب استاذ مظاہر علوم سہارنپور

نے حسب موقع و فرصت خدمات انجام دیں۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء
اس کے بعد بندہ نے از اول تا آخر دیکھا اور حسب ضرورت حذف و اضافہ کیا اور
دیگر شروح حدیث کی مدد سے اس کی تکمیل کی، اور اس کا نام ”الرفیق الفصیح لحل
مشکوٰۃ المصابیح“ تجویز کیا۔ جسکی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ حق تعالیٰ شانہ
بجس و خوبی بقیہ جلدوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس جلد میں مندرجہ ذیل باتوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔

- (۱)..... حضرت علامہ صاحب مشکوٰۃ شریف شروع کرنے سے پہلے مقدمہ الشیخ عبدالحق
محدث دہلوی پڑھایا کرتے تھے۔ اس لئے اولاً اس کی تشریح پیش کی گئی ہے۔
- (۲)..... مقدمہ کی تشریح سے قبل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تذکرہ بھی پیش کیا گیا ہے۔
- (۳)..... صاحب مشکوٰۃ نے جن حضرات محدثین سے حدیثیں لی ہیں مقدمہ میں ان کا
اجمالاً تذکرہ ہے، ان حضرات کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کر دیا گیا ہے۔

(۴)..... مقدمہ میں چونکہ انمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہے اس لئے مناسب خیال کیا
کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفر کا تذکرہ بھی شامل کر دیا

جائے اس لئے ان حضرات ائمہ ثلاثہ کا تذکرہ بھی اخیر میں شامل کر دیا گیا۔

(۵)..... صاحب مشکوٰۃ، صاحب مصابیح کا بھی مختصر تذکرہ کر دیا گیا۔

شرح میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے۔

(۱)..... اولاً حدیث شریف مکمل ذکر کی گئی ہے۔

(۲)..... حدیث کا حوالہ نقل کیا گیا ہے مثلاً یہ حدیث بخاری شریف میں یا مسلم شریف میں یا

دیگر کتب حدیث میں کہاں ہے، اس کا باقاعدہ صفحہ نمبر اور باب وغیرہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۳)..... حدیث شریف میں بیان کردہ الفاظ کی ضروری لغات کا بیان کیا گیا ہے۔

(۴)..... حدیث شریف کا آسان اور سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔

(۵)..... اس کے بعد حدیث شریف کی تشریح کی گئی ہے۔

(۶)..... حدیث شریف سے متنبہ فقہی احکام و مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۷)..... مسائل و احکام میں اختلاف ائمہ کے دلائل بیان کئے گئے ہیں مگر اس طرح کہ کسی

امام کی تنقیص لازم نہ آئے بلکہ ہر ایک کا پورا احترام اور پوری عظمت قائم رہے۔

(۸)..... فقہی احکام و مسائل کے علاوہ دیگر فوائد جو حدیث شریف سے نکلتے ہیں فوائد

حدیث کا عنوان دیکر ان کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں وہ فوائد بھی ہیں جن کو دیگر

شرح حدیث نے بیان کیا ہے، اور بعض وہ ہیں جو خود ہندہ کے ذہن میں آئے۔

(۹)..... حدیث کے راوی کا تعارف اگر تشریح میں نہیں آیا، تو حاشیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۱)..... حدیث کے طالب علم کو جن چیزوں کی تلاش ہوتی ہے ان سب کی طرف رہنمائی کی

پوری کوشش کی گئی ہے۔

(۱۲)..... بے ضرورت طویل اجاث سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور حتی الامکان اختصار کی

کوشش کی گئی ہے۔

غرض کہ اب یہ تقریر صرف درسی تقریر ہی نہیں رہی بلکہ باقاعدہ شرح ہوگئی ہے جو حدیث کے طالب علم کی تشنگی کی سیرابی کے لئے کافی اور وافی ہوگی ان شاء اللہ العزیز۔
قارئین کرام سے گزارش ہے کہ جو کوتاہیاں نظر آئیں براہ کرم ان سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ طباعت میں تصحیح کر دی جائے۔

حق تعالیٰ شانہ اس کاوش و پیش کش کو شروح مشکوٰۃ میں ایک مفید اضافہ اور طلباء حدیث کے لئے نافع و مفید فرمائے۔ اور اپنی بارگاہ میں بے حد قبول فرمائے۔ آمین

ۛ میوانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول

اے کہ در ساختہ ای قطرہٗ بارانی را

حق تعالیٰ شانہ کا بے انتہا کرم اور لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے اس کم سواد و ناچیز و ناتواں کو اس عظیم و مبارک خدمت کی توفیق مرحمت فرمائی۔

فله الحمد والشکر والمنّة

اللهم لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا

انك انت التواب الرحيم بحرمة حبیبك

سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

الی یوم الدین.

محمد فاروق غفرلہ

۱۸/۱۱/۱۴۳۳ھ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی)

مُتَكَمِّمَةُ الرَّفِيقِ الْفَصِيحِ

لمشکوۃ المصابیح

جس میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تذکرہ۔

شرح مقدمہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

♦ جس میں حدیث کی تعریف

♦ حدیث کے اقسام

♦ حدیث کے مصطلحات

♦ اقسام حدیث کے احکام کا بیان

♦ رسالہ اصول حدیث منظوم، از حضرت مولانا مفتی الہی بخش کاندھلوی

♦ چوبیس جلیل القدر ائمہ محدثین کا تذکرہ

♦ صاحب مصابیح اور صاحب مشکوۃ المصابیح کا مختصر تعارف

♦ دونوں کتابوں میں فرق

♦ دونوں کتابوں میں احادیث مبارکہ کی تعداد وغیرہ کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش ماہ محرم ۹۵۸ھ وفات ۱۰۵۲ھ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے مختصر حالات، اخبارالاخیار، میں تحریر فرمائے ہیں، اس کی تلخیص پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

والد ماجد اپنی پیری اور کمزوری کے زمانے میں میری طرف اکثر متوجہ رہتے تھے، جوانی ختم ہو جانے اور دوستوں کے انتقال کی وجہ سے وہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے، اس زمانے میں میری عمر تقریباً چار سال کی تھی، اس وقت میں آپ کی خدمت اور دلدہی کیا کرتا تھا، آپ ہمہ وقت مجھ پر شفقت و عنایت فرمایا کرتے، انہی دنوں جبکہ میں بچہ تھا، صوفیوں کے اقوال سناتے اور شفقت و عنایت فرمایا کرتے، اور میری باطنی تربیت کرتے اور میں بھی فطری طور پر ان باتوں کے سننے کا متوالا تھا، وہ باتیں کرتے کرتے، خاموش ہو کر بالکل از خود رفتہ ہو جاتے۔

جس زمانہ میں میری عمر ڈھائی سال کی ہوئی، اس وقت کی اکثر باتیں اب تک مجھے یاد ہیں، اور یہ وہ باتیں ہیں جو دانشمندوں کی آگاہی کے لئے بے انتہا ضروری اور مفید ہیں۔

ایک مرتبہ جبکہ میں کافیہ وغیرہ پڑھا کرتا تھا، ہمارے ساتھی طالب علم آپس میں ایک

دوسرے سے پوچھ رہے تھے، حصول علم کے بعد کیا کرو گے؟ بعض نے ظاہری طور پر کہہ دیا کہ ہمارا مقصد معرفت الہی ہے، بعض نے اپنی سادگی سے کہا، ہمارا مقصد حصول دنیا ہے، پھر مجھ سے پوچھا، بتاؤ تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تحصیل علم کے بعد معرفت الہی میں مشغول رہوں گا یا دنیا طلبی میں، البتہ فی الحال اتنا معلوم ہے کہ پہلے زمانے کے عقلمندوں اور عالموں نے کیا کہا ہے اور کشف حقیقت اور معلوم مسائل میں کون سے موتی پروئے ہیں، اس کے بعد جو حالت پیش ہوگی، دیکھا جائیگا، کہ عیش و عشرت دنیاوی کی طرف متوجہ ہوں گا یا محبت الہی اور طلب آخرت کے راستہ پر گامزن ہوں گا۔

بچپن ہی سے مجھے معلوم نہیں کہ کھیل کود کیا ہوتا ہے، اور خواب و راحت مصابحت و دوستی اور سیر و تفریح کیا چیز ہے۔

شعر

شب خواب چہ وسکوں کدام است

خود خواب بعاشق حرام است

شوق علم و عمل میں کبھی وقت پر نہ کھایا اور بروقت آبائی محل میں نہ سویا، موسم سرما کی سخت ٹھنڈی ہواؤں اور موسم گرما کی تپتی ہوئی تیز دھوپ میں گھر سے روزانہ دو مرتبہ مدرسہ جاتا تھا، دوپہر کو گھر آ کر ایک دو نوالے بقائے حیات کی خاطر کھا لیتا، عرصہ دراز تک قبل از وقت مدرسہ جا کر ایک دو پارے چراغ کی روشنی میں تلاوت کرتا، اور اس پر طرہ یہ کہ گھر پر جتنا وقت ملتا اس میں کوئی لمحہ بیکار نہ بیٹھتا بلکہ مطالعہ کتب، بحث و تکرار میں لگا رہتا، رات دن پڑھتا نیز رات کے کسی حصہ میں خوشخطی بھی لکھتا۔

میرے والدین ہمیشہ فرماتے کہ کسی وقت تو محلہ کے بچوں کے ساتھ کھیل کود کر دل خوش کر لیا کرو اور رات کو آرام سے سویا کرو، لیکن میں عرض کرتا کہ کھیل کود سے جب دل خوش

کرنا ٹھہرا تو میں اس سے خوش ہوتا ہوں کہ لکھتا پڑھتا رہوں۔

عام طور پر لوگ اپنے بچوں کو مدرسہ جانے اور پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں، اس کے برعکس مجھے کھیل کود کی جانب متوجہ کیا جاتا تھا۔

پڑھتے پڑھتے جب رات کے بارہ بج جاتے تو والد ماجد فرماتے، بابا کیا کر رہے ہو؟ تو میں فوراً ہی لیٹ جاتا تا کہ جھوٹ نہ ہو جائے، اور پھر عرض کرتا جی میں سو رہا ہوں، فرمائیے کیا حکم ہے؟ اس کے بعد پھر پڑھنے لگتا، اکثر ایسا ہوتا کہ چراغ کی لو سے میرے صافے اور سر کے بالوں میں آگ لگ گئی، اور مجھے اس وقت پہ چاہا جب حرارت میرے دماغ پر پہنچی۔

اشعار

چہ دودہائے چراغ کہ در دماغ نہ رفت

کدام بادۂ محنت کہ در ایام نہ رفت

کدام خواب و چہ آسائش و کجا آرام

چہ خار خار کہ در بستر فراغ نہ رفت

بحیر تم ز دل خود کہ عمر رفت ولے

ز کنج غم کدہ ہرگز بھین باغ نہ رفت

تحصیل علم کے شوق اور محنت کے باوجود نماز و نطفی، شب بیداری، مناجات وغیرہ میں فطری طور پر بچپن ہی سے اتنا مشغول تھا کہ لوگ حیرت کرتے تھے، اب بھی اللہ کے فضل و کرم سے شب خیزی کا شوق ہے، اور مجھے اس راہ سے کافی نعمتیں ملی ہیں، اور اس وقت پہلے سے بھی زیادہ محنت و ریاضات اور تعلیم و افادہ میں مشغول ہوں، تعلیم و افادہ نہیں کہنا چاہئے،

بلکہ تعلیم و استفادہ کہنا اچھا ہے، گوشہ تہائی میں پڑا ہوں دنیا کے نیک و بد سے مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے، نیز لوگوں کی دوستی و دشمنی سے میرا دل خالی ہے، اور نحوی جملوں زید و عمر کے قصوں سے نلیحد ہوں۔

رباعی

صد شکر کہ باہج کسم کارے نیست
واز من بدل نیچکس آزارے نیست
گر بر دل دشمنان من بارے نیست
بر خاطر دوستان من بارے نیست

پروردگار عالم نے جس کی نعمتوں کا شکر ہی ادا کرنا میرے بس میں نہیں، اس نے مجھ غریب کو اپنے ذوق و شوق کی اس حالت سے مخصوص اور مالا مال کیا ہے کہ میرا دل اور میرا تمام وقت صرف اس کے حضور میں مشغول رہتا ہے، اور لوگوں کے میل جول وغیرہ سے الگ ہوں میں اپنے خیال میں مگن ہوں، اگرچہ وہ راز ہائے سر بستہ کا سراپی ہو یا مایخو لیا، لیکن یہ مقطعہ میرے حالات کا آئینہ دار ہے۔ ۷

حقى کجا وصحبت کس کز خیال دوست

دارم بخود چو مردم دیوانہ عالمے

بحکم والد ماجد کہ ”ملائے خشک و ناہموار نہ بننا“ میں بچپن ہی سے ہمیشہ عشق و محبت کا دم بھرتا ہوں، اور غم خواری و درد مندی کی راہ چلتا ہوں۔

شعر

بیدرد نہ ایم ہرگز از عشق

دائم دل درد ناک داریم

مجھ فقیر حقیر کو حضرت خبیر و بشیر و نذیر صلی اللہ علیہ وسلم کے انعامات و اکرامات سے جو کچھ بشارت ملی ہے، وہ بیان سے باہر ہے، اور یقین ہے کہ یہ آثار و انوار نیک لوگوں کے لئے انشاء اللہ ضامن و کفیل ہونگے۔

اگرچہ میں اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوں کہ اپنا مطلب حاصل کر سکوں لیکن امید قوی ہے اور پائے یقین مضبوط ہے، کہ کشتی نوح میں بیٹھا ہوا ہوں، اور انشاء اللہ ساحل نجات پر پہنچ جاؤں گا، اور وہاں پہنچ کر جمال الہی سے مسرور ہوں گا، اور جو کوئی دنیاوی کشتی میں بیٹھ کر سرکشاں اور غرور کرے تو وہ اس کا بھی یقین کر لے کہ آتش دوزخ کے طوفان سے اس کو ہرگز نجات نہیں مل سکے گی، علاوہ ازیں ایک اور سعادت اور عظیم ترین نعمت حاصل ہوئی۔ ۸

لیکن از شوق حکایت بزیاں می آید

سنئے! جب سعادت ازلی نے مجھے یہ نعمت ابدی سرفراز فرمائی، تو میں ہمیشہ اسی اشتیاق میں رہا کہ میرے مقصود کی مجھے بشارت مل جائے، تاکہ تسلی و اطمینان کے ساتھ راہ سلوک میں تیزی سے آگے قدم بڑھاؤں، اور اگر طالب فرقت کی سوزش ہے، تو معلوم ہو جائے گا، کہ یہ کتنی بڑی آرزو ہے، اور مقصد کتنا عظیم الشان ہے۔ ۹

من و وصال تو ہیہات بس عجب ہوس است

ہمیں کہ نام تو ام بر زباں رود نہ بس است

ہمیشہ اسی خیال میں رات دن کاٹ رہا تھا، کبھی راتوں کو اس لئے بیدار رہتا کہ بارقہ جمال نظر آئے اور دن کو یہی جستجو رہتی کہ خواب و خیال میں اس کے وصال کی نشانی مل جائے۔

اگر تو وعدہ و صلہ دہی بہ بیداری

حرام باد سر خود اگر بخواب آرم

وگر بخواب نمائی جمال خود یکدم
 بروز حشر نخواہم کہ سر ز خواب آرم
 اور یہ حالت اس وقت تک رہی جب کہ عقل کا پردہ اور طالب کی خواہش درمیان سے
 اٹھ گئی، اور اللہ کے فضل و کرم نے اپنا کام کر دکھایا، مجھ غریب کو براہ راست اپنی چوکھٹ پر پہنچا
 دیا اور ان بیداریوں کے نتیجے میں وہ خواب دیکھا جو ہزار بیداریوں سے بہتر و برتر ہے۔

شعر

بخیالے ز تو راضی و بخوابے خوشنود
 حاصل از وصل تو خوابے و خیالے دارم
 یہ اس واقعہ کا اجمالی ذکر ہے جس کو زبان و قلم سے ادا ہی نہیں کیا جاسکتا۔

شعر

حقا بیان شوق پیا یاں نمی رسد
 کوتاہ ساز قصہ دور دراز را

شیخ محدث دہلویؒ کا سفر حجاز

حضرت شیخ اڑتیس سال کی عمر میں ۹۹۶ھ میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے، اور رمضان
 سے کافی عرصہ پہلے آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے، چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ تک انہوں نے وہاں کے
 محدثین سے صحیح بخاری و مسلم کا درس لے لیا تھا، اور پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر
 ہوئے، وہاں انہوں نے علم کی تکمیل کرائی اور علم طریقت و سلوک سے آشنا کیا، شیخ علیہ الرحمہ کی
 خوش قسمتی تھی کہ آپ کو ایسا نیر کامل مل گیا، غرض شیخ عبدالوہاب متقی سے پورا پورا اکتساب علم
 کیا، اور ان سے حد درجہ متاثر ہوئے، انہی کے ساتھ رمضان گزارا اور فریضہ حج بھی ساتھ ہی

ادا کیا، بعد ازاں آپ اپنے شیخ کے حکم سے ان کے زیر نگرانی حرم کے ایک حجرہ میں عبادت و ریاضت کرتے رہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو عشق تھا جب دیا محبوب میں پہنچتے تو برہنہ پا ہو جاتے چار بار زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور حجاز میں تین سال قیام فرمایا۔

حجاز سے ہندوستان کو واپسی

علم و عمل کی تمام وادیوں سے گزارنے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ کو ہندوستان واپس جانے کا حکم فرمایا، لیکن حضرت شیخ ہندوستان کے حالات سے ایسے دل برداشتہ تھے کہ طبیعت واپس ہونے کو نہیں چاہتی تھی، لیکن شیخ کے حکم سے مجبور ہو گئے، اور یہ ارادہ کیا کہ بغداد کے راستہ سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار کی زیارت کر کے ہندوستان واپس ہوؤں، لیکن شیخ نے اس کی بھی بعض وجوہات کی بناء پر اجازت نہیں دی، آخر شوال ۹۹۹ھ میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں حسرت لئے ہوئے اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے۔

شعر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

شیخ محدثؒ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے، یہاں آ کر دیکھا تو اکبر کے مذہبی افکار دین الہی کی شکل اختیار کر چکے تھے، اسلامی شعار کی تضحیک کی جا رہی تھی، ایسے روح فرسا حالات میں شیخ عبدالحقؒ نے ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی اور قرآن و حدیث کے درس و تدریس

میں مشغول ہو گئے، اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔

شیخ محدث دہلویؒ کے روحانی پیشوا

شیخ نے ابتداء میں اپنے والد ماجد مولانا سیف الدینؒ سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، حضرت سید موسیٰ گیلانیؒ جو سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ ہیں، ان سے شیخ محدث دہلویؒ کو بہت محبت تھی، چنانچہ ۶ شوال ۱۲۸۵ھ میں سید موسیٰ سے وابستہ ہوئے، اور انہوں نے اپنی خلافت سے نواز شیخ عبدالوہاب مٹھی سے مکہ معظمہ میں تعلیم حاصل کی جن سے شیخ کی ملاقات کا ذکر اوپر گزر چکا، حضرت خواجہ باقی باللہؒ مشہور ترین بزرگ ہیں، جن کی پوری زندگی احیاء سنت و امارت بدعت میں گزری، شیخ محدثؒ نے آپ کے دست حق پرست پر بھی بیعت کی اور فیضیاب ہوئے۔

شیخ محدث دہلویؒ کا وصال

۲۱ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے سال تک فضاے ہند کو منور رکھا غروب ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی وصیت کے مطابق حوض شمش کی کنارے پر سپرد خاک کیا گیا، اور شیخ نور الحقؒ نے نماز جنازہ پڑھائی ”آپ کی تاریخ ولادت ”شیخ اولیا“ اور تاریخ رحلت ”محر عالم است“ ہے۔

حضرت شیخ محدث دہلویؒ کی تصانیف

شیخ محدث دہلویؒ کی چورانوے سال کی عمر ہوئی، اور اس عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا، ہر علم و فن پر آپ نے کتابیں لکھی ہیں، جن کی تعداد ۶۰۰ ہے، اگر مکاتیب

در سائل کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد ۱۱۶ تک پہنچتی ہے، ان میں سے مشہور مطبوعہ کتابیں درج ذیل ہیں:-

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	زبان	کیفیت
۱	اخبار الاخیار فی احوال الامار	سیر و تذکرہ	فارسی	مطبوعہ اردو ترجمہ مولانا فضل صاحب
۲	آداب الصالحین	اخلاق	//	// اردو ترجمہ نواب قطب الدین دہلوی
۳	آداب اللباس	//	//	مطبوعہ اردو ترجمہ
۴	امحہ اللغات فی شرح مشکوٰۃ	حدیث	//	مطبوعہ
۵	ترجمہ زبدۃ الآثار منتخب بجمہ الاسرار	سیر	//	مطبوعہ
۶	تکمیل الایمان و تقویۃ الایمان	عقائد	//	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۷	توصل المرید الی المراد	تصوف	//	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۸	جذب القلوب الی دیار المحبوب	تاریخ	//	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۹	شرح سفر السعاده	//	//	مطبوعہ
۱۰	شرح فتوح الغیب	تصوف	//	مطبوعہ
۱۱	فہرس التوائف	ذاتی	فارسی عربی	مطبوعہ
۱۲	کتاب المکاتیب والرسائل	مکاتیب	فارسی	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۳	ما ثبت بالنسب فی ایام السنہ	حدیث	عربی	مطبوعہ
۱۴	مدارج النبوة	سیر	فارسی	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۵	مرج البحرین	تصوف	//	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۶	نکات الحق والحقیقت	//	//	مطبوعہ

معاصرین

حضرت شیخ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے معاصرین میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اور حضرت شاہ ابو المعالی علیہ الرحمہ زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ محدث دہلویؒ کی اولاد

شیخ محدثؒ کے تین فرزند ہوئے، سب سے بڑے فرزند شیخ نورالحق مشرقی ہیں جو اپنے والد محترم کی طرح صاحب علم و فضل ہوئے، خود حضرت شیخ محدثؒ آپ سے بیحد خوش تھے، اور اپنا وجود ثانی کہتے تھے، شیخ نورالحق نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں ”تیسیر القاری“ کے نام سے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح بھی شامل ہے، آپ نے اپنے والد کی حیات میں ہی شاہجہاں کے عہد میں اکبر آباد کی قضا کا عہدہ قبول کر لیا تھا، اور جب شیخ محدثؒ کا انتقال ہوا تو شیخ نورالحق نے اپنے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھال لیا، شیخ عبدالحق کے دوسرے فرزند شیخ علی محمد جید عالم اور بزرگ تھے، آپ نے بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائی تھیں، تیسرے فرزند شیخ محمد ہاشم ہیں، یہ علم حدیث میں خاص مناسبت رکھتے تھے، محمد ہاشم کے لڑکے محمد عاصم سے حضرت شیخ محدثؒ کو بہت محبت تھی۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿.....مقدمہ شیخ عبدالحق.....﴾

علم اصول حدیث

اصطلاحی تعریف: ایسے اصول و قواعد کا جاننا جن کے ذریعہ سند و متن کے احوال یا اعتبار رد و قبول معلوم ہوں۔

موضوع: اصول حدیث کا موضوع سند اور متن ہے، مقبول اور مردود ہونے کے اعتبار سے۔

غرض و غایت: اقوال غیر سے حدیث کی حفاظت اور باعتبار صحت و ضعف درجات حدیث کو معلوم کرنا۔

حدیث کے لغوی معنی: حدیث قدیم کی ضد ہے، خبر، ذکر، بات، بیان وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

حدیث کی اصطلاحی تعریف: جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر پر بولا جاتا ہے۔

تقریر کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی کام کیا گیا یا کسی نے کوئی بات بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، بلکہ سکوت اختیار فرمایا۔ بعض محدثین کے نزدیک صحابی کے قول و فعل اور تقریر پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح تابعی کے قول و فعل پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔

حدیث کا موضوع: علم حدیث کا موضوع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال و تقریرات ہیں۔

حدیث کی غرض و غایت: اتصال و انقطاع کے اعتبار سے احادیث کی سند کے اقسام اور روایت کے احکام و آداب معلوم کرنا۔

غایت سند کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم

منجہائے سند کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں، مرفوع، موقوف، مقطوع
حدیث مرفوع: وہ حدیث ہے جس کی اسناد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو یعنی اس اسناد سے خاص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد یا عمل یا تقریر نقل کی گئی ہو۔

حدیث موقوف: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی صحابی تک پہنچتی ہو یعنی اس سند سے کسی صحابی کا کوئی قول یا عمل یا تقریر نقل کی گئی ہو۔

حدیث مقطوع: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی تابعی تک یا تابعی کے بعد کے کسی عالم تک پہنچتی ہو یعنی اس اسناد سے کسی تابعی کا یا تبع تابعی کا یا اس سے نیچے کے کسی عالم کا کوئی قول نقل کیا گیا ہو۔ (تحفۃ الدرر: ص ۴۶)

۱۔ اگر مطلق مرفوع کا استعمال ہو تو، ہمیشہ یہی مراد ہوتا ہے خواہ اس کی اسناد متصل ہو یا منقطع، اور مصنفین (خوہ متاخرین ہوں) کا قول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مرفوع ہی کے زمرہ میں آئے گا۔ اور چونکہ اس میں اتصال کی شرط نہیں ہے اس لئے متصل مرسل منقطع اور مطلق اور متصل تمام اس میں داخل ہو جائیں گے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۵۷)

۲۔ البتہ اگر غیر صحابی کے لئے بعض مرتبہ استعمال کرتے ہیں، تو مفید کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں: وقفہ فلان علی عطاء، وقفہ فلان علی عبد العزیز۔ (ارشاد طاب الحقائق: ۱/۱۵۸)

۳۔ جمہور محدثین کی اصطلاح یہی ہے، مگر امام شافعی اور امام طبرانی کے کلام میں منقطع پر بھی مقطوع کا اطلاق ہوا ہے، مگر وہ وضع اصطلاح سے پہلے کی بات ہے۔ (ارشاد مع تعلیقات: ۱/۱۶۶)

اثر: عام طور سے حدیث موقوف اور حدیث مقطوع کو اثر کہتے ہیں، لیکن بعض محدثین نے حدیث کی مذکورہ تینوں قسموں پر اثر کا اطلاق کیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعاؤں کو ادعیہ ماثورہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام طحاویؒ نے اپنی کتاب کا نام (جس میں احادیث نبویہ اور آثار صحابہ موجود ہیں) شرح معانی الآثار رکھا ہے نیز امام طبرانیؒ کی کتاب کا نام تہذیب الآثار ہے حالانکہ اس میں اصالة احادیث مرفوعہ ہیں احادیث موقوفہ کہیں کہیں ضمنی طور سے آئی ہیں۔

حدیث اور اثر کے درمیان فرق

(۱) ”حدیث“ مرفوع اور موقوف کے ساتھ خاص ہے اور ”اثر“ حدیث مقطوع کو کہا جاتا ہے۔

(۲) محدثین کا مختار قول یہ ہے کہ اثر اور حدیث دونوں مترادف الفاظ ہیں، اثر کا اطلاق مرفوع، موقوف، مقطوع دونوں پر ہوتا ہے۔

(۳) فقہاء خراسان کی رائے یہ ہے کہ مرفوع کو حدیث اور موقوف و مقطوع کو اثر کہتے ہیں۔ (عون المغیث: ص ۳۴-۵۳)

خبر اور حدیث کے درمیان فرق

(۱) مشہور اصطلاح کے مطابق خبر اور حدیث دونوں مترادف ہیں، ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا رہتا ہے، محققین علماء اصول حدیث کی یہی رائے ہے۔

(۲) حدیث اور خبر دونوں میں تباین ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول باتوں کو حدیث اور دوسرے حضرات سے منقول باتوں کو خبر کہا جاتا ہے۔

۱۔ اصل کتاب میں ان للطبرانی نسخہ کی غلطی ہے، بلکہ وطبری ہے، اس لئے کہ ان کی کتاب کا نام تہذیب الآثار ہے، نہ کہ امام طبرانی کی کتاب کا نام ہے، اس لئے اوپر طبری لکھا گیا ہے۔

(۳) بعض حضرات کے نزدیک خبر اور حدیث کے درمیان بتاؤں کلی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ و تابعین سے منقول باتوں کو حدیث کہا جاتا ہے، اور ان کے علاوہ گذشتہ زمانہ کے تاریخی واقعات اور بادشاہوں کی باتوں کو خبر کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے حدیث اور سنت سے اشتغال رکھنے والے شخص کو محدث اور تاریخ سے ممارست رکھنے والے شخص کو اخباری (مورخ) کہا جاتا ہے۔

(۴) بعض حضرات کے نزدیک خبر اور حدیث کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو حدیث کہا جاتا ہے، گویا خبر عام اور حدیث خاص ہے۔ (یہ تیسرا فرق مقدمہ میں مذکور نہیں ہے)

حدیث مرفوع کے اقسام

حدیث مرفوع کی اولاً دو قسمیں ہیں: صریحی، حکمی۔ پھر ہر ایک کی تین قسمیں ہیں: قولی، فعلی، تقریری۔ اس طرح حدیث مرفوع کی کل چھ قسمیں ہوں گی: (۱) مرفوع صریح قولی، (۲) مرفوع صریح فعلی، (۳) مرفوع صریح تقریری، (۴) مرفوع قولی حکمی، (۵) مرفوع فعلی حکمی، (۶) مرفوع تقریری حکمی۔

حدیث مرفوع صریحی قولی: وہ حدیث ہے جس کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو اور اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صریح ارشاد نقل کیا گیا ہو جیسے صحابی کہے۔ (۱) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول کذا، (۲) حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بكذا یا راوی (صحابی یا غیر صحابی) کہے، (۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا (۴) یا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال کذا

حدیث مرفوع صریحی فعلی: وہ حدیث ہے جس کی اسناد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو اور اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل صراحۃً نقل کیا گیا ہو جیسے صحابی کہے رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل کذا یا راوی (صحابی یا غیر صحابی) کہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل کذا۔

حدیث مرفوع صریحی تقریری: وہ حدیث ہے جس کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو اور اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کام کو یا کسی بات کو برقرار رکھنا صراحۃً نقل کیا گیا ہو، جیسے صحابی کہے فعلت بحضرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر انکار بیان نہ کرے۔

حدیث مرفوع حکمی قولی: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی ایسے صحابی تک پہنچتی ہو جو اسر نیلیات نہ بیان کرتے ہوں، اور اس سے اس صحابی کی فرمائی ہوئی کوئی ایسی بات نقل کی گئی ہو جس کا اجتہاد سے تعلق نہ ہو۔ نہ وہ کسی لفظ کے معنی ہوں اور نہ وہ کسی قلیل الاستعمال لفظ کی تشریح ہو تو اسے حکماً حدیث مرفوع کا درجہ دیا جائے گا، کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ اس صحابی نے وہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی بیان کی ہوگی اس لئے کہ صحابہ کرام کے علوم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مستفاد تھے، مثلاً ابتدائے آفرینش عالم کے سلسلہ کی کوئی بات یا انبیاء کرام کے حالات یا ملایم ہفتن یا احوال قیامت کے سلسلے کی کوئی بات یا کسی عمل کا کوئی مخصوص ثواب و عقاب کا بیان۔

حدیث مرفوع حکمی فعلی: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی صحابی تک پہنچتی ہو اور اس صحابی کا کوئی ایسا کام نقل کیا گیا ہو جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو تو صحابی کے اس عمل کو حکماً حدیث مرفوع کا درجہ دیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ صحابی نے یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کیا ہوگا۔

حدیث مرفوع حکمی تقریری: وہ حدیث ہے جس کی اسناد کسی صحابی تک پہنچتی ہو اور اس سے کسی صحابی کا یہ اطلاع دینا نقل کیا گیا ہو کہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں فلاں کام کرتے تھے پس اس اطلاع کو بھی حکماً حدیث مرفوعہ تقریری کا درجہ دیا جائیگا، کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے اس عمل کی اطلاع ہوئی ہوگی اسلئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر کام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر ہی کرتے تھے، نیز زمانہ بھی نزول وحی کا زمانہ تھا اسلئے اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ عمل ناجائز ہوتا تو شریعت ضرور اس سلسلہ میں کوئی ہدایت دیتی یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہیں من السنة کذا (سنت یہ فعل ہے) ظاہر یہی ہے کہ سنت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہے، اگرچہ بعض حضرات سنت صحابہ اور خلفائے راشدین پر بھی سنت کا اطلاق کرتے ہیں۔

فصل

سند کی تعریف: متن حدیث تک پہنچنے کا راستہ یعنی وہ رجال جو متن حدیث کو روایت کریں۔

اسناد کی تعریف: سند کے ہم معنی لفظ ہے۔

دوسرے معنی: متن حدیث کے طریق کو نقل کرنا اسناد کہا جاتا ہے یعنی معنی مصدری میں استعمال ہوتا ہے۔ سند کو رجال حدیث، سند حدیث اور اسناد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

متن کی تعریف: وہ کلام جس پر سند آ کر رک جائے۔ چاہے وہ قول و فعل و تقریر تابعی ہو یا صحابی یا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے، جس پر پہنچ کر ختم ہو جائے وہی متن ہے۔

اقسام سند

پھر سند کے اعتبار سے حدیث کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے نمبر (۱) متصل ہے۔

حدیث متصل: وہ حدیث ہے جس کی سند مسلسل ہو کوئی راوی سلسلہ سند کے

درمیان سے ساقط نہ ہو اس عدم سقوط راوی کا نام اتصال ہے۔

حدیث منقطع: وہ حدیث ہے جس کے اندر سند سے ایک راوی یا ایک سے

زیادہ راوی ساقط ہو جائے اور اس سقوط کا نام انقطاع ہے، حدیث منقطع کا دوسرا نام غیر متصل ہے۔

پھر حدیث منقطع بمعنی حدیث غیر متصل کی چار قسمیں ہیں۔ معلق، مرسل، معضل، اور منقطع۔

حدیث معلق: وہ حدیث ہے جس کی سند کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا گیا ہو یعنی

کسی مصنف نے بالقصد ابتدائے سند سے ایک یا چند راویوں کو حذف کر دیا ہو خواہ تمام سند حذف کر دی ہو اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث بیان کی ہو یا صحابی کے علاوہ باقی تمام سند حذف کر دی ہو یا صحابی اور تابعی کے علاوہ باقی سند حذف کر دی ہو یا مصنف نے اپنی جانب سے ابتدائے سند سے صرف ایک یا چند راویوں کو حذف کر دیا ہو سب کو معلق کہا جاتا ہے۔ اور اس ارتقاط کا نام تعلیق ہے۔

حدیث معلق کا حکم: جو محدثین ہمیشہ بالاتزام صحیح احادیث بیان کرتے

ہیں جیسے امام بخاری اور امام مسلم صحیحین میں، اگر یہ محدثین صیغہ جزم اور معروف کے صیغہ کے ساتھ تعلیقات بیان کریں مثلاً ”قال“ یا ”ذکر“ کہہ کر بیان کریں تو ان مصنفین کے اعتبار پر وہ تعلیقات مقبول ہوں گی، اور اگر بصیغہ تمریض (مجبول کے صیغہ سے) بیان کریں مثلاً ”یقال“ یا ”بذکر“ وغیرہ کلمات سے بیان کریں تو وہ قابل قبول نہ ہوں گی بلکہ ان کی تحقیق

ضروری ہوگی اور جو محدثین صحیح اور غیر صحیح ہر طرح کی حدیث بیان کرتے ہیں ان کی تعلیقات مقبول نہیں ہیں۔ (تحفۃ الدرر: ص ۶۴)

فائدہ (۱): امام بخاری کی ”الجامع الصحیح“ میں ترجمۃ الباب کے ذیل میں تعلیقات بکثرت آئی ہیں جو حدیث متصل کے حکم میں ہیں، کیوں کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں صرف احادیث صحیحہ درج کرنے کا اہتمام کیا ہے لیکن ان تعلیقات کا مرتبہ امام بخاری کی مسند روایات سے کمتر ہے البتہ اگر امام بخاری کسی حدیث کو ایک جگہ معلق اور دوسری جگہ مسند ذکر کریں تو یہ مسند اور معلق دونوں مساوی درجہ کی ہوں گی۔

امام بخاری کی تعلیقات میں کچھ لوگوں نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ امام بخاری جس حدیث کو صیغہ معروف سے ذکر کریں وہ حدیث امام بخاری کے نزدیک قطعی طور سے صحیح ہے اور جس معلق روایت کو صیغہ مجہول کے ساتھ ذکر کریں تو اس کی صحت میں امام ہمام کے نزدیک کلام ہے، مگر اس حدیث کا ”الجامع الصحیح“ میں آنا اس بات کا غماز ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ضرور ہے، محدثین کرام اسی وجہ سے امام بخاری کی تعلیقات کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے علماء کا قول ہے: تعلیقات البخاری متصلہ صحیحہ۔

۱۔ جو تفصیل حضرت شیخ نے اپنے اس مقدمہ میں ذکر کی ہے یہی رائے ابن الصلاح اور امام نووی وغیرہ کی بھی ہے، اور جو حکم تعلیقات بخاری کا ہے وہی حکم تعلیقات مسلم کا بھی ہے البتہ مسلم شریف میں تعلیقات کی تعداد بمقابلہ امام بخاری بہت قلیل ہیں، صحیح بخاری میں مندرجہ تعلیقات کی تعداد ایک ہزار تین سو اکتالیس (۱۳۴۱) ہے، اور ان میں سے اکثر کو کثر اپنی سند سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کر دیا ہے، صرف ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ایسی تعلیقات ہیں جو بخاری میں دوسرے مقامات پر حصلاً ذکر نہیں کی گئیں، لیکن حافض ابن حجرؒ نے ایک مستغنی تصنیف تعلیقات بخاری کے متعلق فرمائی ہے، اور ان تمام روایات کو سند متصل کے ساتھ ہونا ثابت فرما دیا ہے، اس کتاب کا نام ”تعلیق العلیق“ ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۲۷)

امام نووی کی رائے یہ ہے کہ صحیح مسلم کی تعلیقات صرف بارہ ہیں اور ان میں سے گیارہ کو خود امام مسلم نے اولاً حصلاً روایت کیا ہے پھر اس کے بعد تطبیق کرتے ہوئے فرمایا ہے: قد رواہ فلان۔ البتہ صرف ابو نعیم کی روایت کو حصلاً نقل نہیں کیا صرف وہی بالکل معلق ہے۔ جو مسلم شریف: ۱/۱۶۱ پر باب التیمم میں ہے۔

فائدہ (۲): مشکوٰۃ شریف میں جملہ احادیث بلا سند ذکر کی گئی ہیں، مگر ان کو اصطلاح میں تعلق نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ صاحب مشکوٰۃ نے یہ احادیث اپنی سند سے روایت نہیں کی ہیں، بلکہ دوسری کتابوں سے نقل کی ہیں اور ان حدیثوں کی سندیں اصل کتابوں میں موجود ہیں، لہذا احادیث مشکوٰۃ کو معلق نہیں کہا جائے گا، بلکہ اصطلاح میں ان کو مجرد کہا جائیگا، اور اس عمل کا نام تجرید ہے۔ (تحفۃ الدرر: ص ۲۳)

حدیث مرسل: حدیث کی سند کا اول محدث کی طرف ہوتا ہے، اور آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اگر سقوط آخر کی طرف سے ہوتا ہے تو بعد تو وہ مرسل ہے، یعنی اس میں صحابی کا ذکر اور واسطہ نہ ہو لہذا حدیث مرسل کی تعریف ہوئی، کہ مرسل وہ حدیث ہے جس کی سند کا آخری حصہ نہ بیان کیا گیا ہو صرف تابعی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث بیان کرتا ہو اور صحابی کے ذکر ساقط کرنے کو ارسال کہتے ہیں، خواہ تابعی اعلیٰ مرتبہ کا ہو یا معمولی مرتبہ کا ہو۔ کبھی مرسل مطلق انقطاع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اصطلاح اول مشہور ہے کہ مرسل اخص مطلق اور منقطع اعم مطلق ہے۔

حدیث مرسل کا حکم: اگر ارسال کرنے والا تابعی ثقہ اور غیر ثقہ دونوں قسم کے راویوں سے ارسال کرتا ہے تو اس حدیث مرسل کے بارے میں بالاتفاق توقف کیا جائے گا، اور اگر اس ارسال کرنے والے تابعی کی عادت معلوم ہے کہ وہ صرف ثقہ راوی ہی سے ارسال کرتے ہیں تو اس مرسل کے حکم میں محدثین کا اختلاف ہے۔

۱۔ علامہ ابن حجر حافظ عراقی اور وزیر صنعانی وغیرہ نے مرسل اور منقطع کے درمیان تعریف کے اعتبار سے بالکل امتیاز کر دیا ہے، اور ان کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ منقطع وہ ہے جس کی سند سے ایک یا ایک سے زائد راوی ساقط ہو جائیں، اس شرط کے ساتھ کہ ساقط ہونے والوں میں کوئی صحابی نہ ہو اور سقوط پے در پے نہ ہو اس تعریف کا فائدہ یہ ہوا کہ کوئی صحابی نہ ہو، کی قید سے مرسل سے امتراز ہو گیا، اور ”سقوط پے در پے نہ ہو“ کی قید سے موصول سے امتیاز ہو گیا۔ (حلیقات ارشاد: ۱/۱۸۲)

(۱) جمہور علماء کے نزدیک اس کا حکم توقف ہے (یعنی اس حدیث کے مقبول یا غیر مقبول ہونے کے بارے میں توقف کیا جائے گا، اور کوئی حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اس حدیث سے کوئی مسئلہ اور کوئی حکم اس وقت تک ثابت نہیں کر سکتے، جب تک معلوم نہ ہو کہ مرسل کون ہے، ثقہ یا غیر ثقہ۔^۱

اشکال: مرسل وہ حدیث ہے جس میں صحابی کا واسطہ نہ ہو اور صحابہ سب تو عدول و ثقات ہی ہیں توقف کی کیا وجہ ہے۔

جواب: کبھی تابعی تابعی سے روایت کر دیتے ہیں اور تابعین میں ثقہ غیر ثقہ دونوں ہیں اس لئے توقف ضروری ہوا۔

(۲) امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک مرسل مطلقاً مقبول ہے کیوں کہ مرسل نے حدیث کی صحت پر کمال و ثوق اور کمال اعتماد کی بنیاد پر ہی حدیث کو مرسل بیان کیا ہے، اگر مرسل کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہتا۔

(۳) امام شافعیؒ کے نزدیک اگر حدیث مرسل کو کسی دوسری حدیث مرسل یا مسند

۱۔ اور اس کی دلیل حافظ ابن حجرؒ نے امام غزالیؒ سے نقل کرتے ہوئے یہ لکھی ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ راوی عادل ہونا چاہئے، نیز اگر سند میں انقطاع ہو تو اس میں توقف کیا جاتا ہے۔ اور جب مرسل میں راوی محذوف ہو تو ممکن ہے کہ وہ تابعی ہو، اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ مرسل صرف صحابہؓ سے ہی روایت کرتا ہو اور جب وہ تابعی ہو تو ممکن ہے، کہ ضعیف ہو اس لئے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کی روایت صرف ثقات ہی سے ہو اگر وہ ضعیف ہے تب تو کوئی حکام ہی نہیں، اور اگر وہ ثقہ ہو تب بھی احتمال ہے کہ وہ تابعی ثقہ کسی تابعی ہی سے روایت کرتا ہو کیونکہ ایک تابعی کی روایت بعض مرتبہ یکے بعد دیگرے چھ سات تک پانی جا چکی ہے۔ لہذا چھ سات واسطوں تک یہ احتمال چلے گا، اور وہ تمام ایسے ہیں جن کا نام معلوم نہیں اور نہ ان کا کچھ حال معلوم ہے اور اصل یہ ہے کہ مجہول الحال کی روایت معتبر نہیں تو پھر مجہول اہلین و انحال کی روایت کیونکر معتبر ہو سکتی ہے۔ (ہلحات ارشاد: ۱/۷۰)

سے تائید اور قوت حاصل ہو جائے اگرچہ یہ مسند یا مرسل ضعیف ہی کیوں نہ ہو تو وہ مرسل مقبول ہے ورنہ قبول نہ ہوگی۔

(۴) امام احمدؒ سے اس سلسلہ میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ مرسل غیر مقبول اور ضعیف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث مرسل صحیح ہے، یہی دوسرا قول حنابلہ کے یہاں رائج ہے۔

حدیث معضل: وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے دو یا زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں۔

حدیث منقطع: وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے صرف ایک راوی حذف ہوا ہو یا چند راوی حذف ہوئے ہوں مگر مسلسل نہ ہوئے ہوں بلکہ الگ الگ جگہوں سے حذف ہوئے ہوں۔

فائدہ: سابق میں گزر چکا ہے کہ منقطع غیر متصل کے معنی میں بھی آتی ہے جو مقسم ہے اور اس تعریف کے اعتبار سے منقطع غیر متصل کی قسم ہے اور دونوں کے درمیان فرق اعتباری ہے۔ مقسم یعنی غیر متصل السند میں صرف راوی کا سقوط پیش نظر ہے اور قسم میں درمیان

۱۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قبولیت مرسل کے لئے چھ شرائط ہیں۔

(۱) اس روایت کو کسی حافظ حدیث نے مسنداً نقل کیا ہو۔

(۲) اگر مسند کسی حافظ حدیث سے نہ آئی ہو تو کسی حافظ حدیث نے مرسل ہی اس کو نقل کیا ہو۔

(۳) مرسل روایت بعض صحابہ کے اقوال کے موافق ہو۔

(۴) اہل علم کا فتویٰ اس کے معنی کے موافق ہو۔

(۵) اگر مرسل سے سابقہ کام کی تحقیق کی جائے تو مجہول یا غیر معتبر کو اپنا استاذ نہ بتائے، بلکہ شکام ذکر کرے۔

(۶) مرسل اگر حفاظ حدیث کے ساتھ کسی روایت میں شریک ہو تو ان کی مخالفت نہ کرے اور اگر مخالفت کرے تو اس کی روایت حفاظ کی روایت کے مقابلہ میں ناقص ہو۔ (علیقات مع المہتمم: ۶۰/۱)

یہ بعض علماء نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ صحابہ کی مرسل روایت تو بالاتفاق مقبول ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک قرن

ثانی اور ثالث کے راوی کی روایت مذکورہ شرائط کے ساتھ معتبر ہے اور امام مالکؒ اور حنفیہ کے نزدیک قرن ثانی

اور ثالث کے راوی کی روایت بھی مطلقاً مقبول ہے۔ (تھو لاثر: ۶۷)

سند سے ایک راوی یا ایک سے زائد راوی کا سقوط بشرط عدم اتصال ملحوظ ہے۔

فائدہ: احادیث کے راوی تقریباً پانچ لاکھ ہیں، ان کے حالات، اسماء، والدین کے حالات، اور واقعات کو یاد کریں پھر کہیں محدث کہاائیں گے۔^۱

انقطاع سند اور سقوط راوی کی معرفت کا طریقہ

راوی کا سند سے سقوط راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات نہ ہونے سے معلوم ہو گیا تو اس وجہ سے کہ دونوں میں معاشرت نہیں ہے، بلکہ دونوں کا زمانہ الگ الگ ہے، یا دونوں میں معاشرت تو ہے مگر راوی اور مروی عنہ کا اجتماع نہ ہو سکا اور راوی کو شیخ کے حوالہ سے روایت بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

فن تخریج کی ضرورت اور اہمیت: کیوں کہ روایات میں معاشرت و ملاقات کا جاننا نہایت ضروری ہے کیوں کہ کسی بھی حدیث کے بارے میں کوئی فیصلہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب لقاء یا عدم لقاء کا علم ہو جائے اور یہ بات فن تاریخ یعنی فن اسماء الرجال ہی سے معلوم ہوگی، جس میں راویان حدیث کی تاریخ واداءت، تاریخ وفات، طلب علم کا زمانہ اور تحصیل علم کے لئے اسفار کے اوقات کی تفصیلات ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے فن اسماء الرجال ایک بنیادی اور قابل اعتماد فن ہو گیا ہے۔

حدیث مدلس کا بیان

مدلیس کے لغوی معنی ہیں عیب چھپانا ذلّس البائع سامان مبیع کا عیب چھپانا، رات کی تاریکی اور شدت کو بھی مدلیس کہتے ہیں۔

۱۔ لیکن فی زمانہ تمام کو یاد کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان کتب کا علم ضروری ہے جن میں ان کے حالات مدون ہیں اس طور پر کہ اگر ہم کسی راوی کے حالات وغیرہ کی تحقیق کرنا چاہیں، تو فی الغور ان کتب سے استفادہ کر سکیں جن میں ان کے حالات مرتب ہیں۔

حدیث مدلس کی اصطلاحی تعریف: حدیث مدلس وہ حدیث ہے جس میں سقط خفی ہو یعنی راوی اپنے استاذ کو (جس سے یہ حدیث سنی ہے) حذف کر کے مافوق سے (جس سے لقاء تو ہو مگر اس سے یہ حدیث نہ سنی ہو) اس طرح روایت کرے کہ استاذ کا محذوف ہونا معلوم نہ ہو، بلکہ یہ محسوس ہو کہ مافوق ہی سے سنا ہے مثلاً ”عن فلان“ یا ”قال فلان“ کہے۔ اگر اس صورت میں راوی صراحۃً مافوق سے اپنا سماع بیان کرے مثلاً ”سمعت“ یا ”حدثنی“ وغیرہ کلمات سے روایت کرے تو یہ کذب ہوگا اور اس فعل سے اس کی روایت ساقط ہو جائے گی۔

مدلیس کے ارکان

جس حدیث میں مدلیس کی جائے وہ ”مُدَلِّسُ“ ہے اور اس فعل کا نام مدلیس ہے اور اس کے فاعل کو ”مُدَلِّسُ“ کہتے ہیں۔

مدلیس کی تقسیم

مدلیس کی مشہور قسمیں تین ہیں: مدلیس الاسناد، مدلیس الشیوخ، مدلیس التسمیہ۔
مدلیس الاسناد: یہ ہے کہ محدث کسی حدیث کو ایسے شیخ سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہے مگر اس سے ملاقات نہیں ہوئی یا ملاقات تو ہوئی ہے مگر اس سے کوئی حدیث نہیں سنی ہے یا حدیث تو سنی ہے مگر جو بیان کر رہا ہے وہ نہیں سنی بلکہ یہ حدیث محدث نے اس

۱۔ حنفی ابن حجرؒ نے مدلیس اور مرسل وغیرہ کا امتیاز بیان کیا ہے ان کی رائے ہے کہ اگر راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات نہیں تو روایت منقطع ہے، اور اگر ملاقات ہے مگر اجازت نہیں تو مدلیس ہے، اور اگر صرف معاشرت ہے ملاقات نہیں تو اس کا نام ارسال خفی ہے، اور دیگر علماء کے نزدیک اگر معاشرت ہے مگر لقاء نہیں تو وہ بھی مدلیس ہے، حنفی ابن حجرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر معاشرت مدلیس کے لئے کافی ہوتی تو ابو عثمان نبہدی قیس بن ابی حازم وغیرہ حنفی میں کی روایت مرسل قرار نہ دی جاتی بلکہ مدلس ہوتی، حالانکہ ان کی روایات کو مرسل قرار دیا گیا ہے۔ (حلیقات ارشاد: ۱/۳۴)

شیخ کے کسی ضعیف یا معمولی شاگرد سے سنی ہے اس واسطہ کو حذف کر کے اس طرح روایت کرتا ہے کہ سماع کا وہم ہوتا ہے، جیسے بقیۃ بن الولید اور ولید بن مسلم کی تدلیس۔ تدلیس کی یہ قسم مذموم اور ناجائز ہے۔

تدلیس الشیوخ: یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کا ذکر غیر معروف نام یا غیر معروف کنیت یا غیر معروف نسبت یا غیر معروف صفت سے کرے تاکہ لوگ اس کو پہچان نہ سکیں کیوں کہ وہ ضعیف یا معمولی درجہ کا راوی ہے۔ تدلیس کی یہ صورت بھی نامناسب ہے مگر ناجائز نہیں ہے۔

تدلیس التسویۃ: یہ ہے کہ محدث اپنے شیخ کو تو حذف نہ کرے البتہ حدیث کو عمدہ بنانے کے لئے اوپر کے کسی ضعیف یا معمولی راوی کو حذف کر دے اور وہاں ایسا لفظ لائے جس میں سماع کا احتمال ہو تدلیس کی یہ قسم بدترین قسم ہے اور حرام ہے۔

تدلیس کے اسباب

تدلیس کی دو وجوہات ہیں: اول غرض فاسد کی وجہ سے مثلاً کسی محدث کا استاذ معمولی درجہ کا ہے اور استاذ کا استاذ عالی رتبہ ہے، محدث کو اس معمولی استاذ سے روایت کرنے میں کسر شان محسوس ہوتی ہے اس لئے وہ استاذ کو حذف کر کے استاذ الاستاذ سے علو شان کے لئے روایت کرتا ہے اس مقصد سے تدلیس حرام ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ محدث اختصار کے لئے استاذ کو حذف کر کے مافوق سے روایت کرتا ہے جیسا کہ بعض اکابر محدثین سفیان بن عیینہ وغیرہ نے ایسا کیا ہے۔

تدلیس کا حکم

ائمہ حدیث کے نزدیک تدلیس حرام ہے، امام کبیر فرماتے ہیں کہ جب کپڑا فروخت کرنے میں تدلیس حرام ہے تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی۔

اور شعبہ نے تو مدلس کی مذمت میں مبالغہ سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ اس کو زنا سے بھی سخت اور کذب کے مرادف قرار دیا ہے۔

مدلس کا حکم

جس راوی کے بارے میں تدلیس ثابت ہو جائے اسکی روایت مقبول نہیں ہے، البتہ اگر تحدیث کی صراحت کرے مثلاً حدثنی اور سمعت وغیرہ سے نقل کرے تو قابل قبول ہوگی۔

حدیث مدلس کا حکم

حدیث مدلس کے قبول اور عدم قبول کے بارے میں محدثین کے اقوال مختلف ہیں:

(۱) محدثین اور فقہاء کرام کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تدلیس ایک قسم کی جرح ہے اگر کسی راوی کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، یعنی جس طرح دیگر عیوب کی وجہ سے مجروح کی روایات رد کر دی جاتی ہیں اسی طرح اس کی روایت بھی رد کر دی جائے گی۔

(۲) بعض محدثین تدلیس کو بالکل مضر نہیں سمجھتے اور ان کے نزدیک مدلس کی روایت علی الاطلاق مقبول ہے۔

(۳) جمہور فقہاء کرام اور محدثین عظام کی رائے یہ ہے کہ جس راوی کے بارے میں تحقیق ہو جائے کہ وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتا ہے جیسے سفیان ابن عیینہ وغیرہ تو اسکی روایت مقبول ہے اور جو راوی ضعیف رواۃ سے تدلیس کرتا ہے تو جب تک صریح طور سے سماع کو بیان نہ کرے اسکی روایت قابل قبول نہیں ہے یہی آخری قول متاخرین کے نزدیک قابل عمل ہے۔^۱

۱۔ کل قول اس میں پانچ ہیں تین تو اوپر بیان کئے جا چکے: (۴) یہ ہے کہ اگر تدلیس کا وقوع راوی سے مادر ہے، تو

اس کی روایت مقبول ہے ورنہ مردود۔ (۵) یہ ہے کہ مدلس روایت مرسل روایت کی طرح ہے۔ (تعلیقات

ارشاد: ۱/۱۰۹)

مُدَلِّس نام رکھنے کی وجہ تسمیہ

مدلس اصطلاحی اور مدلس لغوی دونوں میں خفاء اور پوشیدگی ہوتی ہے یعنی جس طرح تاریکی سے اشیاء مخفی ہو جاتی ہیں، اسی طرح مدلس سے سقوط راوی مخفی ہو جاتا ہے اس وجہ سے اس حدیث کا نام مدلس رکھا گیا ہے۔

حدیث مضطرب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں متعدد راویوں یا ایک ہی راوی کے بیان میں اختلاف ہو جائے خواہ یہ اختلاف تقدیم و تاخیر کا ہو یا زیادتی و کمی میں، یا ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کے بدل دینے یا ایک متن کو دوسرے متن سے بدل دینے میں ہو یا سند کے اسماء اور متن کے اجزاء میں تصحیف ہو جانے سے یا اختصار و حذف وغیرہ سے اختلاف ہو جائے۔ اگر ان مختلف فیہ روایات میں جمع و تطبیق ممکن ہو تو بہتر ہے ورنہ اس سے استدلال موقوف رہے گا۔

فائدہ: ثبوت اضطراب کے لئے ضروری ہے کہ مختلف روایات درجہ میں مساوی ہوں اور کوئی قرینہ مرحجہ بھی نہ ہو کیونکہ قوی اور ضعیف کے درمیان اختلاف معتبر ہی نہیں ہے اسی طرح قرینہ مرحجہ کی صورت میں بھی مرجوح شاذ، یا منکر ہو کر ساقط الاعتبار ہو جائے گی اور اضطراب مضرب نہ ہوگا۔

۱۔ محدثین کے نزدیک اختلاف فی المتن کے مقابلہ میں اختلاف فی السند پر اضطراب کا لفظ زیادہ بولا جاتا ہے، اور اس کی چھ صورتیں ہیں۔

- (۱) وصل اور ارسال کا تعارض (بعض مرسل روایت کرتے ہوں اور بعض موصول)
- (۲) وقف و رفع کا تعارض (بعض مقوف روایت کرتے ہوں، بعض مرفوع)
- (۳) اتصال و انقطاع کا تعارض (بعض متصل روایت کرتے ہوں بعض منقطع)
- (۴) مثلاً ایک جماعت عن رجل عن تابعی عن صحابہ نقل کرے اور کوئی عن رجل عن تابعی آخر عن صحابہ بعینہ نقل کرے۔

(۵) کسی سند میں ایک آدھ راوی کا اضافہ ہو جائے۔

(۶) راوی کے نسب میں اختلاف ہو جائے۔ (ہلیقات ارشاد: ۱/۲۵۰)

حدیث مدرج: ادراج باب افعال سے ہے ادخال الشئ فی الشئ کسی چیز کو کسی چیز میں داخل کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس باب سے مدرج صیغہ اسم مفعول ہے جس کے معنی ہیں ”داخل کیا ہوا“۔

محدثین کی اصطلاح میں مدرج کی دو قسمیں ہیں: مدرج المتن، مدرج الاسناد۔
مدرج المتن: حدیث کے متن میں کسی راوی (صحابی یا تابعی) کا کلام اس طرح داخل کر دینا کہ بظاہر خیال ہو کہ یہ بھی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بظاہر متن اور مدرج میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔ (خواہ کلام داخل کرنے کی غرض بیان لغت ہو یا تفسیر معنی ہو یا تہمید مطلق ہو) یہ ادراج عام طور سے آخر حدیث میں ہوتا ہے اور کبھی ابتداء حدیث اور درمیان حدیث میں بھی ہوتا ہے۔

مدرج الاسناد: اس کی پار قسمیں ہیں:

(۱) متعدد اساتذہ سے مختلف سندوں سے ایک حدیث سنی مگر بیان کے وقت ہر ایک استاذ کی سند علیحدہ بیان نہ کی بلکہ سب کی سندوں کو ملا کر ایک سند کر دی۔

(۲) شیخ نے حدیث کسی سند سے روایت کی اور اس کا کچھ حصہ دوسری سند سے بیان کیا راوی نے پوری حدیث پہلی ہی سند سے روایت کر دی یا ایک حدیث ایک شیخ سے سنی اور اس کا کچھ حصہ اس شیخ کے کسی شاگرد سے سنا پھر پوری شیخ کی سند سے روایت کر دی اور اس شاگرد کا واسطہ حذف کر دیا۔

(۳) کسی راوی کے پاس دو حدیثیں مختلف سندوں سے تھیں مگر بیان کے وقت ایک ہی سند سے دونوں کو روایت کر دیا یا ایک حدیث کو اسی کی مخصوص سند سے بیان کیا مگر دوسری حدیث کا کوئی حصہ اس میں شامل کر دیا۔

(۴) شیخ نے کسی حدیث کی سند بیان کی پھر اس کا متن بیان کرنے سے پہلے کوئی

کلام کیا شاعر نے غلط فہمی سے اس کلام کو اس سند کا متن سمجھا اور اس سے روایت کر دیا۔

ادراج کا حکم

عمداً ادراج کی حرمت پر محدثین کا اتفاق ہے کیوں کہ اس سے کلام رسول میں کلام غیر رسول کا ادخال لازم آتا ہے۔ بعض محدثین بالقصد ادراج کرنے والے کو ساقط العدالت کہتے ہیں، البتہ جو ادراج لغوی معنی کے بیان یا معنی حدیث کی تفسیر و توضیح کے لئے ہو اس سے چشم پوشی کی جائے گی لیکن اس صورت میں مناسب یہی ہے کہ اپنے کلام کو کلام رسول سے ممتاز کر کے بیان کرے۔

اور اگر ادراج بالقصد نہیں بلکہ خطا سے واقع ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ خطا اور نسیان سے بری ہونا انسان کے لئے ممکن نہیں ہے، لیکن یہ خطا اگر کثیر ہو جائے تو ضبط و اتقان کی حیثیت سے وہ راوی مجروح ہوگا۔

فصل تنبیہ: روایت بالمعنی واللفظ کا بیان

تنبیہ ایسے امر پر ہوتی ہے، جو بدیہی ہونے کے ساتھ معرض خفا بھی ہو۔ حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے بجائے دوسرے ہم معنی الفاظ میں نقل کرنا روایت بالمعنی کہلاتا ہے اور حدیث کو اس کے اصل الفاظ میں بلا کسی تصرف کے نقل کرنا روایت باللفظ کہلاتا ہے۔

روایت باللفظ کا حکم

روایت باللفظ کے اولیٰ اور بہتر ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق اور اجماع ہے اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ رامی ہے: نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَادَّاهَا كَمَا حَفِظَهَا. (مشکوٰۃ: ص ۳۵/۱) لیکن مشکوٰۃ میں امرأ کے بجائے عبداً

ہے۔ اللہ تعالیٰ ترمازہ اور خوش و خرم رکھے اس شخص کو جس نے میری بات سنی پھر اسے محفوظ کیا اور جن الفاظ میں سنا تھا انہیں الفاظ میں ادا کر دیا۔ اس حدیث میں روایت باللفظ کے بارے میں آقا نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت اور خوشخبری پیش فرمائی ہے اس لئے روایت باللفظ اولیٰ اور بہتر ہے۔

روایت بالمعنی کا حکم

روایت بالمعنی کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) اکثر علماء حدیث کا مسلک ہے کہ جو شخص علوم عربیہ کا عالم، اسلوب کلام میں ماہر، ترکیب کے خواص اور خطاب کے مفہوم سے واقف ہو اس کے لئے روایت بالمعنی جائز ہے۔ کیوں کہ مذکورہ امور میں ماہر شخص روایت بالمعنی کے وقت حدیث میں کمی و بیشی کی غلطی نہیں کرے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف، نحو، لغت، اشتقاق اور فنون بلاغت میں ماہر شخص کے لئے روایت بالمعنی جائز ہے اس کے علاوہ کے لئے جائز نہیں ہے۔

(۲) الفاظ مفردہ میں روایت بالمعنی کے ذریعہ تغیر جائز ہے مرکبات میں جائز نہیں ہے، بعض علماء حدیث کا قول یہی ہے۔

(۳) جس شخص کو الفاظ حدیث یاد ہوں اس کے لئے روایت بالمعنی جائز ہے تا کہ وہ ان الفاظ حدیث میں ان کے مترادف الفاظ کے ذریعہ تغیر و تبدل پر قادر ہو۔

(۴) جس شخص کو حدیث کا مفہوم یاد ہو اور الفاظ بھول گیا ہو تو اس کے لئے احکام حاصل کرنے کی ضرورت سے روایت بالمعنی جائز ہے اور جس کو الفاظ حدیث یاد ہوں اس کے لئے روایت بالمعنی ناجائز ہے۔

فائدہ: روایت بالمعنی صحاح ستہ میں بکثرت موجود ہیں۔

حدیث معنعن کا بیان

اس جگہ پر لفظ ہیں: عنعنه، مُعْنَعْنٌ، مُعْنَعْنٌ، مُعْنَعْنٌ عَنْهُ۔
 عَنْعَنَةً: بروزن فعللة (بَعَثَرَةً) مصدر جعلی ہے حمد لہ اور بسملة کے مانند،
 اصطلاح میں عن فلان عن فلان سے لفظ حدیث نقل کرنا عنعنه کہا جاتا ہے۔
 حدیث مُعْنَعْنٌ: وہ حدیث ہے جو عنعنه کے طریق سے روایت کی گئی ہو۔
 مُعْنَعْنٌ: صیغہ اسم فاعل ہے وہ راوی جو عن فلان عن فلان سے روایت
 کرے۔ اور جس راوی سے حدیث معنعن روایت کی جائے وہ مُعْنَعْنٌ عَنْهُ ہے۔

حدیث معنعن کا حکم

مدلس راوی کا عنعنه بالائتفاق مقبول نہیں ہے اور راوی غیر مدلس کے عنعنه کے قبول
 اور عدم قبول کے سلسلہ میں کہ وہ متصل کے حکم میں ہے یا نہیں علماء حدیث کے اقوال مختلف ہیں:
 (۱) حدیث معنعن مطلقاً قابل استدلال نہیں کیوں احتمال الخطا موجود ہے لیکن یہ
 قول بالاجماع رد ہے۔

(۲) امام مسلم کی رائے یہ ہے کہ حدیث معنعن متصل کے حکم میں ہے بشرطیکہ راوی
 اور مروی عنہ کے درمیان معاصرت اور امکان لقاء ہو۔ یہ قول علماء کا جماعی ہے۔

(۳) علی بن المدینی اور امام بخاری کے نزدیک معاصرت کے ساتھ ساتھ راوی
 اور مروی عنہ کے درمیان ایک مرتبہ ملاقات بھی ثابت ہو۔ اگر صرف معاصرت ہے اور
 ملاقات نہیں ہے، تو امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث متصل السند نہ ہوگی، امام مسلم نے مقدمہ
 مسلم میں اس قول پر شدید نکیر فرمائی ہے۔

(۴) ابوالمنظف سمعانی نے راوی اور مروی عنہ کے درمیان طول صحبت کی شرط بھی

لگائی ہے۔

(۵) امام ابو عمرو دانی المقرئؒ نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ اس راوی کا اپنے مروی عنہ سے اخذ حدیث اور روایت حدیث معروف اور مشہور ہو۔ (مقدمہ النووی علی شرح صحیح مسلم)

حدیث مُسْنَد کا بیان

مُسْنَد کے معنی: مُسْنَد محدثین کی ایک خاص اصطلاح ہے کہا جاتا ہے: هذا حدیث مُسْنَد اس کی جمع مسانید ہے۔ اسندہ فی الجبل کے معنی ہیں پہاڑ پر چڑھنا۔ مُسْنَد (اسم مفعول) کے معنی ہیں چڑھایا ہوا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں وہ بات جس کی سند قائل تک پہنچائی گئی ہو اور مُسْنَد (بصیغہ اسم فاعل) کے معنی ہیں چڑھانے والے اور اصطلاحی معنی ہیں باسند کرنے والا یعنی مدار سند جیسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ”مسند الہند“ کہاتے ہیں کیوں کہ آپ محدثین ہند کی سند کا مدار ہیں کسی محدث کی سند آپ کے واسطے کے بغیر نہیں جاتی۔ مُسْنَد کے نام سے باقاعدہ کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، جیسے مسند الامام احمد بن حنبل اور مسانید الامام الاعظم وغیرہ۔ بعض لوگ مُسْنَد (میم کے فتح کے ساتھ) بولتے ہیں یہ غلط تلفظ ہے اس لفظ کے معنی ہیں ٹیک لگانے کی جگہ۔

حدیث مسند کی تعریف: مسند وہ حدیث ہے جو کسی صحابی نے مرفوعاً بیان کی ہو اور ایسی سند سے مروی ہو جو بظاہر متصل ہو لہذا جس حدیث میں اھطاع خفی ہو وہ بھی حدیث مُسْنَد کہائے گی۔ مسند کی یہی تعریف مشہور و معتد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مسند ہونے کیلئے مرفوع اور متصل ہونا ضروری ہے ان دونوں قیدوں کے بغیر حدیث مسند نہ ہوگی۔

حافظ خطیب بغدادیؒ ہر متصل السند کو مسند کہتے ہیں خواہ وہ موقوف اور مقطوع ہی ہو حافظ ابن عبد البرؒ صرف مرفوع کو مسند کہتے ہیں، اگرچہ وہ مرسل معضل اور منقطع ہی کیوں نہ ہو۔

۱۔ حاکم وغیرہ نے متصل، مسند، اور مرفوع کے درمیان بہترین فرق بیان کیا ہے، وہ یہ..... (باقی اگلے صفحہ پر)

تیسری فصل

حدیث شاذ، منکر اور معلل کا بیان

راویوں کے حالات کے اعتبار سے آخبار احاد کی دو قسمیں ہیں: مقبول اور مردود۔

مقبول: وہ خبر واحد ہے جس کے سب راوی ثقہ اور معتبر ہوں۔

مردود: وہ خبر واحد ہے جس کا کوئی راوی غیر معتبر اور ضعیف ہو۔

تنبیہ: کوئی حدیث شریف فی نفسہ مردود نہیں ہوتی صرف راوی کے غیر معتبر

ہونے کی وجہ سے مردود کہلاتی ہے۔

پھر حدیث غیر مقبول کی قسموں میں شاذ، منکر اور معلل بھی ہے۔

حدیث شاذ: شاذ اسم فاعل ہے، جیسے ذاب۔ شذوذ مصدر ہے نکلنا، شاذ نکلنے

والا لیکن اول وضع کے اعتبار سے شاذ وہ شخص ہے جو جماعت سے نلیحدہ اور خارج ہو جائے اور

اصطلاح محدثین میں شاذ وہ حدیث ہے کہ ثقہ راوی اوثق اور رائج کے خلاف روایت کرے اور

اس مخالفت کا نام شذوذ ہے۔ ثقہ راوی عام ہے خواہ حدیث حسن کا راوی ہو یا حدیث صحیح کا اور

ارنج کی ارجحیت بھی عام ہے خواہ ضبط کی زیادتی کی وجہ سے ہو یا تعداد کی کثرت کی وجہ سے ہو یا

کسی اور وجہ سے رائج ہو اور مخالفت ایسی ہو کہ اس روایت کے لینے کی صورت میں رائج کی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)..... ہے کہ مرفوع میں صرف متن کو دیکھا جاتا ہے۔ اگر متن کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف درست ہے تو وہ مرفوع ہے خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ ہو۔ اور اس کے بالتقابل متصل ہے کہ اس میں

صرف سند کو دیکھا جاتا ہے، کہ وہ متصل ہے یا منقطع وغیرہ۔ خواہ مرفوع ہو یا موقوف۔

اور مسند میں سند اور متن دونوں چیزوں کو دیکھا جاتا ہے کو یا مسند میں اتصال اور رفع دونوں شرطیں ضروری ہیں لہذا

مسند بر متصل مرفوع کے درمیان عموم خصوص من وچہ کی نسبت ہے، پس ہر مسند متصل بھی ہوتی ہے، اور مرفوع بھی

ہے، لیکن ہر متصل کا یا ہر مرفوع کا مسند ہونا ضروری نہیں ہے۔ (الکت: ۱/۳۰۰، بحوالہ تعلیقات ارشاد: ۱/۵۵)

روایت کا رد کرنا لازم نہ آئے۔ رائج کا نام حدیث محفوظ ہے اور مرجوح کا نام شاذ ہے۔

فائدہ: اگر مخالف راوی ثقہ نہ ہو تو اس کی روایت حدیث مردود ہے۔

حدیث منکر اور معروف کی تعریف: منکر وہ حدیث ہے جس کو

اضعف (کمزور ترین) راوی ضعیف کے مخالف روایت کرے اس کے مقابل کو معروف کہتے ہیں۔

فائدہ: شاذ اور محفوظ دونوں کے راوی ثقہ ہوتے ہیں البتہ محفوظ کا راوی ثقاہت میں

رائج اور شاذ کا راوی ثقاہت میں اپنے مقابل کے لحاظ سے کمزور اور مرجوح ہوتا ہے اور

معروف اور منکر دونوں روایتوں کے راوی ضعیف ہیں صرف ضعیف کی شدت اور عدم شدت کا فرق ہے، معروف کا راوی ضعیف اور منکر کا اضعف ہوتا ہے۔

اقسام اربعہ کا حکم

حدیث شاذ: مردود اور غیر مقبول ہے۔

حدیث محفوظ: مقبول ہے۔

حدیث منکر: مردود ہے۔

حدیث معروف: مقبول ہے۔

حدیث شاذ کی دوسری تعریف: امام ابو عبد اللہ حاکم صاحب مستدرک

نے حدیث شاذ کی تعریف بیان کی ہے کہ شاذ وہ حدیث ہے جس کو روایت کرنے میں ثقہ

راوی منفرد ہو اور اس کی تائید و موافقت میں کوئی اصل نہ ہو اس تعریف میں امام حاکم نے شاذ

کے اندر مخالفت کا لحاظ نہیں کیا ہے، اور اس تعریف میں حدیث صحیح غریب بھی شاذ میں داخل

ہے، لہذا شاذ کی یہ تعریف ناقص ہے۔

شاذ کی تیسری تعریف: حافظ ابویعلیٰ خلیلؒ نے شاذ کی اس طرح تعریف

کی ہے کہ شاید وہ حدیث ہے جو صرف ایک سند سے مروی ہو خواہ وہ راوی ثقہ ہو یا غیر ثقہ دوسرے راوی کی مخالفت پائی جائے یا نہ پائی جائے۔

منکر کی دوسری تعریف: منکر وہ حدیث ہے جو راوی کے فق یا کثرت غفلت یا زیادتی غلط سے مطعون ہو خواہ اس کی روایت ثقہ کی روایت کے خلاف ہو یا نہ ہو۔ یہ جدا جدا اصطلاحات ہیں، ان میں باہمی کوئی مناقشہ اور جھگڑا نہیں ہے۔

حدیث معلل: معلل: بفتح اللام مصدر تعلیل اسم مفعول ہے بمعنی علت اور خرابی والی حدیث اور اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس میں کوئی پوشیدہ باریک اور دقیق علت و سبب ہو جو حدیث کی صحت کو عیب دار بنادے، جس کو ماہرین حدیث خوردبین سے پہچان سکتے ہیں۔

علت: علماء حدیث کی اصطلاح میں علت سے مراد وہ مخفی، غامض اور دقیق سبب ہے جو راوی کے وہم کی وجہ سے شروط صحت کی جامع حدیث میں خلل انداز ہوتا ہے۔ یہ سبب قاذح اکثر اسناد میں واقع ہوتا ہے، اور کبھی متن میں ہوتا ہے، اور کبھی سند اور متن دونوں میں پایا جاتا ہے۔ شیخ محدث دہلویؒ نے معلل کی تعریف میں اسناد فیہ علل اسناد کی قید اس کثرت کے اعتبار سے لگائی ہے یہ قید اترازی نہیں بلکہ قید اکثری ہے۔

معلل کو پہچاننے کا طریقہ: جس شخص کو ذہن ثاقب، حفظ کامل، معرفت تامہ اور علوم حدیث میں کامل مہارت عطا ہوئی ہو، رواۃ کے مراتب کو جانتا ہو اور اسانید و متون کی پہچان کا خاص ملکہ حاصل ہو وہ حدیث معلل میں علت قاذحہ کو پہچان سکتا ہے، جیسے موصول سند کو مرسل اور مرفوع کو موقوف بنادینا۔ اور بسا اوقات معلل (بکسر اللام بمعنی

۱۔ جس حدیث میں ایسی تیاریاں ہوں ان کو اسانید معللہ کہا جاتا ہے اور اس حدیث کو معلل کہا جاتا ہے، بعض مرتبہ ایک ایک حدیث کے ساتھ سوطریق ہو جاتے ہیں، مثلاً بخاری کی انما الاعمال بالانبياء امام بخاری نے سات سو اساتذہ سے سنی ہے۔

علت قածہ کو بیان کرنے والا) اپنے دعویٰ پر دلیل قائم نہیں کر پاتا کیوں کہ یہ ذوقی چیز ہے اور ذوقی امور پر دلیل قائم کرنا دشوار ہوتا ہے جیسے صراف دراہم و دنانیر کو دیکھتے ہی اپنے ذوق سے کھرے، کھوٹے کو پہچان لیتا ہے مگر اس کی دلیل بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

تنبیہ: حدیث معلل کو حدیث معلول بھی کہتے ہیں مگر ابن الصلاح اور امام نووی اس کو درست نہیں سمجھتے۔

فائدہ: فن غلل حدیث میں متعدد کتب تصنیف ہوئی ہیں جیسے امام ابو حاتم کی تصنیف علل الحدیث اور حافظ دارقطنی کی العلل الواردة فی الاحادیث النبویہ وغیرہ انتہائی جامع کتابیں ہیں امام ترمذی کی کتاب العلل بھی اس فن کی اہم کتاب ہے۔ امام نسائی احادیث معللہ کو بتلاتے ہیں اور بخاری صحیح حدیثوں کو اور امام مسلم ذرا کمی کے ساتھ کہ وہ بتلائیں گے جن سے مسائل نکلیں۔

متابعت: کسی راوی کا دوسرے راوی کے ساتھ اسناد حدیث میں موافقت کرنا۔

متابع اور متابع: جو راوی دوسرے راوی کی موافقت کر رہا ہے وہ متابع ہے (بکسر الباء) اور جس کی موافقت کی جا رہی ہے وہ متابع ہے (فتح الباء) محدثین کا قول تابعہ فلان اور امام بخاری کا قول ولہ متابعات اسی معنی و مفہوم میں مستعمل ہے۔

متابعت کے درجات

متابعت تامہ: اگر راوی کے شیخ میں موافقت ہو تو وہ متابعت تامہ ہے۔ چونکہ

۱۔ بعض نحاۃ نے اس کو معلل قرار دینے پر کلام کیا ہے کہ یہ باب انحال سے ہے، اعلل اعلال سے ماخوذ ہے، اور صرف اسی صورت میں لغوی اور اصطلاحی معنی کے درمیان مناسبت ہو سکتی ہے، مگر بعض علماء نے اس کو باب تفعیل سے قرار دیا ہے اور اس صورت میں بظاہر معنی میں مناسبت نہیں ہے، لیکن وہ خاص طریقہ سے مناسبت پیدا کرتے ہیں کہ تعلیل کے معنی میں غافل کرنا مشغول کرنا کیونکہ غلط اس روایت کو عاق کر دیتی ہے اور مشغول کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا جاتا اسی وجہ سے اس کو معلل کہتے ہیں۔ (حلیات ارشاد: ۱/۲۳۳)

اول اسناد میں زیادہ کمزوریاں ہوتی ہیں۔

متابعت قاصرہ: اور اگر راوی کے شیخ الشیخ میں موافقت ہو تو وہ متابعت

قاصرہ ہے۔

متابعت کا فائدہ: متابعت سے تقویت و تائید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

متابع کے لئے اصل کے ہم رتبہ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اصل سے کم درجہ کی حدیث بھی متابعت کی صلاحیت رکھتی ہے۔

متابعت کی شرط: متابع اور اصل دونوں حدیثوں کا ایک صحابی سے مروی

ہونا متابعت کے لئے شرط ہے۔

مثلہ اور نحوہ کا فرق

اگر متابع حدیث اصل حدیث سے لفظ اور معنی میں موافق ہو تو اس کو مثلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر صرف معنی میں موافقت ہو لفظ میں نہ ہو تو اس کو نحوہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاہد: وہ متن حدیث ہے جو دوسرے متن حدیث سے موافق ہو خواہ لفظ اور معنی

دونوں میں موافق ہو یا صرف معنی میں موافق ہو اور دونوں متن دو صحابہ سے مروی ہوں۔

محدثین اس صورت کو لہ شاہد من ابی ہریرہ، لہ شواہد و يشہد بہ حدیث فلان کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱۔ یعنی متابعت کیلئے یہ ضروری نہیں کہ متابع اصل کے درجہ کا ثقہ ہو بلکہ اگر اس سے کم درجہ ہو تو بھی متابعت درست

ہے حتیٰ کہ ضعیف کی متابعت بھی درست ہے، اس لئے کہ اصل پر اعتماد ہوتا ہے، متابع پر اعتماد نہیں ہوتا اور امام

سزاؤں فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی دونوں ہی (اصل و تابع) قابل اعتماد نہیں ہوتے مگر دونوں کے اجتماع سے تقویت

پیدا ہو جاتی ہے البتہ متابع ہم بالکذب یا سوء حفظ ضبط میں مبتلا نہ ہو۔ اسی وجہ سے محدثین کے یہاں فلان باعتبار

بہ فلان لا يعتبر بہ وغیرہ عبارات ملتی ہیں۔ (حلیقات ارشاد: ۲۲۳-۲۲۴/۱)

متابع اور شاہد کی دوسری تعریف

بعض محدثین متابع اس حدیث کو کہتے ہیں جو اصل حدیث سے لفظ اور معنی دونوں میں موافق ہو خواہ ایک صحابی سے مروی ہو یا دو صحابہ سے۔

اور شاہد اس کو کہتے ہیں کہ جو اصل سے صرف معنی میں موافقت رکھے۔

گویا ان حضرات کی اصطلاح میں لفظ و معنی میں موافقت اور عدم موافقت کا اعتبار ہے صحابی کے ایک یا دو ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔

تنبیہ: متابع پر شاہد اور شاہد پر متابع کا اطلاق بکثرت ہوتا ہے۔

اعتبار: متابع اور شاہد کی تلاش و جستجو کرنے کے لئے حدیث کی سندوں کو جمع کرنا اعتبار رکھاتا ہے۔

حدیث کی بنیادی اقسام

حدیث کی بنیادی اقسام تین ہیں: صحیح، حسن، ضعیف۔ صحیح اعلیٰ، حسن متوسط اور ضعیف ادنیٰ ہے۔ پھر حدیث صحیح اور حسن کی دو دو قسمیں ہیں: صحیح لذاتہ، صحیح لغيرہ، حسن لذاتہ، حسن لغيرہ۔

صحیح لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہوں، حدیث

۱۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس بات پر اجماع غفلت کیا ہے، کہ امام ترمذیؒ سے قبل علماء حدیث کی صرف دو قسمیں کرتے تھے صحیح، ضعیف۔

پھر ضعیف کی دو قسمیں ہوتی تھیں، ایک وہ جس پر عمل کیا جاسکے، جو حسن کے قریب ہوگی، دوسری وہ جو قائل عمل نہیں، پھر بعد کے علماء نے حدیث کی تین اقسام کر دیں، اور اب یہی اصطلاح بن گئی ہے، اور حدیث کی تمام اقسام انہیں تین میں شامل ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۸/۲۳)

شریف کو سند کے ساتھ خوب اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں یعنی تام الضبط ہوں۔ اس کی سند متصل ہو اسناد میں کوئی علت خفیہ نہ ہو اور وہ روایت شاذ بھی نہ ہو۔

وضاحت: اس تعریف سے معلوم ہوا کہ تحت حدیث کے لئے پانچ شرطیں ہیں: راوی کا عادل ہونا، تام الضبط ہونا، سند کا متصل ہونا، علت قادحہ سے بری ہونا، شذوذ سے بری ہونا۔ پہلے کی تین شرطیں: عدل، ضبط، اتصال، وجودی ہیں۔ اور بعد کی دو شرطیں: شذوذ، علت، سے بری ہونا عدلی ہیں۔

عدالت کی قید سے کاذب اور فاسق کی روایت خارج ہوگئی، تام الضبط سے کثیر الغلط اور کثیر الغفلت کی روایت خارج ہوگئی، اتصال سند کی قید سے منقطع، معضل وغیرہ روایات خارج ہوگئیں اور غیر معلل کی قید سے وہ روایات خارج ہوگئیں جن میں راوی کے وہم کی وجہ سے کوئی مضرب مثلاً موصول کا ارسال اور موقوف کا مرفوع ہونا وغیرہ پیدا ہو گیا اور عدم شذوذ کی قید سے وہ روایات خارج ہوگئیں جس میں ثقہ راوی نے اپنے سے اوثق کی مخالفت کی ہو۔

صحیح لغیرہ: وہ حدیث ہے جس میں صفات کی کچھ کمی ہو اور کثرت طرق سے یہ کمی دور ہوگئی ہو۔ گویا مذکورہ تمام صفات علی وجہ الکمال ہوں تو اس کو صحیح لذاتہ کہیں گے، اور اگر ان صفات میں کوئی قصور ہو لیکن اس کا تدارک کرنے والی کوئی چیز موجود ہو تو اس کو صحیح لغیرہ کہیں گے۔

وجہ تسمیہ: چونکہ یہ حدیث درجہ صحت میں امر خارجی یعنی کثرت سند کے ذریعہ پہنچتی ہے اس لئے اسے صحیح لغیرہ کہتے ہیں گویا غیر کی وجہ سے اس کو صحیح کہتے ہیں۔ بخلاف صحیح لذاتہ کے کہ اس کی صحت لذاتہ ہے۔

حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی خفیف الضبط ہو یعنی اس کی یادداشت ناقص ہو اور صحیح لذاتہ کی باقی تمام شرطیں اس میں موجود ہوں یعنی رواۃ کی عدالت

اتصال سند، اسناد کا علت خفیہ سے پاک ہونا اور روایت کا شاذ نہ ہونا اور یہ کی کثرت طرق سے زائل نہ ہوئی ہو۔

حسن لغیرہ: وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں ثنابت کی تمام صفات یا بعض صفات نہ پائی جاتی ہوں مگر تعدد طرق سے نقصان کی تلافی ہو گئی ہو مثلاً کسی حدیث کا راوی مستور الحال ضعف حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہو مگر تعدد طرق کی وجہ سے قبولیت رائج ہو گئی ہو تو اس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں۔

حدیث ضعیف: وہ حدیث ہے جس میں صحیح کی کل یا بعض شرطیں منقود ہوں۔
فائدہ: حسن لغیرہ کی چار صورتیں ہیں:

(۱) وہ حدیث جس کے کسی راوی کی یادداشت خراب ہے جب اس کا کوئی معتبر متابع مل جائے تو وہ حدیث حسن لغیرہ بن جاتی ہے، خواہ وہ متابع اصل راوی سے اعلیٰ درجہ کا ہو یا مساوی درجہ کا۔ البتہ اگر کمتر ہو تو اس کی متابعت کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۲) وہ حدیث جس کا کوئی راوی مستور یعنی مجہول الحال ہے جب اس کا کوئی متابع مل جائے تو وہ بھی حسن لغیرہ بن جائے گی۔

(۳) وہ حدیث جس کی اسناد مرسل ہے جب اس کا کوئی معتبر متابع مل جائے تو وہ بھی حسن لغیرہ بن جائے گی۔

(۴) وہ حدیث جس کی اسناد میں تدلیس کی گئی ہو اور مخدوف راوی کا پتہ نہیں چل رہا ہے جب اس کا کوئی معتبر متابع مل جائے تو وہ بھی حسن لغیرہ بن جائے گی۔

تمام اقسام کے مراتب اور احکام

صحیح لذاتہ: بالاتفاق تمام محدثین کے نزدیک اعلیٰ رتبہ کی حدیث ہے اور اس سے استدلال اور اس پر عمل واجب ہے۔

صحیح لغیرہ: یہ صحیح لذاتہ سے کم مرتبہ ہے اور حسن لذاتہ سے اعلیٰ مرتبہ پر ہے۔
 شرعاً واجب العمل اور المأقود استدلال ہے۔
حسن لذاتہ: یہ رتبہ میں صحیح سے کم تر ہے، لیکن شرعی حجت ہونے میں صحیح کے مانند ہے۔

حسن لغیرہ: یہ حسن لذاتہ سے کم رتبہ ہے اور ضعیف سے اعلیٰ مرتبہ کی ہے، مقبول، قابل عمل اور المأقود حجت ہے۔

حدیث ضعیف کا حکم: معتمد قول کے مطابق اعمال ثابتہ کے فضائل میں، پسند و موغظت میں اور مناقب رجال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے، بشرطیکہ ضعیف شدید نہ ہو یا وہ حدیث کسی معمول بہ اصل کے تحت آتی ہو۔

عدالت اور ضبط کا بیان

حدیث کی بنیادی اقسام کی تعریفات اور ضروری امور پر تنبیہ کے بعد حدیث صحیح کی تعریف میں واقع دو الفاظ عدالت اور ضبط کی تشریح کر رہے ہیں۔
عدالت: اس کیفیت راخہ نفسانیہ کا نام ہے جو انسان کو تقویٰ اور مروت کے التزام پر آمادہ کر دے۔

۱۔ عدل لغت کے اعتبار سے امور میں میانہ روی اختیار کرنے والے کو کہا جاتا ہے کہ فراطر فطریط نہ کرنا ہو، قرآن پاک میں ہے: **وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا، وسط اور عدل دونوں ہی ایک معنی میں ہیں۔** (تعلیقات ارشاد: ۱/۲۷۳)

اور عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، اسباب فسق اور مروت کے خلاف کاموں سے احتیاط کرنا ہو۔ لہذا کافر کی روایت معتبر نہیں، لیکن یہ شرط ادا ہے اگر اس نے حالت کفر میں روایت کو سنا ہو اور حالت اسلام میں اس کو بیان کرے تو معتبر ہے، اسی طرح بچہ کی روایت بھی معتبر نہیں مگر یہ بھی شرط ادا ہے، بشرطیکہ نہیں، اسی طرح مجنون کی روایت معتبر نہیں، البتہ یہ شرط چھ اور ادا دونوں واقعات میں ضروری ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۲۷۳)

تَقْوٰی: تقویٰ سے مراد اعمالِ سینہ یعنی شرک، فسق اور بدعت سے پرہیز کرنا ہے۔ قول مختار کے مطابق صغیرہ گناہوں سے اجتناب تقویٰ کے لوازمات میں سے نہیں ہے، کیوں کہ صغیرہ سے کلی طور سے اجتناب طاقتِ بشری سے خارج ہے اور انسان کو اس کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے، البتہ صغیرہ پر اصرار تقویٰ کے منافی ہے کیوں کہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہے۔ تقویٰ دراصل وقوی تھا چونکہ واؤ اور تا قریب مخرج ہیں اسی وجہ سے واؤ کوتا سے بدل کر تقویٰ بنایا تا کہ بدشگونئی نہ ہو کہ شروع ہی کلمہ میں واؤ علت ہے۔

مروت: مروت سے مراد خمیس اور گھٹیا کاموں سے بچنا ہے جو عز و ہمت کے مقتضی کے خلاف ہوں اگرچہ مباح ہی ہوں جیسے بازار میں چلتے پھرتے کھانا پینا اور راستہ میں پیشاب کرنا۔ سگریٹ بیڑی حقہ راستہ میں پینا کمینہ پن ہے سگریٹ پینا خود کمینہ پن ہے، لیکن اُریہ لت لگ گئی تو کم از کم چھپ کر پی لے۔ بازار میں پان کھانا بھی اسی میں داخل ہے، ہاں اگر گھر کھایا تھا اور کچھ رہ گیا تو ذرا کم ہے۔

فائدہ: عدل فی الروایۃ اور عدل فی الشہادۃ میں عام و خاص من وجہ کی نسبت ہے۔ شاہد کی عدالت کے لئے آزاد ہونا شرط ہے لیکن راوی کی عدالت آزاد، غلام دونوں کو شامل ہے یعنی راوی عادل غلام بھی ہو سکتا ہے۔

ضبط: ضبط سے مراد شیخ سے سنی ہوئی احادیث کو اچھی طرح محفوظ کرنا اور اچھی طرح سے یاد کرنا کہ ان کے بیان و نقل پر پوری قدرت رہے۔

۱۔ علامہ ابن الاثیر نے مقدمہ جامع الاصول میں تحریر کیا ہے کہ ضبط نام ہے، بابِ علم میں احتیاط کا، اور اس کی دہرائیس ہیں۔ (۱) سننے کے وقت سمجھنا۔ (۲) سمجھنے کے بعد اوائلی تک محفوظ رکھنا، اگر سنا اور سمجھا نہیں تو اس کو ضبط نہیں کہیں گے یہ تو ایسا ہو گیا جیسے ایک زور کی آواز (چین) سنے اور کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ سن کر سمجھا لیکن اپنی یادداشت میں کچھ شک ہو گیا تو اس کو بھی ضبط نہیں کہیں گے۔ پھر ضبط کی دو قسمیں: ضبطِ ظاہر، ضبطِ باطن۔

ضبط ظاہر: روایت کے معنی کے اعتبار سے محفوظ کرنا۔

ضبط باطن: روایت کے معنی حکمِ شرعی کے اس سے تعلق کے اعتبار سے..... (باقی اگلے صفحہ پر)

اقسام ضبط: ضبط کی دو قسمیں ہیں: ضبط الصدر اور ضبط الکتابۃ۔

ضبط الصدر: خوب اچھی طرح یاد رکھنا کہ جب پاپے بات تکلف بیان کر سکے کچھ رکاوٹ نہ ہو۔

ضبط الکتابۃ: خوب اچھی طرح لکھنا، لکھے ہوئے کی تصحیح کرنا، مشتبہ کلمات پر اعراب لگانا اور سماع کے وقت سے ادا کے وقت تک محفوظ رکھنا۔

عدالت سے متعلق اسباب طعن کا بیان

صحیح لہذا یہ کی تعریف میں راوی کا عادل ہونا اور تام الضبط ہونا دو اوصاف کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا تھا اب ان اوصاف میں اسباب طعن کو بیان کر رہے ہیں جن میں کمی کی وجہ سے روایت صحت کے مرتبہ سے گر جاتی ہے۔

عدالت سے متعلق اسباب طعن پانچ ہیں یعنی عدالت پر جو چیز اثر انداز ہوتی ہیں وہ پانچ ہیں: کذب، اتہام کذب، فسق، جہالت، بدعت۔

(۱) **کذب:** کذب راوی سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں راوی کا کاذب ہونا خود واقع کے اقرار یا دیگر قرائن کی وجہ سے ثابت ہو چکا ہو۔ ایسے راوی کی حدیث کا نام موضوع ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

..... محفوظ کرنا جس کا نام فقہ ہے، اور راوی حدیث میں جس ضبط کی شرط ہے وہ ضبط ظاہر ہے، عام علماء کا یہی مذہب ہے۔ (مقدمہ جامع الاصول: ۱/۳۵)

یہ شرح الطیث میں ہے کہ ضبط یہ ہے کہ متیقظ ہو جائے ہو مغفل نہ ہو نہ ہلکے ہو اور نہ بوقت خم یا او اشک میں بیٹا ہو اگر حفظ سے بیان کرے تو اس کو حافظ ہونا چاہئے اور اگر کتاب سے بیان کرے تو کتاب کی حفاظت کرنے والا ہونا چاہئے، اگر روایت بالمعنی کرے تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کس چیز سے معنی بدل جائیں گے۔ (شرح الطیث: ۱/۵۶)

حدیث موضوع: وہ حدیث ہے جس کا راوی مطعون بالکذب ہو یعنی جس راوی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب ثابت ہو جائے اس کی ساری روایات موضوع قرار دی جائیں گی۔ بطور خاص کسی حدیث کے بارے میں راوی کا کاذب ہونا حدیث کے موضوع ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے۔

کذب راوی اور حدیث کے موضوع ہونے کے قرائن

- (۱) واضح حدیث نے از خود موضوع ہونے کا اقرار کیا ہو۔
- (۲) ایسا قرینہ جو اقرار کے درجہ میں ہو مثلاً کوئی حدیث ایسے شیخ سے بیان کی جائے جو صرف اسی شیخ کے پاس ہو پھر اس شیخ کی ولادت کے بارے میں سوال کیا جائے تو جواب میں ایسی تاریخ بیان کرے کہ اس سے پہلے ہی شیخ کی وفات ہو چکی ہو۔
- (۳) کبھی راوی کے اندر قرائن سے حدیث کا موضوع ہونا پہچانا جاتا ہے۔ مثلاً راوی رافضی ہو اور حدیث اہل بیت کے مناقب میں ہو۔
- (۴) کبھی مروی کے اندر قرائن سے حدیث کا موضوع ہونا پہچانا جاتا ہے مثلاً حدیث رکیک ہو عقل سلیم اس کا کلام رسول ہونے کا انکار کرے۔
- (۵) نص قرآنی، سنت متواترہ صحیحہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور کسی بھی قسم کی تاویل ممکن نہ ہو۔

(۶) حدیث معمولی گناہ کے ارتکاب پر شدید وعید پر مشتمل ہو یا معمولی عمل پر بہت بڑے وعدہ پر مشتمل ہے مثلاً یہ حدیث کہ جو شخص پاشت کی اتنی رکعات پڑھے تو اس کو ستر انبیاء علیہم السلام کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ (الدرر الثمینہ فی مصطلح السنۃ بحوالہ عون المغیث: ص ۶۲)

قصد اُحدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کذب بیانی کا حکم

جس شخص کے بارے میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کذب بیانی ثابت ہو جائے اگرچہ یہ دروغ گوئی ایک ہی بار ثابت ہو تو توبہ کے باوجود اس کی روایت بالکل قبول نہیں کی جائے گی، البتہ جھوٹے گواہوں کی گواہی توبہ کے بعد قبول ہے۔

لیکن امام نوویؒ شرح مقدمہ مسلم میں فرماتے ہیں کہ جو شخص حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عمداً کذب بیانی کرے وہ فاسق ہے اور قبل از توبہ اس کی ساری مرویات مردود اور غیر مقبول ہیں ان سے احتجاج و استدلال باطل ہے لیکن توبہ کے بعد اس کی روایت کے قبول ہونے یا نہ ہونے میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے۔

متقدمین کی ایک جماعت جس میں امام احمد بن حنبل، شیخ ابو بکر حمیدی استاذ امام بخاری اور ابو بکر صیرفی وغیرہ شامل ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ قبول روایت کے سلسلہ میں اس کی توبہ کا اثر نہیں ہوگا اور ہمیشہ کے لئے اس کی روایت رد کر دی جائے گی۔ اور امام نوویؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ قول ضعیف اور قواعد شرعیہ کے خلاف ہے اور متاخرین کا قول مختار یہ ہے کہ وضع حدیث سے بھی توبہ یقینی طور سے صحیح ہے اور توبہ کے بعد اس کی روایت قبول کی جائے گی، بشرطیکہ اس کی توبہ معروف شرطوں کے مطابق صحیح ہو جائے مثلاً معصیت کا بالکل خاتمہ، اپنے فعل پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم وغیرہ۔ (شرح مقدمہ مسلم ج ۱/۸)

محدث دہلویؒ نے اس مسئلہ میں علماء متقدمین کا قول اختیار کیا ہے۔

حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کس طرح ہوگا

جس راوی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

جانب منسوب کر کے غلط احادیث بیان کرتا ہے تو اس کی روایت کردہ ہر حدیث کے بارے میں یقینی طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ موضوع ہے کیوں کہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس کے کاذب اور مضتری ہونے کے باوجود اس حدیث کے منسوب کرنے میں وہ سچا ہو کیوں کہ جھوٹا آدمی بھی کبھی سچ بولتا ہے اس طرح اگر اس نے کسی حدیث کے بارے میں یہ اعتراف کر لیا کہ یہ موضوع ہے تب بھی اس کو یقینی طور سے موضوع نہیں کہہ سکتے کیوں کہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس اعتراف و اقرار میں وہ جھوٹا ہو بلکہ اس کا فیصلہ ظن غالب سے ہوگا، کیوں کہ ان احتمالات کے باوجود کہ وہ راوی وضع حدیث کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی مرویات کے بارے میں ظن غالب یہی ہے کہ وہ موضوع ہوں گی اس لئے ماہر محدث اسی ظن غالب پر موضوع ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ اگر اس ظن غالب کا اعتبار نہ کیا جائے تو قتل کے معترف اور زنا کے مقرر قصاص اور حد کی سزا جاری نہیں ہو سکتی تھی کیوں کہ اس اعتراف و اقرار میں بھی اس احتمال کی گنجائش ہے کہ وہ ان جرائم کا اعتراف غلط کر رہے ہوں لیکن خود اپنے خلاف اعتراف اور اقرار سے صداقت پر ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے، اور شریعت ظن غالب ہی پر فیصلہ کرتی ہے۔

(۲) **اتهام بالكذب:** طعن کا دوسرا سبب ہے اتہام بالکذب: اسکی صورت یہ ہے کہ عوام الناس کے ساتھ باہمی گفتگو میں دروغ گوئی اور جھوٹ بولنے میں راوی معروف و مشہور ہو اور حدیث نبوی میں اس کا کذب ثابت نہ ہوا ہو تو ایسا راوی محدثین کی اصطلاح میں متہم بالکذب ہے اسی طرح جو راوی قواعد معلومہ ضروریہ فی الشرع کے مخالف حدیث روایت کرے یعنی دین اسلام کے وہ بنیادی مسائل جو اپنی شہرت و عمومیت کے لحاظ سے دائرہ عوام میں داخل ہو گئے ہیں، اور عامۃ الناس کو معلوم ہے کہ یہ دین اسلام کے مسائل و احکام ہیں جیسے وحدانیت، رسالت، ختم نبوت، بعث و جزاء، نماز و زکوٰۃ کی فرضیت، شراب کی حرمت وغیرہ۔ کوئی راوی ان شرعی عمومی مسائل کے خلاف حدیث نقل کرے تو وہ بھی متہم بالکذب کے حکم میں ہے۔

حدیث متروک : متهم بالکذب راوی کی حدیث کو اصطلاح محدثین میں متروک کہتے ہیں جیسے بولا جاتا ہے، حدیث متروک، فلان متروک الحدیث۔

متهم بالكذب کا حکم : متهم بالکذب راوی اگر صدق دل سے تو بہرے اور سچائی کی علامات کا اس سے ظہور ہو جائے تو اس سے حدیث کی سماعت جائز اور درست ہے۔

گا ہے گا ہے جھوٹ بولنے والے کا حکم

جو شخص کلام رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اپنی باہمی گفتگو میں کبھی کبھی جھوٹ بول دیتا ہو تو اس کا قلیل الوجود جھوٹ اس کی حدیث کے موضوع یا متروک نام رکھنے میں موثر نہیں ہے اگرچہ یہ جھوٹ بھی گناہ ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

(۳) **فسق :** طعن کا تیسرا سبب راوی کا فاسق ہونا ہے، فسق کے معنی حد سے تجاوز کرنا مراد گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا۔ فسق کی دو قسمیں ہیں:

فسق فی العمل : جیسے قتل ناحق، زنا، چوری، شراب نوشی، چغل خوری جھوٹی شہادت وغیرہ۔

فسق فی الاعتقاد : جیسے اعتزال رافضی ہونا، خارجی ہونا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب یا حاضر و ناظر جاننا وغیرہ۔

یہاں فسق عملی مراد ہے کیوں کہ فسق اعتقادی بدعت پر بولا جاتا ہے۔ (تحفۃ الدرر: ۳۱)

تنبیہ : حدیث نبوی میں دروغ گوئی بھی اگرچہ فسق میں داخل ہے، لیکن محدثین نے اس کو علیحدہ اسباب طعن میں ذکر کیا ہے، کیوں کہ فن حدیث میں کذب کی جرح نہایت قبیح ہے اور بہت سخت ہے۔ ااکھ تو بہرے جنید وقت بن جائے لیکن محدثین اس کو نہیں مانتے،

صوفیاء میں تو اعزاز ہوگا۔

محدثین کہتے ہیں کہ بعض شخص جس کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ ہم سے پہلے یہ جنت میں ہزاروں برس پہلے خیمے گاڑ لیئے، لیکن ہم ان کو دجال و فاسق کہے بغیر نہیں رہتے، حفاظت دین کی وجہ سے۔

فائدہ: جو راوی فسق کے ساتھ مطعون ہوتا ہے اس کی روایت منکر کہا جاتی ہے۔

(۴) **جہالت راوی:** اسباب طعن میں سے چوتھا سبب جہالت ہے یعنی راوی کا غیر معروف ہونا۔

اسباب جہالت: جہالت کے تین اسباب ہیں: (۱) عدم تسمیہ یعنی نام نہ لینا، (۲) غیر معروف التسمیہ یعنی نام معروف و مشہور نہ ہونا، (۳) قلیل الروایہ ہونا۔

عدم تسمیہ کی وجہ سے جہالت: کبھی راوی اس لئے مجہول ہوتا ہے کہ اسناد حدیث میں اس کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ شیخ، ثقہ، صاحب لنا وغیرہ مبہم کلمات سے ذکر کیا جاتا ہے ایسے غیر مستحکم روایہ مبہم کہلاتے ہیں اور ان کے تعارف کے لئے محدثین نے مبہمات نامی کتابیں لکھی ہیں جن سے ان کی تعیین ہوتی ہے۔

غیر مستحکم راوی کی حدیث کا حکم

مجہول الاسم راوی کی حدیث قابل قبول نہیں ہے کیوں کہ جب اس کا نام ہی معلوم نہیں تو اس کا عادل یا غیر عادل ہونا کیسے معلوم ہوگا البتہ اگر مبہم صحابی ہو تو اس کی وجہ سے حدیث متاثر نہیں ہوگی، کیوں کہ صحابہ سب عادل اور ثقہ ہیں۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اصحابی کالنجوم فباہم اقتدیتم اہتدیتم“ کہ میرے تمام ہی صحابہ مثل نجوم ہیں، جس کی بھی اقتدا کر لو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

فائدہ: یہ قول محدثین کے یہاں ہی ہے کہ اپنے والدین پر بھی جرح کرتے تھے، علی ابن مدنی سے پوچھا کہ تمہارے باپ کیسے ہیں تو فرمایا کہ ضعیف ہیں۔

ابہام کرنے والے کی تعدیل کا حکم

اگر سند میں مبہم راوی لفظ تعدیل کے ساتھ آجائے مثلاً اخبرنی عدلاً یا حدثنی ثقةً جیسا لفظ بولا جائے تو اس کے قبول اور عدم قبول میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبة میں تین قول بیان کئے ہیں:

(۱) اصح مذہب یہ ہے کہ مبہم کی تعدیل قابل قبول نہیں کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ قائل کے خیال میں عادل ہو مگر واقعہً عادل نہ ہو، لیکن اگر تعدیل کرنے والا ماہر فن ائمہ نقاد حدیث میں سے ہے تو وہ تعدیل معتبر ہے۔

(۲) مبہم کی تعدیل مطلقاً قبول ہے۔

(۳) مبہم کی تعدیل کرنے والا عالم اور مجتہد ہے تو اس کی تقلید کرنے والوں کے حق میں تعدیل کافی ہے۔

(۴) حافظ ابن حجرؒ کے ذکر کردہ تین اقوال کے علاوہ اس مسئلہ میں چوتھا قول یہ ہے کہ اخبرنی ثقةً کہنے والا راوی اگر صرف ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہے تو اس کی یہ تعدیل قبول ہوگی اور وہ حدیث معتبر ہوگی۔

غیر معروف نام لینے کی وجہ سے جہالت: کبھی راوی اسلئے مجہول ہوتا ہے کہ سند حدیث میں اسکا غیر معروف نام لیا جاتا ہے یعنی راوی کیلئے علم، کنیت، لقب، صفت، پیشہ، نسبت اور عہدہ وغیرہ متعدد الفاظ بولے جاتے ہیں اور وہ انہیں سے کسی ایک لفظ سے مشہور ہوتا ہے لہذا جب اسکو کسی غیر معروف نام سے یاد کیا جاتا ہے تو وہ پہچانا نہیں جاتا مثلاً صدیق اکبرؓ کا

تذکرہ عبد اللہ بن عثمان سے کیا جائے یا حضرت ابو ہریرہؓ کا تذکرہ عبد الرحمن بن صخر سے کیا جائے تو بہت کم لوگ پہچان سکیں گے۔ محدثین نے ایسے مبہم راویوں کی وضاحت کیلئے موضحات نامی کتابیں لکھی ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کون سا راوی ہے اور کس درجہ کا ہے۔

غیر معروف التسمیہ راوی کی حدیث کا حکم

وضاحت کے بعد اگر معلوم ہو جائے کہ وہ راوی ثقہ ہے تو اس کی حدیث معتبر ہے اور یہ پتہ چلے کہ وہ راوی ضعیف ہے تو اس کی حدیث غیر معتبر ہے نیز اگر کتب موضحات سے کچھ پتہ نہ چلے تو وہ حدیث غیر معتبر ہوگی۔

قلیل الحدیث ہونے کی وجہ سے جہالت

کبھی راوی اس لئے مجہول ہوتا ہے کہ اس سے بہت کم روایات مروی ہوتی ہیں اس وجہ سے اس سے اخذ و استفادہ کرنے والے تلامذہ بہت کم ہوتے ہیں اور اس سے عام واقفیت نہیں ہوتی ایسے راوی کا اگرچہ نام لیا جائے تاہم وہ پہچانا نہیں جائے گا ایسے مبہم رواۃ کو پہچاننے کے لئے محدثین نے ”وحدان“ نام کتابیں لکھی ہیں (وحدان کے معنی ہیں ایک شاعر و اے یا ایک حدیث والے رواۃ) جن سے ایسے رواۃ کا حال معلوم ہوتا ہے۔

قلیل الحدیث مجہول رواۃ کے اقسام

پھر ایسے مجہول رواۃ (جو قلیل الروایۃ ہیں) کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مجہول العین، (۲) مجہول الحال۔

ملاحظہ: مجہول الحال کے لئے عام طور سے مستور کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور مجہول

العین کے لئے مجہول کا لفظ بولا جاتا ہے۔

(۱) **مجہول العین:** وہ قلیل الحدیث راوی ہے جس سے نام لے کر صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہو۔

مجہول العین راوی کی روایت کا حکم

مجہول العین راوی کی حدیث قابل قبول نہیں ہے لیکن اگر انہ جرح و تعدیل میں سے کسی نے اس کی توثیق کی ہو تو پھر وہ قابل قبول ہوگی یا اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو اور وہ ہمیشہ ثقہ ہی سے روایت کرتا ہو تو وہ حدیث مقبول ہوگی۔

(۲) **مجہول الحال:** وہ قلیل الحدیث راوی ہے جس سے نام لے کر ایک سے زائد راویوں نے روایت کی ہو مگر کسی امام نے اس کی توثیق نہ کی ہو۔
مجہول الحال یعنی مستور کی حدیث کا حکم

امام ابو حنیفہؒ، ابن حبانؒ، حماد بن ابی سفیانؒ کے نزدیک مستور کی روایت معتبر ہے، ان حضرات کا ارشاد ہے کہ ہم اپنی ناواقفیت کی وجہ سے مجہول الحال کی حدیث کو رد نہیں کریں گے مگر یہ کہ ہم کو اس کا نقص معلوم ہو جائے اور جمہور محدثین کی رائے یہ ہے کہ مجہول الحال (مستور) کی حدیث مقبول نہیں ہے وہ اسی وقت قبول کرتے ہیں جب راوی کا ثقہ ہونا متحقق ہو جائے اور مستور کا حال مخفی ہے لہذا اس کی روایت مقبول نہ ہوگی۔ (تحفۃ الدرر: ص ۴۰-۴۲)

(۵) **بدعت:** عدالت سے متعلق اسباب طعن میں سے پانچواں سبب بدعت ہے۔ بدعت سے مراد بدعتیہ گئی، گمراہ کن خیالات اور فرق ضالہ کے عقائد کا حامل ہونا ہے یعنی دین میں معروف اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول عقائد

کے خلاف کسی نئی چیز کو عقیدہ اور نظریہ بنالینا جو دلیل میں کسی طرح کے شبہ یا نامناسب تاویل سے عناد اور انکار کی راہ سے نہ ہو کیوں کہ شریعت کا انکار کفر ہے۔

بدعت کے اقسام

بدعت کی دو قسمیں ہیں: (۱) بدعت مکفرہ (۲) بدعت مفسدہ

(۱) **بدعت مکفرہ:** ایسی بدعت جس کی بنا پر پوری امت قواعد شرع کے لحاظ سے کافر ٹھہرے جیسے غالی روافض کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات سے متعلق حلول کا عقیدہ رکھنا یا قیامت کے بعد دوبارہ آنے کا عقیدہ رکھنا یا قرآن کریم میں تحریف کا قائل ہونا، یا قادیانیوں کا ختم نبوت کا انکار کرنا وغیرہ اس نوع کی بدعت کو بدعت کبریٰ کہتے ہیں۔

(۲) **بدعت مفسدہ:** ایسی بدعت جس کی وجہ سے بدعتی فاسق قرار دیا جائے جیسے عام عقائد بدعیہ اور خیالات فاسدہ مثلاً خوارج، معتزلہ وغیرہ کے نظریات و خیالات، اس نوع کی بدعت کو بدعت صغریٰ کہتے ہیں۔

بدعتی کی حدیث کا حکم

بدعت مکفرہ یعنی بدعت کبریٰ کے حامل شخص کی روایت مقبول نہیں ہے۔ اور بدعت مفسدہ یعنی بدعت صغریٰ کے حامل شخص کی روایت کے قبول ہونے نہ ہونے میں محدثین و فقہاء کے پارا قوال ہیں:

(۱) جمہور محدثین و فقہاء کے نزدیک بدعتی کی حدیث مطلقاً غیر مقبول ہے۔ محمد بن حنفیہ، امام مالک اور ان کے متبعین، قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہ حضرات کا یہی مذہب ہے۔

(۲) بعض فقہاء و محدثین کے نزدیک اگر مبتدع صادق القول ہو کذب و افتراء

سے زبان کو محفوظ رکھنے والا ہو تو اس کی روایت مقبول ہے ورنہ مقبول نہیں ہے۔

(۳) بعض محدثین و فقہاء کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر بدعتی شخص ایسے امر شرعی کا منکر ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور اس کا دین سے ہونا بالبداہت معلوم ہے اور وہ اس درجہ شائع اور ذائع ہے کہ اس کا علم دائرہ عوام تک پھیل گیا ہے تو اس کی روایت مردود ہے، کیوں کہ ایسا بدعتی تمام اہل اسلام کے نزدیک کافر ہے اور کافر کی روایت مقبول نہیں ہے اور اگر وہ راوی اس طرح کے امور کا منکر نہیں ہے اور ساتھ ہی حفظ و ضبط، ورع و تقویٰ وغیرہ صفات سے متصف ہے تو اس کی روایت مقبول ہے اگرچہ مخالفین نے اس کی تکفیر کی ہو کیوں کہ ایسے مبتدع کی تکفیر جمہور امت کے قاعدہ کے لحاظ سے درست نہیں ہے لہذا اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۴) مختار قول یہ ہے کہ اگر بدعتی اپنی بدعت کا مروج اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتا ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی اور اگر وہ داعی نہیں ہے اور نہ اس کی روایت سے بظاہر اس کے مذہب کی تائید و تقویت ہو رہی ہے تو صدق و عدالت کے ساتھ متصف ہونے کی صورت میں اس کی روایت مقبول ہوگی۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعتی کی حدیث درج ذیل شرطوں کے ساتھ قبول کی جاسکتی ہے:

(۱) جو امر شرعی متواتر طریق سے ثابت ہے اور امور دینیہ ضروریہ میں شامل ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ بدعتی عملایا اعتقاد اس کا منکر نہ ہو۔

(۲) بدعتی شخص گمراہ عقائد کا حامل ہونے کے علاوہ ثقاہت کے تمام صفات اس میں موجود ہوں۔

(۳) اپنے غلط مذہب کی تقویت کے لئے قرآن و حدیث میں تحریف نہ کرتا ہو۔

(۴) جھوٹ کو جائز نہ سمجھتا ہو۔

(۵) اس کی روایت کردہ حدیث سے اس کی غلط نظریات کی تائید نہ ہوتی ہو۔

صاحب جامع الاصول ابن جزری محدث کا کلام

شیخ محدث دہلوی بطور خلاصہ ایک بات بیان کر کے ابن اثیر جزری کے کلام پر بات مکمل کر رہے ہیں فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اہل بدعت اور گمراہ کن فرقوں سے اخذ حدیث کے سلسلہ میں انہی حدیث کا اختلاف رہا ہے۔

صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں

کہ محدثین کی ایک جماعت نے خوارج، اہل تشیع، قدریہ اور روافض اور دیگر اہل بدعت سے احادیث نقل فرمائی ہیں لیکن احادیث نقل کرنے سے پہلے خوب جانچ پڑتال اور تحقیق کی ہے ان کا مقصد ہے کہ احادیث نبویہ تمام کی تمام مدون ہو جائیں اور ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائیں ان حضرات نے حدیث رسول کی تحصیل و اشاعت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا اور بلاشبہ یہ محمودیت ہے اور محدثین کی دوسری جماعت نے مذکورہ فرقہ کے لوگوں کی حدیث کو قبول کرنے سے پرہیز کیا ہے ان کے پیش نظر بدعتی کی توقیر اور عزت افزائی سے بچنا ہے اور غایت احتیاط سے کام لیا ہے ان کی یہ کوشش بھی قابل قدر ہے لیکن شیخ محدث دہلوی کی رائے یہ ہے کہ احتیاط ان لوگوں کی احادیث قبول نہ کرنے میں ہے کیوں کہ یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت کے لئے فرق ضالہ کے لوگ احادیث گھڑ لیتے تھے اور توبہ و رجوع کے بعد انہوں نے اس کا اقرار بھی کیا ہے۔

ضبط سے متعلق اسباب طعن کا بیان

ضبط سے متعلق اسباب طعن پانچ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے عدالت پانچ وجوہ سے خراب ہو جاتی ہے، اسی طرح ضبط جو حدیث صحیح کے لئے ضروری ہے، اس کی بیماری کی بھی پانچ وجہیں ہیں:

(۱) فرط غفلت، (۲) کثرت غلط، (۳) مخالفت ثقات، (۴) وہم، (۵) سوء حفظ

(۱) **فرط غفلت**: بہت زیادہ غفلت، یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جو حدیث کے اتقان یعنی خوب اچھی طرح محفوظ کرنے سے اکثر غفلت برتتا ہو، جس راوی میں یہ عیب ہوتا ہے اسے کثیر الغفلت کہتے ہیں۔

(۲) **کثرت غلط**: یعنی اغلاط کی بہتات، یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جس کی غلط بیانی صحت بیانی سے زیادہ ہو۔ جس راوی میں یہ عیب ہوتا ہے اسے کثیر الغلط کہتے ہیں۔

فائدہ (۱): کثیر الغفلت اور کثیر الغلط دونوں قسم کے رواقہ کی روایات اصطلاح محدثین میں منکر کہلاتی ہے۔

فائدہ (۲): ان دونوں میں اعتباری فرق یہ ہے کہ کثرت غفلت کاشکار انسان حدیث کے سننے کے وقت ہوتا ہے، اور کثرت غلط کاشکار بیان کرنے کے وقت ہوتا ہے۔

(۳) **مخالفت ثقات**: ضبط سے متعلق اسباب طعن میں سے تیسرا سبب مخالفت ثقات ہے۔

مخالفت ثقات سے مراد کسی راوی کی روایت کا اپنے سے اولیٰ اور رائج کی روایت کے خلاف منقول ہونا ہے یہ عموماً سند میں ہوتا ہے اور کبھی متن میں بھی واقع ہوتا ہے۔ یہ اختلاف کبھی سند اور متن دونوں میں قدح اور عیب پیدا کرتا ہے اور کبھی سند کو عیب دار بناتا ہے

متن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ پھر اس اختلاف کی متعدد اقسام ہیں:

- (۱) اگر سیاق سند کے بدل جانے کی وجہ سے اختلاف ہو تو اس کا نام مدرجۃ الاسناد ہے۔
- (۲) اگر حدیث موقوف کو مرفوع میں داخل کرنے کی وجہ سے ہو تو اس کا نام مدرجۃ المعنی ہے۔

(۳) اگر تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اختلاف ہو تو اس کا نام مقلوب ہے۔

(۴) کسی راوی کے بڑھ جانے کی وجہ سے ہو تو اس کا نام مزید فی متصل الاسانید ہے۔

(۵) کسی راوی کے بدل جانے کی وجہ سے اختلاف ہو اور کوئی وجہ ترجیح نہ ہو تو اس کا

نام مضطرب ہے۔

(۶) اگر سیاق سند باقی رہتے ہوئے حروف بدل جانے کی وجہ سے اختلاف ہو تو اس

کا نام مصحف اور مخرف ہے۔

(۷) اگر اختلاف کی صورت یہ ہو کہ کوئی ثقہ راوی اپنے سے اوثق کی مخالفت کر رہا

ہے تو ثقہ کی روایت شاذ اور اوثق کی روایت محفوظ ہے۔

(۸) اگر ضعیف راوی ثقہ کے خلاف روایت کرے تو ضعیف کی روایت منکر اور اس

کے مخالف روایت کا نام معروف ہے۔

مخالفت ثقات کو ضبط سے متعلق اسباب طعن میں شمار کرنے کی وجہ

مخالفت ثقات کو ضبط سے متعلق اسباب طعن میں ایک سبب قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ

راوی کی جانب سے ثقات کی مخالفت حفظ و ضبط کی کمی اور تغیر و تبدل سے محفوظ نہ رہنے کی وجہ

سے ہے۔

(۴) وہم: ضبط سے متعلق اسباب میں چوتھا سبب وہم ہے۔

جس وہم وفسیان کی وجہ سے راوی نے غلطی کی اور وہم کے طریقہ سے حدیث بیان کر دی تو راوی کو اس غلطی پر ایسے قرائن سے جو جوہر علل اور اسباب قاذح پر دالت کرتے ہیں اطلاع ہو جائے تو اس راوی کی حدیث کا نام معطل ہے۔

وہم کی شناخت: راوی کے وہم کی معرفت علوم حدیث کا نہایت دقیق اور غامض فن ہے اس کی شناخت کا کام وہی کر سکتا ہے جس کو وسیع علم و فہم ذہن ثاقب، حفظ کامل اور معرفت تامہ عطا ہوئی ہو، رواۃ کے مراتب اور اسانید و متون کی پہچان کا خاص ملکہ اسے حاصل ہو جیسے متقدمین علماء میں وہ لوگ جو اس فن کے ماہر تھے حتیٰ کہ یہ سلسلہ امام دارقطنی پر ختم ہو گیا۔ مشہور ہے کہ علل حدیث میں امام دارقطنی کا ہم پایہ ان کے بعد پیدا نہیں ہوا۔

(۵) **سوء حفظ:** ضبط سے متعلق اسباب طعن میں سے پانچواں سبب سوء حفظ ہے۔ سوء حفظ کے معنی ہیں یادداشت کی خرابی، یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جس کی غلط بیانی حافظہ کی خرابی کی وجہ سے صحت بیان سے زائد یا برابر ہو، سوء حفظ کی مذکورہ تعریف سے سنی الحفظ راوی کثیر الغفلت راوی کے بظاہر مساوی ہو جاتا ہے کیوں کہ بعینہ یہی تعریف فرط غفلت اور کثیر الغلط کی بھی ہے، حالانکہ فرط غفلت اور کثیر الغلط کا طعن سنی الحفظ کے طعن سے انتہائی سخت اور شدید ہے لیکن محدث دہلوی نے ان تینوں اصطلاحات میں یکسانیت کے باوجود فرق اعتباری ثابت کیا ہے اس طریقہ پر کہ فرط غفلت کا تعلق شیخ سے حدیث کے اخذ و سماع سے ہے یعنی سماع میں تساہل اور سستی کی وجہ سے اغماط کی کثرت ہو گئی ورنہ اس کا حافظہ قوی تھا اور کثرت غلط حدیث کے نقل و بیان سے متعلق ہے یعنی تساہل یا ضعف حافظہ کی وجہ سے کثرت سے غلطیاں کرتا ہے اور سوء حفظ ان دونوں سے عام ہے یعنی غفلت یا قصور ضبط کی بناء پر سنی الحفظ راوی سے جو غلطیاں وجود پذیر ہوتی ہیں وہ الگ الگ تو اس کی اصابت اور صحت بیان سے کم ہیں مگر دونوں قسم کی مجموعی غلطیاں اس کی اصابت سے زائد یا مساوی ہیں۔

سوء حفظ کی اقسام

سوء حفظ کی دو قسمیں ہیں: سوء حفظ لازم اور سوء حفظ طاری

سوء حفظ لازم: وہ ہے جو ہمیشہ اور ہر حال میں رہتا ہو ایسے راوی کی حدیث کو (ایک قول کے مطابق) شاذ کہا جاتا ہے تو گویا شاذ حدیث سنی الحفظ کی روایت ہوئی اور منکر حدیث کثیر الغلط، کثیر الفاسق کی روایت ہوئی۔

سوء حفظ طاری: وہ ہے جو بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے پیش آ گیا ہو مثلاً وہ کتابیں جن سے راوی روایت کرتا تھا تلف ہو گئیں یا راوی نابینا ہو گیا جس کی وجہ سے کتابیں نہیں دیکھ سکتا یا قدرتی عوامل کی وجہ سے یادداشت میں کمی آ گئی تو ایسے راوی کا نام مخطط (بکسر اللام) ہے اور ایسے راوی کی حدیث کا نام مخطط (فتح اللام) ہے۔

سنی الحفظ کا حکم

اگر پوری عمر کے تمام اوقات میں سوء حفظ کسی راوی کے ساتھ لازم ہے تو ایسے شخص کی حدیث معتبر نہ ہوگی۔

مخطط راوی کی حدیث کا حکم

اختلاط و اختال سے قبل اس راوی نے جو روایتیں بیان کی ہیں اگر وہ اختلاط کے بعد بیان کردہ روایات سے ممتاز اور الگ ہیں تو اختلاط سے پہلے کی روایات مقبول ہوں گی اور اختلاط کے بعد کی روایات مقبول نہ ہوں گی۔ اور اگر دونوں زمانے کی روایات میں امتیاز نہیں ہے تو ان کے قبول اور عدم قبول میں توقف کیا جائے گا، حصول علم کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے گا،

اسی طرح جس راوی کے اختلاط اور عدم اختلاط میں اشعبہ پیدا ہو گیا تو اس کی احادیث میں توقف کیا جائے گا۔

فائدہ: اگر سنی الحفظ راوی کے متابعات اور شواہد مل جائیں تو اس کی روایت درجہ درجہ سے ترقی کر کے درجہ قبول و رجحان میں پہنچی جائے گی یہی حکم حدیث مستور، حدیث مدلس اور حدیث مرسل کا بھی ہے کہ ان کے متابعات اور شواہد حاصل ہو جانے کی صورت میں مقبول ہوں گی۔

حدیث صحیح کی اقسام

حدیث صحیح کی پانچ قسمیں ہیں: غریب، عزیز، مشہور، متواتر

حدیث غریب: وہ حدیث ہے جس کی صرف ایک سند ہو یعنی اس حدیث کا راوی صرف ایک ہو خواہ ہر طبقہ میں ایک ہی ایک ہو یا کسی طبقہ میں ایک سے زائد بھی ہو گیا ہو۔

حدیث عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی دو ہوں خواہ ہر طبقہ میں دو ہی دو ہوں یا کسی طبقہ میں دو سے زائد بھی ہو گئے ہوں مگر کسی طبقہ میں دو سے کم نہ ہوں۔

حدیث مشہور: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں دو سے زائد ہوں مگر تواتر کی تعداد سے کم ہوں یا اس سے علم یقینی بدیہی حاصل نہ ہو۔

حدیث مشہور کی دوسری تعریف: عرف عام میں حدیث مشہور وہ حدیث ہے جو لوگوں کی زبان پر مشہور ہو خواہ اس کی سند غریب ہو یا بالکل بے سند ہو اس موضوع پر امام سخاویؒ کی کتاب ”المقاصد الحسنۃ فی کثیر من الاحادیث الدائرة علی اللسنة“ اور علامہ عجلونی کی ”کشف الخفاء“ و ”مزیل الباس“ عمدہ کتابیں ہیں۔

حدیث مستفیض: حدیث مشہور ہی کا دوسرا نام حدیث مستفیض ہے۔

دوسری تعریف: بعض حضرات نے اتنی قید کا اضافہ کیا ہے کہ ہر طبقہ میں راویوں کی تعداد یکساں ہو کسی طبقہ میں کم یا زائد نہ ہو مثلاً سند کی ابتداء میں راویوں کی تعداد چار ہے تو آخر تک ہر طبقہ میں چار ہی رہی ہو کم و بیش نہ ہوئی ہو۔

دونوں تعریفوں کے مابین نسبت

پہلی رائے کے اعتبار سے حدیث مشہور اور مستفیض کے درمیان تساوی کی نسبت ہے اور دوسری تعریف کے اعتبار سے دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے مشہور عام اور مستفیض خاص ہے۔

وجہ تسمیہ: مشہور بمعنی شہرت یافتہ، شہریشہر شہرہ (ف) سے مشتق ہے چوں کہ علماء حدیث کے نزدیک اس نوع کی حدیث شائع اور واضح ہوتی ہے اس لئے اس کو مشہور کہتے ہیں اور مستفیض استفادہ سے مشتق ہے جس کے معنی بنے اور پھیلنے کے ہیں مشہور اور مستفیض میں معنوی مناسبت ظاہر ہے۔

حدیث متواتر: وہ حدیث ہے جس کی سندیں بکثرت ہوں اور کثرت کے لئے کوئی تعداد متعین نہیں ہے۔

شرائط تواتر: تواتر کے لئے پانچ شرطیں ہیں: (۱) سندوں کی کثرت، (۲) رواۃ کی تعداد اتنی ہو کہ ان سب کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا یا اتفاقاً ان سے جھوٹ کا صادر ہونا محال ہو، (۳) سند کی ابتداء سے انتہاء تک ہر طبقہ میں رواۃ کی یہ کثرت باقی رہی ہو، (۴) روایت کا منتہی کوئی امر حسی ہو یعنی آخری راوی کسی بات کا سننا یا کسی کام کا دیکھنا بیان کرے، (۵) ان رواۃ کی خبر سے سامع کو علم یقینی حاصل ہوا ہو۔

نوٹ: اس آخری شرط کو بعض لوگوں نے متواتر کا فائدہ کہا ہے۔

متواتر کا فائدہ: جب تواتر کی تمام شرطیں پائی جائیں گی تو اس حدیث متواتر سے علم یقینی بدیہی کا فائدہ حاصل ہوگا، نیز حدیث متواتر کا منکر کافر ہے البتہ مشہور، عزیز، غریب ظنی الثبوت ہیں ان سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے البتہ خبر مشہور افادہ علم میں عزیز اور غریب سے فائق ہے۔

تنبیہ: اگر تواتر کی تمام شرائط کے پائے جانے کے باوجود کسی خاص مانع سے علم یقینی بدیہی حاصل نہ ہو تو وہ حدیث متواتر نہیں ہے بلکہ اس کو مشہور کہیں گے۔

تواتر کی تعداد: خبر متواتر کے راویوں کی تعداد میں بہت زیادہ اختلاف ہے بعض نے چار بعض نے پانچ، بعض نے بارہ، بعض نے چالیس، بعض نے ستر بیان فرمائی ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ کوئی تعداد متعین نہیں ہے بلکہ حسب موقع اتنی کثرت ہونی چاہئے کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہو نایا اتفاقاً جھوٹ کا صادر ہونا محال ہو۔

حدیث غریب کا دوسرا نام اور اس کے اقسام

حدیث غریب کا دوسرا نام حدیث فرد ہے پھر حدیث فرد کی دو قسمیں ہیں: فرد مطلق، فرد نسبی۔

فرد مطلق: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع میں یعنی طبقہ تابعین میں غرابت ہو اس طرح سے کہ ایک ہی تابعی اس حدیث کو روایت کرتے ہوں اور پھر آگے جا کر راوی متعدد ہو گئے ہوں یا آخر تک اس حدیث کا راوی ایک ہی رہا ہو۔

تنبیہ: صحابی کا تفرد مضر نہیں ہے اگر کسی حدیث کے راوی ایک صحابی ہوں تو وہ غریب نہیں کہلائے گی۔

فرد نسبی: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع میں تو غرابت نہ ہو البتہ وسط

سند یا آخر سند میں غرابت ہو یہ غرابت کسی خاص صفت کے اعتبار سے ہوتی ہے مثلاً کسی استاذ سے کسی حدیث کے متعدد راوی ہیں مگر ان میں سے ثقہ صرف ایک ہی ہے یا کسی خاص محدث سے روایت کرنے والا ایک ہی راوی ہے تو یہ راوی کی ثقاہت کے اعتبار سے اور معین استاذ سے روایت کرنے کے اعتبار سے غرابت ہے اس لئے اس کو فرد نہی کہا جاتا ہے۔

تنبیہ: نسبی میں یا نسبی ہے یعنی اس کا فرد بالنسبۃ الی شیء آخر ہے۔

غریب اور فرد میں فرق

لغت کے اعتبار سے تو غریب اور فرد دونوں لفظ مترادف ہیں مگر عام طور سے فرد کا لفظ ”فرد مطلق“ کے لئے استعمال کرتے ہیں فرد نسبی کے لئے فرد کا لفظ بہت کم استعمال کرتے ہیں البتہ غریب کا لفظ زیادہ تر فرد نسبی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

یہ فرق صرف لفظ فرد اور لفظ غریب کے استعمال میں ہے ان کے مشتقات کے استعمال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں ہی کے لئے تفرد بہ فلان اور اغرب بہ فلان استعمال کرتے ہیں۔

غرابت کا صحت کے ساتھ اجتماع

غرابت کا صحت کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے یا نہیں یعنی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے عزیز ہونا ضروری ہے یا حدیث غریب بھی صحیح ہو سکتی ہے اس سلسلہ میں علماء حدیث کا اختلاف ہے۔

امام حاکم صاحب مستدرک اور معز لہ میں سے ابو علی جبائی کی رائے یہ ہے کہ حدیث کے لئے عزیز ہونا ضروری ہے یعنی اس کی سند میں ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہونا حدیث کے

صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔

جمہور محدثین کی رائے یہ ہے حدیث کے صحیح ہونے کے لئے عزیز ہونا شرط نہیں ہے بلکہ حدیث غریب بھی صحیح ہو سکتی ہے، جب اس کے اندر صحت کے شرائط پائے جائیں، کیوں کہ حدیث صحیح میں تعدد رواۃ کی شرط نہیں ہے، محدث دہلوی اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں، اسی وجہ سے دوسرے مذاہب کی تردید فرمائی ہے۔

غریب اور شاذ کا استعمال

غریب کبھی شاذ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی وہ حدیث جس کو راوی ثقہ کے مخالف نقل کرے صاحب مصابح السنہ امام بغوی کتاب مصابح السنہ میں جب بطور طعن کسی حدیث کے بارے میں ہذا حدیث غریب کہیں تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے اور ثقہ کی روایت کے خلاف ہے۔ اس طرح شاذ بھی غریب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس صورت میں شاذ کے معنی ہوں گے جس کا راوی متفرد ہو ثقات کی مخالفت کا اس میں لحاظ نہیں ہوتا اس تفسیر کے اعتبار سے حدیث شاذ صحت کے منافی نہیں ہوگی۔

ضعیف اور صحیح کے درجات کا بیان

حدیث ضعیف کی تعریف: حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حدیث صحیح یا حدیث حسن میں اعتبار کردہ بعض یا کل شرائط مفقود ہوں اور اس کا راوی شذوذ، نکارت اور علت کے ساتھ مطعون ہو۔

تیسری فصل کے اندر حدیث صحیح لذاتہ، حدیث صحیح لغیرہ، حدیث حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور حدیث ضعیف کی تعریفات بیان ہو چکی ہیں اس فصل میں تعریفات بیان کرنا مقصود

نہیں ہے۔ یہاں حدیث ضعیف کی تعریف ضمنی طور سے بیان ہوئی ہے، چونکہ حدیث ضعیف میں ضعف کی علت اس کا شرط صحت اور حسن سے بعد اور دوری ہے لہذا یہ بعد جس قدر زیادہ ہوگا، اسی قدر ضعف میں زیادتی ہوگی مثلاً کسی حدیث میں صحت کی ایک شرط منقود ہے تو اس میں ایک درجہ ضعف ہوگا اور اگر بیک وقت دو شرطیں منقود ہوں تو دو درجہ ضعف ہوگا اسی طرح جس میں تین یا چار شرائط منقود ہوں تو اس حدیث میں تین یا چار درجہ ضعف ہوگا لہذا ایک شرط یا بیک وقت متعدد شرائط کے فقدان کے اعتبار سے حدیث ضعیف کے درجات مختلف ہو جائیں گے اور اس تفاوت درجات کے لحاظ سے حدیث ضعیف کی متعدد اقسام ہو جائیں گی۔ بعض محدثین نے امکان عقلی کے طور سے ایک سو اکیس اور امکان وجودی کے اعتبار سے اکیاسی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

تفصیل کے لئے مطوعات تدریب الراوی وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔

حدیث صحیح و حدیث حسن کے مراتب اور درجات

جس طرح حدیث ضعیف میں صفات صحت کے انفرادی اور اجتماعی فقدان کے اعتبار سے مراتب ضعف میں تفاوت ہو جاتا ہے، اسی طرح حدیث صحیح و حدیث حسن کی صفات عدالت و ضبط وغیرہ کی قوت میں تفاوت کی وجہ سے حدیث صحیح کے مراتب بھی متفاوت ہو جائیں گے۔

جن رواۃ میں صفت عدالت اور صفت ضبط اعلیٰ درجہ کی ہوگی اس کی حدیث اعلیٰ قرار دی جائے گی اور اگر اوصاف کچھ کم تر ہیں تو اس کا رتبہ کم ہوگا اگرچہ صحت و حسن میں دونوں مشترک ہوں گی۔

حضرات محدثین نے ان مراتب و درجات کو متعین اور محفوظ کیا ہے اور سندوں سے

ان کی امثلہ پیش فرمائی ہیں۔

اصح الاسانید

کسی معین اور خاص سند پر اصح الاسانید (صحیح ترین سند) کا حکم لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

محدثین کا رائج اور مختار قول یہی ہے کہ کسی خاص سند کو مطلقاً اصح الاسانید قرار دینا درست نہیں ہے، البتہ صحت کا اعلیٰ درجہ ہے اس میں متعدد اسانید داخل ہیں اور اصح الاسانید قرار دینے کی دو جوہات ہیں۔

(۱) مراتب صحت میں تفاوت اور کمی بیشی کا مدار سند میں شروط صحت اور صفات قبول کے پائے جانے پر ہے اور دیگر تمام اسانید کے مقابلہ میں کسی خاص سند کے ہر فرد میں صفات قبول کا اعلیٰ درجہ میں پایا جانا دشوار اور مشکل ہے۔

(۲) اصح الاسانید کے فیصلہ کے لئے اکناف عالم میں شرقا و غرباً پھیلے ہوئے ہر زمانہ کے تمام رواۃ کے احوال کی معرفت حاصل ہونا ضروری ہے اور یہ عمومی معرفت پہلی شکل سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

-
- ۱۔ علماء کی اس سلسلہ میں تین جماعت ہیں کہ کسی سند کے بارے میں اصح الاسانید کہنا درست ہے یا نہیں۔
- (۱) مطلقاً جائز ہے۔ ابن مبین، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل، بخاری وغیرہ اسی کے قائل ہیں، اور حنفیہ ابن حجرؒ نے اہل سنت میں اسی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ رواۃ کی چھان چھک کی جا چکی ہے، اور ان کے احوال کو کتب میں مدون کر دیا گیا ہے۔ لہذا ان میں ترجیح کا معاملہ ممکن ہے۔
- (۲) مطلقاً جائز ہے۔ اس کے قائل ابن الصلاح وغیرہ ہیں اس لئے کہ ہر راوی کے ضبط و جدانت کا اس کے زمانہ کے تمام رواۃ سے موازنہ کرنا مشکل ہے۔
- (۳) اگر عقیدہ کر کے مثلاً کسی صحابی کی کسی شہر کی کسی مسئلہ کی اصح الاسانید استعمال کیا جائے تو یہ جائز ہے، ورنہ نہیں۔
- اس کے قائل ہیں حاکم اور صاحب مقدمہ وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (علیقات ارشاد: ۱/۱۱۳)
-

اصح الاسانید کے بارے میں ائمہ محدثین کے اقوال

حضرات محدثین نے مشکل کے باوجود اصح الاسانید کی تلاش و جستجو کا کام شروع کیا مگر وہ کوئی متفقہ فیصلہ نہ کر سکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق تحقیق کے مطابق کسی ایک سند کو اصح الاسانید قرار دیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل کی نظر میں اصح الاسانید زہری عن سالم عن ابن عمر عن ابیہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) علی بن المدینی اور عمرو بن علی الفلاس کی نظر میں اصح الاسانید محمد بن سیرین عن عبیدہ بن عمرو السلمانی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

(۳) امام نسائی اور حکی بن معین کی نظر میں: ابراہیم النخعی عن علقمة عن قیس عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

(۴) ابو بکر بن ابی شیبہ اور عبد الرزاق بن ہمام کی نگاہ میں: زہری عن زین العابدین علی بن الحسین عن ابیہ عن جدہ علی رضی اللہ عنہ۔

(۵) امام بخاری کی نظر میں: مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔

(۶) سلیمان بن داؤد الشافعی کی نظر میں: یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

(۷) امام کعب کی نظر میں: شعبۃ عن عمرو بن مرة عن مرة عن ابی موسیٰ

الاشعری رضی اللہ عنہ۔

(۸) امام عبد اللہ بن المبارک اور عجل کی نظر میں: سفیان الثوری عن منصور

عن ابراہیم عن علقمة عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

محدثین کے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں تفصیل کے لئے مطوعات کی طرف مراجعت فرمائیں۔

کسی خاص قید کے ساتھ اصح الاسانید کا فیصلہ

اطلاق وعموم کے بجائے کسی خاص قید کے ساتھ اصح الاسانید کا فیصلہ درست ہے۔
مثلاً: اصح الاسانید فی البلد الفلانی یا اصح الاسانید فی الباب الفلانی یا اصح
الاسانید فی المسئلة الفلانیة فلاں شہر یا فلاں باب یا فلاں مسئلہ میں اصح الاسانید یہ
سند ہے۔

فصل: امام ترمذیؒ کی عادت شریفہ کا بیان

صحاح ستہ کے مصنفین میں سے صرف امام ترمذیؒ کی یہ عادت اور امتیازی وصف ہے
کہ ہر حدیث کا درجہ متعین فرماتے ہیں اور مختلف طریقوں سے ہر حدیث پر اپنی کتاب الجامع
السنن میں فیصلہ فرماتے ہیں۔ امام ترمذیؒ کی عبارات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- (۱) هذا حديث صحيح.
- (۲) هذا حديث حسن.
- (۳) هذا حديث غريب.
- (۴) هذا حديث حسن صحيح
- (۵) هذا حديث حسن غريب.
- (۶) هذا حديث صحيح غريب.
- (۷) هذا حديث حسن صحيح غريب.

اول الذکر تین صورتوں میں صرف ایک وصف کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے، کیوں کہ ان میں صرف ایک وصف کا تذکرہ ہے اس کے معارض دوسرا کوئی وصف نہیں ہے۔

اسی طرح چھٹی صورت جہاں صحیح غریب کہہ کر صحت و غرابت کا اجتماع ہے اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کیوں کہ یہ بات جائز ہے کہ ایک حدیث کے تمام رواۃ عادل اور صاحب ضبط و اتقان ہوں اور اس حدیث کی صرف ایک ہی سند ہو تو اس طرح صحت و غرابت کا اجتماع ممکن ہے۔ نیز چوتھی صورت کے اندر صحت اور حسن کے اجتماع میں بھی کوئی شبہ اور اشکال نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ بات ممکن ہے کہ ایک حدیث صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ ہو کیوں کہ حسن لذاتہ تعدد طرق کی وجہ سے صحیح لغیرہ کے مقام تک پہنچ جاتی ہے، لیکن یہ جواب ان احادیث میں جن کی صرف ایک ہی سند ہو جاری نہ ہو گا حالانکہ اس کے بارے میں بھی ہذا حدیث حسن صحیح کہا گیا ہے۔ اس لئے بہتر جواب وہ ہے جس کی امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے تصویب فرمائی ہے اور ابن دقیق العید نے اپنی کتاب الاقتصار فی اصول الحدیث میں اس کو بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صفات قبول مثلاً صدق، حفظ، عدالت وغیرہ اس کے مختلف درجات ہیں بعض بعض سے فائق اور برتر ہیں پس ادنیٰ یعنی صدق اور عدم تہمت کا وجود اعلیٰ یعنی صدق اور حفظ کے وجود کے منافی نہیں ہے لہذا جب ادنیٰ وصف کسی حدیث میں پایا جائے تو یہ اعلیٰ کے وجود کے منافی نہیں ہے، لہذا ممکن ہے کہ ایک حدیث وصف ادنیٰ کے اعتبار سے حسن اور وصف اعلیٰ کے اعتبار سے صحیح ہو اس طرح صحیح اور حسن کا اجتماع ایک حدیث کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے اس جواب کو اقویٰ الجواب قرار دیا ہے۔ (معارف السنن: ص ۱/۲۳) اس اشکال کے اور بھی متعدد جوابات دئے گئے ہیں، تفصیل کے لئے مقدمہ فتح البہم شرح مسلم مؤلفہ علامہ شبیر احمد عثمانی کا مطالعہ کیا جائے۔

غرائب اور حسن کا اجتماع

غرائب اور حسن کے اجتماع پر محدثین نے اشکال کیا ہے خلاصہ اعتراض و اشکال یہ ہے کہ حدیث حسن کی تعریف امام ترمذی کی صراحت کے مطابق یہ ہے کہ جس کی اسانید متعدد ہوں اور حدیث غریب کہتے ہیں جس کی صرف ایک سند ہو تو ایک حدیث کے بارے میں ہذا حدیث حسن غریب کہنا بظاہر اجتماع نقیضین ہے اور دو متعارض چیزوں کو ایک ساتھ جمع کرنا ہے۔

اس اعتراض کے محدث دہلوی اور دوسرے حضرات نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔
(۱) امام ترمذی کا کسی حدیث کے بارے میں حدیث حسن کہنا دو قسم پر ہے ایک قسم یہ ہے کہ حدیث پر صرف حسن ہونے کا حکم لگایا ہو اور دوسرا کوئی حکم نہ لگایا ہو اور دوسری قسم یہ ہے کہ حسن ہونے کے ساتھ دوسرا وصف بھی ذکر کیا ہو۔ امام ترمذی جس حدیث حسن میں تعدد طرق کا لحاظ کرتے ہیں تو وہ قسم اول ہے اور جس حدیث میں حسن کے ساتھ غریب کا اجتماع ہے وہاں حدیث حسن میں تعدد طرق کا لحاظ نہیں ہے اور اس حدیث حسن کے ساتھ غرائب کا اجتماع درست ہے۔ امام ترمذی نے کتاب العلل الصغیر میں اس جانب رہنمائی فرمائی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح منہج میں بھی اس جواب کو بیان فرمایا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث متعدد اسانید سے مروی ہے اور کسی خاص سند میں ایک قسم کی غرائب ہے تو گویا بعض اسانید کے اعتبار سے وہ حدیث حسن ہے اور بعض اسانید کے اعتبار سے وہ حدیث غریب ہے گویا دو وصفوں کا اجتماع تعدد طرق کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی کے قول ”ہذا حدیث حسن غریب“ کی

تقدیر عبارت حسن و غریب ہے اور واؤ بمعنی اُو ہے اور واؤ کو مقدر ماننے اور او کو مقدر نہ ماننے کی وجہ یہ ہے کہ کلام عرب میں واؤ کا حذف درست ہے، او کا حذف درست نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک حدیث معتبر ہے لیکن وہ کسی حتمی فیصلہ تک نہ پہنچ سکے ہیں اس لئے بطریق شک اور تردد حسن غریب کہتے ہیں لیکن یہ جواب بیکد کزور اور ضعیف ہے کیوں کہ اس قسم کا تردد امام ترمذی جیسے محدث کی جانب سے بعید از عقل و قیاس ہے۔ پھر اس قسم کی بات کسی ایک جگہ ممکن ہے حالانکہ امام ترمذی نے بکثرت روایات میں یہ بات بیان کی ہے اور تمام روایات میں اس طرح کا تردد اور بھی زیادہ بعید ہے۔

(۴) اس جگہ امام ترمذی کے کلام میں حسن سے مراد معنی اصطلاحی نہیں ہے بلکہ معنی لغوی مراد ہیں یعنی جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو۔ اور حسن بالمعنی اللغوی اور حدیث غریب میں کوئی منافات نہیں ہے دونوں کا ایک ساتھ اجتماع درست ہے کیوں کہ حدیث اگرچہ غریب ہو مگر کلام نبوی ہونے کے وجہ سے طبیعت کا میلان اور رغبت تو اس کی جانب ہوتی ہی ہے لیکن یہ جواب متعدد وجوہ سے ضعیف اور کزور ہے۔

(۱) کزور ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ حسن محدثین کی ایک خاص اصطلاح ہے اور بغیر ضرورت شدیدہ کے ترک اصطلاح پر مداومت طبیعت سلیمہ کے خلاف ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ کلام رسول کا معنی لغوی کے اعتبار سے حسن ہونا برہوشمند کو معلوم ہے پھر اس کے حسن ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۳) تیسری کزوری یہ ہے کہ معنی لغوی کے اعتبار سے حسن کا اطلاق موضوع، ضعیف، منکر پر بھی ممکن ہے۔ حالانکہ حدیث موضوع اور منکر کو کوئی بھی حسن کہنے کا روادار نہیں ہے۔

فصل: احادیث صحیحہ، احادیث حسن اور

حدیث ضعیف سے استدلال و احتجاج کا بیان

حدیث صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ سے مسائل حلت و حرمت، صفات باری تعالیٰ اور دیگر اعتقادی احکام میں استدلال و احتجاج درست ہے تمام محدثین و فقہاء کرام کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے۔

حدیث ضعیف سے استدلال کا حکم

حالات و حرام اور اعتقادی مسائل میں احادیث ضعیفہ سے استدلال جائز نہیں ہے جمہور علماء کا مسلک یہی ہے، لیکن فضائل اعمال، استحباب، مناقب اور ترغیب و ترہیب کے ابواب میں ضعیف حدیث سے استدلال و احتجاج میں علماء محدثین کے تین قول ہیں:

(۱) امام بخاری، امام مسلم، یحییٰ بن معین، ابن العربی، ابن حزم وغیرہ کا قول یہ ہے کہ ضعیف احادیث سے مطلقاً استدلال جائز نہیں ہے نہ احکام میں نہ فضائل و مناقب میں۔

(۲) صحیح اور حسن احادیث کی غیر موجودگی میں ضعیف روایات سے استدلال بلا کسی

شرط کے درست ہے امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد کا یہی مذہب ہے۔

(۳) فضائل اعمال، مناقب اور ترغیب و ترہیب وغیرہ میں تین شرطوں کے ساتھ

ضعیف روایات سے استدلال درست ہے: (۱) اس کا ضعف قوی نہ ہو یعنی کذاب، متہم بالکذب اور کثیر الغلط راوی کی متفرد اور غریب حدیث نہ ہو (۲) اس حدیث کا مدلول و مفہوم کسی قواعد شرعیہ کے عموم میں داخل ہو۔ (۳) اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے بلکہ احتیاط کا اعتقاد رکھے تاکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسی بات کا

اعتساب لازم نہ آئے جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔

تنبیہ: پہلی شرط پر حافظ صلاح الدین علائی نے اتفاق نقل کیا ہے اور آخر الذکر دونوں شرطوں کو شیخ عز الدین بن عبد السلام اور ابن دقیق العید نے بیان کیا ہے۔

تنبیہ: جس حدیث ضعیف کا تعدد طرق سے ضعف دور ہو جائے وہ حسب تصریح ائمہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے اور اس سے مطلقاً استدال درست ہے۔ یہاں حدیث ضعیف سے مراد حدیث فرد ہے جس کی صرف ایک سند ہو اور اس کا ضعف تعدد طرق سے دور نہ ہوا ہو۔

کیا تعدد طرق سے مطلقاً حدیث ضعیف کا ضعف

دور ہو جائے گا

تعدد طرق سے مطلقاً ہر قسم کا ضعف دور نہیں ہوتا ہے بلکہ جو راوی سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف ہو یا راوی میں صدق و دیانت کے باوجود تدلیس اور اختلاط کا مرض ہو اور اس کی وجہ سے راوی کمزور ہو تو ایسا ضعف تعدد طرق سے دور ہو جائے گا اور وہ درجہ ضعف سے ترقی کر کے درجہ حسن تک پہنچ جائے گی اور اس سے استدال فضائل و احکام وغیرہ ہر جگہ درست ہے۔ لیکن اگر روایت کے اندر راوی کے کذب، اتہام بالکذب، شذوذ اور فحش غلطی کی راہ سے شذوذ آیا ہو تو وہ ضعف تعدد طرق سے زائل نہ ہوگا لیکن تعدد طرق سے منقول ہونے کی وجہ سے فضائل اعمال میں اس سے استدال درست ہے اور وہ حدیث علیٰ حالہ ضعیف ہی رہے گی حضرات محدثین کے قول ”ان لحوق الضعیف بالضعیف لا یفید قوۃ“ کا یہی مطلب ہے یعنی یہ قول مطلق نہیں ہے بلکہ جو احادیث شریفہ متروک و منکر ہیں وہ کثرت طرق سے دائرہ ضعیف سے خارج نہیں ہوں گی۔

(ماہنامہ نمبر ۲)

فصل

صحیح بخاری کی فوقیت اور احادیث صحیحہ کے درجات کا بیان

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سے کون فائق ہے؟

اس سلسلہ میں محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعاده میں چار اقوال لکھے ہیں:

(۱) بخاری شریف کی ترجیح مسلم شریف پر

(۲) مسلم شریف کی ترجیح بخاری شریف پر

(۳) دونوں کتابوں میں مساوات و یکسانیت

(۴) توقف

لیکن محدث دہلویؒ نے مقدمہ مشکوٰۃ میں صرف اول الذکر دو اقوال ذکر کرنے کے بعد

پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور دوسرے قول کی صحیح توجیہ و تاویل پیش کی ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۱ علامہ ابن حجر نے ضعیف روایت کے ضعف کو ختم کرنے کے سلسلہ میں ایک ضابطہ

ذکر کیا ہے، ابن اصلاح وغیرہ نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے، کہ متابع اور شاہد سے حدیث ضعیف کا ضعف اس وقت ختم ہوگا، جب یا تو متابع مقبول ہو یا قبول اور رد دونوں جانب اس میں برابری ہو لیکن اگر متابع میں جانب رد

غالب ہے تو اس کے ذریعہ ضعیف کا ضعف ختم نہیں ہو سکتا۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۳۸)

حافظ سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ متابع اور شاہد کے لئے نیز اصل کے لئے ثقہ اور ہم پلہ ہوا ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض

مرتب ضعیف بھی متابع ہوتا ہے اور وہی متابع ہوتا ہے، لیکن دونوں کے ملنے سے کچھ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز کبھی

ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ضعیف ہے اس کی روایت ایک راوی کے سلسلہ میں قابل اعتبار نہیں مگر دوسرے راوی کے

سلسلہ میں اس کی روایت مؤید ہو جاتی ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۲۲۴)

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کی وجوہات

(۱) امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ”الجامع الصحیح“ میں اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ جن رواۃ سے وہ حدیث نقل کرتے ہیں ان میں راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات کی شرط لگاتے ہیں جب کہ امام مسلمؒ کے نزدیک صرف معاشرت کافی ہے۔ ملاقات شرط نہیں ہے تو گویا از روئے اتصال سند کے امام بخاریؒ کی شرط سخت ہے۔

(۲) امام بخاریؒ کا درجہ فن حدیث میں امام مسلمؒ سے فائق ہے۔ اور اس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ نیز امام مسلمؒ امام بخاریؒ کے شاگرد اور فیض یافتہ ہیں۔

(۳) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی جن احادیث پر ائمہ جرح و تعدیل نے نقد اور اعتراض کیا ہے ان کی مجموعی تعداد دو سو دس (۲۱۰) ہے جن میں سے صرف بتیس (۳۲) احادیث وہ ہیں جن میں دونوں ائمہ حدیث متفق ہیں اور صرف بخاری شریف کی تنقید شدہ احادیث (۷۸) ہیں اور مسلم شریف کی تنقید شدہ احادیث کی تعداد ایک سو ہے گویا کہ امام مسلم کی احادیث تنقید شدہ زیادہ ہیں اور بخاری شریف کی کم ہیں۔

(۴) تنہا امام بخاریؒ نے جن رواۃ سے حدیث کی تخریج کی ہے ان کی تعداد پارسو چونتیس ہے جن میں سے متکلم فیہ رواۃ صرف اسی (۸۰) ہیں اور تنہا امام مسلمؒ نے جن رواۃ سے احادیث کی تخریج کی ہے ان کی تعداد چھ سو بیس (۶۲۰) ہے، ان میں سے متکلم فیہ رواۃ ایک سو ساٹھ ہیں گویا مسلم شریف کے متکلم فیہ رواۃ زیادہ ہیں۔

(۵) امام بخاریؒ کے متکلم فیہ رواۃ اکثر امام بخاریؒ کے بلا واسطہ ساتھ ہیں جن کے

۱۔ کما فی نخبة الفكر هذا بعد اتفاق العلماء علی ان البخاری کان اجل من مسلم فی العلوم و اعرف من بضاعة الحديث و ان مسلما تلميذه و خريجه. ص: ۳۰.

حالات اور ان سے روایت کردہ احادیث کی حیثیت سے وہ خوب واقف ہیں لیکن امام مسلم کے متکلم فیہ رواۃ انکے بلا واسطہ اساتذہ و شیوخ نہیں ہیں بلکہ انکے اوپر کے درجہ کے شیوخ ہیں جن کے حالات اور مقام سے امام مسلم کی اس درجہ کی واقفیت نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ محدث کی وہ روایات جن کی حیثیت کو وہ پہچانتا ہو دوسری احادیث سے مقدم ہونگی اسوجہ سے امام بخاری کی صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت حاصل ہے۔ (شرح نخبة: ۳۰، مقدمہ فتح الملہم: ۹۷)

صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح کا مسئلہ اور اس کی توجیہ

بعض علماء مغرب (علماء اندلس و اسپین وغیرہ) کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر تفوق اور برتری حاصل ہے۔

جمہور محدثین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ صحیح مسلم کی صحیح بخاری پر فوقیت اور فضیلت بیان اور ترتیب کی عمدگی اور اسانید میں دقیق اشارات اور عمدہ نکات کی رعایت کے اعتبار سے ہے حالانکہ زیر بحث یہ مسئلہ نہیں ہے لیکن صحت و قوت کے اعتبار سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے ایک عربی شاعر کہتا ہے:

تَنَازَعَ قَوْمٌ فِي الْبَخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ لَدَيْ فَقَالُوا أَيُّ ذَيْنِ يُقَدَّمُ
فَقُلْتُ لَقَدْ فَاقَ الْبَخَارِيَّ صِحَّةً كَمَا فَاقَ فِي حُسْنِ الصَّنَاعَةِ مُسْلِمٌ

متفق علیہ کی تعریف: متفق علیہ وہ حدیث کہلاتی ہے کہ جس کی تخریج پر

امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ہوں بشرطیکہ وہ ایک ہی صحابی سے مروی ہو۔

متفق علیہ احادیث کی تعداد: محدث دہلوی کی تحقیق کے مطابق متفق

علیہ احادیث کی تعداد دو ہزار تین سو چھبیس ہے لیکن بعض حضرات نے متفق علیہ احادیث کی

تعداد ایک ہزار نو سو چھ (۱۹۰۶) بیان فرمائی ہے، اور اس کقول محقق قرار دیا ہے، واللہ اعلم۔

احادیث صحیحہ کے درجات

- (۱) متفق علیہ احادیث کا درجہ سب سے مقدم ہے۔
 - (۲) پھر صحیح بخاری کی منفرد روایات کا درجہ ہے۔
 - (۳) پھر صحیح مسلم کی منفرد روایات کا درجہ ہے۔
 - (۴) پھر ان احادیث کا درجہ ہے جو بخاری و مسلم کی شرط پر ہوں۔
 - (۵) پھر وہ روایات جو صرف بخاری کی شرط پر ہوں۔
 - (۶) پھر وہ روایات جو صرف مسلم کی شرط پر ہوں۔
 - (۷) پھر وہ روایات ہیں جنہیں بخاری و مسلم کے علاوہ صحت کا التزام کرنے والے دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہو اور ان کی صحت کی صراحت کی ہو۔
- اس ترتیب کے اعتبار سے احادیث صحیحہ کی سات قسمیں ہوں گی۔
- فائدہ:** امام بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث مثلاً ابن خزیمہ، ابن حبان، امام حاکم، ابن جارود، ضیاء الدین مقدسی وغیرہ نے بھی صحت کی شرط و التزام کے ساتھ صحیح احادیث کو اپنی اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے اور اپنے علم و دانست کے مطابق صحیح احادیث نقل کی ہیں۔ ایسی کتابوں کو صحاح مجرّدہ کہا جاتا ہے اور باعتبار صحت یہ طبقہ ادنیٰ کی کتابیں ہیں۔

کیا کتب صحاح مجرّدہ میں کسی حدیث کا آنا
صحت کے لئے کافی ہے

اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

(۱) حافظ ابن صلاح کی رائے یہ ہے: مستدرک حاکم کے علاوہ کتب صحاح مجرودہ میں کسی حدیث کی تخریج ہی صحت کے لئے کافی ہے ائمہ حدیث کی جانب سے صحت کی تصریح ضروری نہیں ہے جبکہ دوسرے طبقہ کی کتابوں کے بارے میں یہ قید ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کے لئے ان کے مصنفین کی جانب سے صحت کی صراحت ضروری ہے صرف ان کتب میں حدیث کا آجانا صحت کے لئے کافی نہیں ہے۔

(۲) محدث دہلوی کی رائے یہ ہے کہ صحاح مجرودہ میں کسی حدیث کا آنا صحت کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ صاحب کتاب کی جانب سے تصحیح کی صراحت ضروری ہے چونکہ مصححین کے علاوہ دیگر صحاح مجرودہ کم و بیش ضعیف احادیث سے خالی نہیں ہیں اس لئے محدث دہلوی کے قول میں بمقابلہ ابن صلاح کے احتیاط کا پہلو زیادہ ہے۔

شرط بخاری و مسلم کی مراد

شرط بخاری و مسلم کی مراد اور مصداق کے بارے میں دو قول ہیں:

(۱) بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ صفات ہیں جن کو ان دونوں حضرات نے خاص کیفیت کے ساتھ اسناد کے رجال میں ملحوظ رکھا اور ان کا التزام کیا ہے جیسے کمال ضبط و عدالت، عدم شذوذ و نکارت وغیرہ۔

پس جو حدیث بخاری و مسلم دونوں کی سند کے مانند صحت میں ہوگی اسے صحیح علی شرط الشیخین اور جو حدیث صرف بخاری کی سند کے مانند صحت میں ہوگی اسے صحیح علی شرط البخاری اور جو حدیث صرف مسلم کی سند کے مانند صحت میں ہوگی اسے صحیح علی شرط مسلم کہا جائے گا۔

(۲) حافظ سخاوی نے امام نووی، محقق ابن دقیق العید وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

شرط بخاری و مسلم سے مراد ان کی صحیحین کی اسانید کے رجال ہیں تو جس حدیث کی سند میں صحیحین کے رجال ہوں گے اسے صحیح علی شرط الشیخین اور جس کی سند ان میں سے کسی ایک رجال پر مشتمل ہوگی اسے صحیح علی شرط البخاری یا صحیح علی شرط مسلم کہا جائیگا۔

وضاحت: شرط بخاری و مسلم کے یہ دوسرے معنی سب سے پہلے حافظ ابن صلاح نے اپنی کتاب علوم الحدیث کے مقدمہ میں بیان کئے ہیں پھر بعد کے علماء نے انہی کی پیروی کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے شرح منجہ میں اور حافظ سخاوی نے فتح المغیث شرح الفیہ میں یہی معنی مراد لئے ہیں۔ نیز امام حاکم صاحب مستدرک نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں چنانچہ وہ اس حدیث کے بارے میں (جو صحیح بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کے رواۃ پر مشتمل ہوتی ہے صحیح علی شرطہما یا علی شرط احدہما فرماتے ہیں اور اگر کسی کی مکمل سند میں یا سند کے کسی طبقہ میں صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے رواۃ نہیں ہوتے تو اس وقت صحیح الاسناد کہتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

شرط بخاری و مسلم کے دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث کی جو روایت صحیح علی شرط الشیخین ہو وہ امام بخاری و امام مسلم کی تنہا روایت کردہ احادیث بلکہ متفق علیہ روایت سے درجہ میں کم نہ ہو کیوں کہ جب خاص انہی رجال سے مروی ہے تو درجہ میں انہی کی حدیث کے مانند ہوگی۔ البتہ اگر شرط بخاری و مسلم میں ان کے رجال کی صفات کا لحاظ کیا جائے تو اس صورت میں اس حدیث کا درجہ بخاری و مسلم کی احادیث سے کم مانا جاسکتا ہے کیوں کہ دیگر ائمہ حدیث کی تحقیق و تمییز حضرات شیخین کی تحقیق کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی اس لئے ممکن ہے کہ ان کو اشعباء ہو گیا ہو اور کم درجہ کی صفات کو شیخین کی لحاظ کردہ

صفات کے مساوی سمجھ لیا ہو لیکن جب سند میں بعینہ صحیحین کے رواۃ ہوں تو پھر دونوں قسم کی احادیث میں تفاوت غیر معقول اور بے معنی ہے۔

حافظ سخاویؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ شیخین کی روایات کو علماء کی تلمی بالقبول حاصل ہے اس وجہ سے ان کی روایات کا درجہ انہی رجال سے مروی دیگر احادیث سے راجح اور فائق ہوگا یعنی دوسری کتابوں کی احادیث اگرچہ بعینہ بخاری و مسلم کے رجال پر مشتمل ہوں لیکن تلمی بالقبول نہ ہونے کی وجہ سے صحیحین کے ہم رتبہ نہیں ہو سکتی۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ تلمی بالقبول صحیحین کے مجموعہ کو حاصل ہے الگ الگ ہر ہر حدیث کو یہ تلمی حاصل نہیں ہے اس لئے اشکال اول علی حالہ قائم ہے۔ اس وجہ سے شرط بخاری و مسلم سے پہلے معنی مراد لینا ہی افضل ہے۔

رواۃ حدیث کے طبقات

- (۱) کثیر الضبط والاعتقان وکثیر الملازمۃ جیسے امام مالک اور سفیان بن عیینہ۔
- (۲) کثیر الضبط والاعتقان وقلیل الملازمۃ جیسے لیث اور ابن ابی ذؤب۔
- (۳) قلیل الضبط وکثیر الملازمۃ جیسے سفیان بن حسین۔
- (۴) قلیل الضبط وقلیل الملازمۃ۔
- (۵) ضعفاء اور مجہول رواۃ۔

بخاری شریف میں اصالتہ طبقہ اولیٰ کی روایات ہیں اور گاہے گاہے دوسرے طبقہ کی روایات بھی ضمناً قبول کر لیتے ہیں۔ مسلم شریف میں اصالتہ طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کی روایات ہیں اور ضمنی طور سے احیاناً تیسرے طبقہ کی روایات بھی لی ہیں امام نسائی اور امام ابوداؤد و طبقہ اولیٰ،

ثانیہ، ثالثہ، کی روایات قبول کرتے ہیں۔ امام ترمذی طبقہ رابعہ کی بھی روایات قبول کرتے ہیں اسی وجہ سے صحاح ستہ میں اول بخاری شریف پھر مسلم شریف، پھر نسائی شریف، ابوداؤد شریف پھر ترمذی شریف کا درجہ ہے اور آخر میں ابن ماجہ کا درجہ ہے۔

محاسن النکات: صحیح مسلم شریف کو اگر غور و خوض سے پڑھا جائے تو نکات عجیبہ کا انکشاف ہوگا مثلاً کوئی سند خراسانی ہے اس کے سارے رواۃ علماء خراسان ہیں کوئی سند کوئی ہے اس کے سارے رواۃ کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح کسی حدیث کو تابعی تابعی سے روایت کرتا ہے اور یہ بکثرت ہے اور کسی حدیث میں تین تابعی اور کسی میں چار تابعی ہیں اور بعض بعض سے روایت کرتے ہیں۔

کیا احادیث صحیحہ صحیحین میں منحصر ہیں

احادیث صحیحہ کا انحصار صحیحین میں نہیں ہے اور صحیحین کے مصنف امام بخاری و امام مسلم نے تمام احادیث صحیحہ کا استیعاب نہیں کیا ہے امام بخاری و امام مسلم کے نزدیک جو احادیث صحیحہ تھیں یا ان کی شرط کے مطابق تھیں ان کو بھی ان حضرات نے مکمل بیان نہیں کیا ہے دوسرے ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح احادیث کو اپنی کتاب میں ذکر کرنا تو دور کی بات ہے۔ البتہ اتنی بات محقق اور طے ہے کہ صحیحین میں جو احادیث ہیں وہ سب صحیح ہیں۔

احادیث صحیحہ کے صحیحین میں منحصر نہ ہونے کی دلیل

اپنے اس دعویٰ پر محدث دہلوی نے تین دلائل بیان فرمائے ہیں:

(۱) امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں صرف صحیح

احادیث بیان کی ہیں۔ اور بہت سی صحیح احادیث کو میں نے چھوڑ دیا ہے، کتاب کے طویل ہونے اور دوسری وجوہ کی بناء پر۔

(۲) امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں جو روایات بیان کی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور میرا یہ دعویٰ نہیں کہ جو روایات میں نے چھوڑی ہیں وہ ضعیف ہیں بلکہ صحیح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ میں نے چھوڑ دیا ہے۔

(۳) امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام ”مستدرک علی الصحیحین“ ہے اس کتاب میں وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جو بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک شرط کے مطابق صحیح ہیں لیکن بخاری و مسلم میں وہ احادیث موجود نہیں ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام بخاری و مسلم نے یہ فیصلہ نہیں فرمایا ہے کہ صحیحین کی روایات کے علاوہ روایات صحیحہ کا وجود نہیں ہے۔

امام بخاری و امام مسلم کا اعتراف اور امام حاکم کا صحیح احادیث کو جمع کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ احادیث صحیحہ صحیحین میں منحصر نہیں ہے۔

حاکم: اس کو کہتے ہیں جسے حدیث کے اکھوں اکھ طرق محفوظ ہوں۔

حجۃ: اسے کہیں گے جسے تین اکھ طرق معلوم ہوں۔

حافظ: اسے کہتے ہیں جسے حدیث کے ایک اکھ طرق یاد ہوں۔

۱۔ ابن الصلاح نے فرمایا ہے بخاری کی اس قول سے مراد مقاصد الکتاب و موضعه و متون الابواب دون التراجم وغیرہا ہے۔ (تعلیقات ارشاد: ۱/۱۳۰)

۲۔ حافظ، حجت، حاکم، کی اس طرح کی تعریفات نزہۃ النظر صفحہ: ۳ پر حاشیہ نمبر: ۲ میں شرح اشرح کے حوالہ سے منقول ہیں۔

حافظ: جس کا نظم ایک لاکھ احادیث کو محیط ہو۔

حجت: جس کا نظم تین لاکھ احادیث کو محیط ہو۔

حاکم: جس کا نظم تمام احادیث مرئیہ کو محیط ہو۔ مثلاً اسناد احمد حاکم و ترمذی اور ترمذی۔ (باقی ماثلاً گلے صفحہ پر)

مبتدعین کا اعتراض اور اس کا جواب

اہل بدعت کا یہ اعتراض ہے کہ احادیث صحیحہ کی تعداد دس ہزار سے زائد نہیں ہے جو ایک بڑی خامی ہے۔ لیکن امام حاکم کی مستدرک سے یہ اعتراض دور ہو گیا اور انہوں نے یہ بتا دیا کہ اس اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے کہ احادیث صحیحہ صرف صحیحین میں منحصر ہیں بلکہ صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی احادیث صحیحہ ہیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں اور ظاہر ہے کہ صحیح حدیث سے امام بخاریؒ کی مراد وہ صحیح احادیث ہیں جو امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق صحیح ہوں۔

صحیحین کی احادیث کی تعداد

محدث دہلوی نے حافظ ابن صلاح کی اتباع میں صحیح بخاریؒ کی جملہ مرویات کی تعداد

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیکن اولاً تو حاکم کا یہ حکم خصوصاً متقدمین اور متأخرین میں سے کسی پر لگ نہیں سکتا۔ کیونکہ ایسا شخص بظاہر معدوم الوجود ہے، نیز محققین علماء نے اس سلسلہ میں مختلف آراء ذکر کی ہیں جن کو مقدمہ تدریب الراوی میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور خلاصہ یہ ہے کہ حافظ وغیرہ کے القاب زمانہ وغیرہ کے تغیر سے بدلتے ہیں اور مختلف ازمہ میں مختلف صفات کے ساتھ متصف اشخاص کو حافظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نیز ہمارے دیار کے علماء عموماً (حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ صاحب مستدرک کو جو حاکم کہا جاتا ہے) یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو تمام احادیث مع سند و متن تدرج و تعدیل اور تاریخ کے یا تحفیں اس لئے ان کو حاکم کہا گیا۔

حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے کیونکہ ان کے اساتذہ میں بھی ایک ابو احمد حاکم ہیں ان کو کوئی اس درجہ کا نہیں کہتا، اور اصل بات یہ ہے کہ ان کو حاکم کہا جاتا ہے، بناءً پر ان کو تاضی بنایا گیا ہے، یہی ذکر کیا ہے، علامہ ابن خلدون نے وفیات الاعیان ۲۸۰/۲ بقولہ وانما عرف بالحاکم لتقلده القضاء رحمة اللہ علیہ۔

نیز کسی نے بھی محققین میں سے ہم نے یہ نہیں پایا کہ ان کو حاکم مذکورہ تعریف کی بناء پر کہا جاتا ہے۔

مع تکرار سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) اور بخذف تکرار چار ہزار (۴۰۰۰) بتلائی ہے۔
لیکن علامہ ابن حجرؒ نے مکمل تحقیق و تفتیش کے بعد صحیح بخاری کی جملہ مرویات کی تعداد
موقوفات اور مقطوعات کے علاوہ معلقات و متابعات کو ملا کر مع تکرار نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲)
اور بخذف تکرار دو ہزار سات سو اکٹھ (۲۷۶۱) شمار کی ہے اور اس تعداد پر اعتماد کیا جاتا ہے اور
صحیح مسلم کی کل احادیث مع تکرار دس ہزار کے قریب ہیں اور بخذف تکرار تین ہزار تیس یا تین
ہزار تینتیس ہیں۔

صحاح ستہ میں ترتیب

کتب ستہ جو مشہور ہیں اسلام میں مانی ہوئی ہیں۔ انہیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔
مراتب کے اعتبار سے صحاح ستہ میں ترتیب اس طرح ہے: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن
نسائی، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ۔

هذه الكتب الاربعة: یعنی سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ
میں صحاح، حسان، ضعاف ہر قسم کی احادیث مذکور ہیں اس پر سوال یہ ہے کہ پھر ان کتب کا
صحاح ستہ نام رکھنا کس طرح صحیح ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ تعلیماً صحاح ستہ نام رکھا گیا
ہے یعنی صحاح کو غیر صحاح پر غلبہ دے کر چاروں کتابوں کا نام صحاح رکھا گیا ہے۔ جیسے ابوین
والدین کے لئے، قمرین شمس و قمر کے لئے، عمرین ابو بکر و عمر کے لئے بواجا جاتا ہے۔ اور بعض
کے نزدیک ابن ماجہ کی جگہ مؤطا ہے، صاحب جامع الاصول علامہ ابن الاثیر نے بھی صحاح ستہ
میں مؤطا ہی کو شامل کیا ہے، بعضوں نے کہا ہے کتاب دارمی زیادہ المائق ہے کہ اس کو چھٹی
کتاب قرار دیا جائے، ابن ماجہ اور مؤطا سے چونکہ کتاب دارمی میں بڑی عالی سندیں ہیں،
اور اس میں بخاری سے بھی زیادہ ملاحظات ہیں، نیز اس کے رجال بہت کم ضعف والے اور

احادیث منکرہ اور شاذ اس میں نادرا لوجود ہیں۔

ثلاثی: وہ حدیث ہے جس میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند میں

تین واسطے ہوں۔

امام بغوی کی اصطلاح اور اس پر اعتراض

محمی السنۃ امام بغویؒ نے اپنی مشہور کتاب مصابیح السنۃ میں ہر باب کے تحت صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث درج فرمائی ہیں اور صحیحین کی روایات کو صحاح اور غیر صحیحین کی روایات کو حسان سے تعبیر کرتے ہیں ظاہر ہے کہ حسان کی تعبیر اصطلاحی نہیں ہے کیوں کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب کی تمام احادیث حسن نہیں ہیں بلکہ ان میں ہر قسم کی احادیث ہیں اب سوال یہ ہے کہ امام بغوی کی مراد کیا ہے؟ شیخ محدث دہلویؒ نے اس کے تین جوابات دیئے ہیں:

(۱) پہلا جواب ہو قریب من هذا الوجه سے دیا ہے، یعنی غیر صحیحین کی روایات کا حسان نام رکھنا تغلیب کے طور پر ہے چونکہ سنن اربعہ اور اس درجہ سے قریب کتب میں حسن درجہ کی روایت کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کو غلبہ دے کر مطلقاً تمام ہی روایات کو حسن کہہ دیا ہے گویا یہ تسمیہ الجزء باسم الكل کے قبیل سے ہے۔ احتمال کی حد تک یہ جواب درست ہے۔

(۲) دوسرا جواب قریب من المعنی اللغوی سے دیا ہے۔ یعنی تمام روایات کا مطلقاً حسان نام رکھنا معنی لغوی کے اعتبار سے ہے۔ لیکن یہ جواب غلط ہے اس لئے کہ محدثین رجال سند کی صفات کے اعتبار سے کسی حدیث کو صحیح، حسن وغیرہ کہتے ہیں الفاظ حدیث کے حسن اور خوبصورتی کے لحاظ سے یہ حکم نہیں لگاتے ہیں خود محدث دہلوی امام ترمذی کے قول ہذا

حدیث حسن کی بحث میں بعید جدا کہہ کر اس جواب کو رد کر چکے ہیں۔

(۳) تیسرا جواب اوہو اصطلاح جدید منہ سے دیا ہے یعنی امام بغوی کی یہ جدید اصطلاح ہے۔ یہی تیسرا جواب صحیح اور محقق ہے لانه لا مناقشة فی الاصطلاح۔

تعریفات

ذیل میں اجمالی نقشہ درج کیا جا رہا ہے۔ جو بہولت یاد کیا جاسکتا ہے۔

حدیث: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و تقریر کا نام حدیث ہے۔ اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قول و فعل و تقریر کا نام اسی طرح تابعی کے قول و فعل و تقریر کا نام حدیث ہے۔

حدیث مرفوع: وہ حدیث ہے جس کی سند حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔

موقوف: وہ حدیث ہے جس کی سند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تک پہنچتی ہو۔

مقطوع: وہ حدیث ہے جس کی سند تابعی تک پہنچتی ہو۔

اثر: حدیث مقطوع کا نام اثر ہے، اور اثر کبھی مرفوعات و موقوفات پر ہوا جاتا ہے۔

محدث: جو شخص سنت و احادیث کے ساتھ مشغول ہو۔

اخباری: جو تواریخ وغیرہ کی خبر اور تواریخ میں مشغول ہو۔

سند: طریق حدیث، یعنی وہ رجال جو اس حدیث کو روایت کریں۔

متن: جہاں جا کر اسناد ختم ہو جائے وہی متن ہے۔

متصل: وہ حدیث جس کی سند میں سے کوئی راوی نہ گرا ہو۔

منقطع (۱): جس کی سند میں سے کوئی راوی گر گیا ہو۔

منقطع (۲): جس حدیث کی اثناء سند سے ایک راوی یا چند جگہ سے چند راوی گزر گئے ہوں۔

معلق: جس حدیث کی اول سند سے کوئی راوی گزر گیا ہو۔

مرسل: جس حدیث میں آخر سند سے تابعی کے بعد کوئی راوی گزر جائے یعنی صحابی کے نام کا ذکر نہ ہو۔

حکم مرسل: جمہور کے نزدیک توقف ہے، چونکہ اس بات کا احتمال ہے کہ ساقط ہونے والا راوی غیر ثقہ ہو، چونکہ بعض تابعی تابعی سے روایت کر دیتے ہیں، صحابہ میں تو غیر ثقہ کا احتمال ہی نہیں لیکن تابعین میں تو ثقہ اور غیر ثقہ دونوں ہیں۔
امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مطلق مقبول ہے۔
امام شافعیؒ کے نزدیک اگر مرسل کی دوسری روایتوں سے تائید ہو تو مقبول ہے، ورنہ غیر مقبول ہے۔

امام احمدؒ کی دو روایتیں ہیں: (۱) مرسل ضعیف ہے، (۲) مرسل صحیح ہے، اور یہی رائج ہے۔
معضل: وہ حدیث جس کی سند سے ایک ہی جگہ سے دو راوی ساقط ہو جائیں۔

۱۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ مرسل کے کچھ مراتب ہیں۔

(۱) سب سے اعلیٰ مرتبہ: اس صحابی کی مرسل روایت ہے جس کا سماع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

(۲) اس کے بعد: اس صحابی کی مرسل روایت جس کی صرف روایت ثابت ہو سماع ثابت نہ ہو۔

(۳) اس کے بعد: محضر میں کی مرسل روایت

(۴) اس کے بعد: متقن حضرات مثلاً سعید بن المسیب وغیرہ کی مرسل روایت۔

(۵) اس کے بعد: متقن حضرات کے قریب قریب ان علماء کی روایات ہیں جو اپنے اساتذہ کی بہت چھان بین کر کے روایت کرتے ہیں جیسے شعبہ، مجاہد۔

(۶) اس کے بعد: ان لوگوں کی مراسل کا درجہ ہے جو کسی سے بھی روایت کر لیتے ہیں، جیسے حسن بصری۔

(تعلیقات ارشاد: ۱/۷۹)

مدلس: جس حدیث میں راوی نے مروی عنہ کا نام ذکر نہ کیا ہو۔^۱

مضطرب: وہ حدیث جس کی سند یا متن میں راویوں کا اختلاف ہو۔ تقدیم و تاخیر یا دوسری وجوہ مذکورہ کی وجہ سے۔

مدوج: جس حدیث کے متن و اسناد میں راوی نے اپنے کلام کو یا کسی صحابی یا تابعی کے کلام کو کسی غرض کی وجہ سے داخل کیا ہو۔

عنعنہ: حدیث کو عن عن بیان کرنا۔

معنعن: جس حدیث کو عن عن سے بیان کیا گیا ہو۔

مسند: اصح قول پر حدیث مرفوع متصل کا نام ہے۔

شاذ: (۱) جس حدیث کا راوی ثقہ ہو اور مخالفت کرے اپنے سے زیادہ ثقہ لوگوں کی۔

شاذ: (۲) جس حدیث کا راوی ثقہ ہو اور اس حدیث کی اصل اور موافق کوئی

حدیث نہ ہو۔

شاذ: (۳) جس حدیث کا راوی کوئی ایک رہ گیا ہو۔

مردود: وہ حدیث جس کا راوی غیر ثقہ ہو کر ثقہ لوگوں کی مخالفت کرے۔

محفوظ: وہ حدیث جس کا راوی ثقاہت میں اس سے بڑھا ہو جو اس کی مخالفت کرے۔

منکر: (۱) وہ حدیث جس کا راوی ضعیف ہو نیلے باوجود ضعیف کی مخالفت کرے۔

منکر: (۲) وہ حدیث جس کے راوی کوفی یا فرط غفلت، یا کثرت غلط کا طعنہ

لگایا ہو۔

معروف: وہ حدیث جس کا راوی ضعیف ہو اور اضعف اس کی مخالفت کرے۔

۱۔ مدلس اور مطلق کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر مصراحتاً یا استقراءً و تتبع کے بعد یہ ثابت ہو جائے کہ استاد کو ساتھ

کرنے والا مدلس ہے تو اس روایت کو مدلس قرار دیا جائیگا۔ اور اگر اس راوی کی تالیس ثابت نہ ہوئے تو اس کی

روایت کو مطلق قرار دیا جائیگا۔ (قالہ الحافظ ابن حجر، تعلیقات ارشاد: ۱/۱۹۸)

معلل: وہ حدیث جس میں کوئی بیماری ہو یا ایسا سبب غامض ہو جس کو ماہرین حدیث ہی سمجھ سکتا ہے۔

متابع: وہ حدیث جس کی موافقت دوسری حدیث کرے اور ان دونوں حدیثوں کا مروی عنہ ایک ہو۔

شاهد: وہ حدیث جس کی موافقت دوسری حدیث کرتی ہو اور دونوں کا مروی عنہ ایک نہ ہو۔

اعتبار: متابع و شاہد پہچاننے کے لئے جستجو تلاش کرنا حدیث کی اسانید کی۔
صحیح: جس کے تمام راوی عادل ہوں، تام الضبط، ہوں، وہ حدیث متصل ہو، شاذ نہ ہو، مکر نہ ہو۔

صحیح لذاتہ: جس حدیث میں شرائط خمسہ غلی وجہ الکمال پائے جائیں۔
صحیح لغيرہ: جس حدیث میں شرائط خمسہ پائے جائیں، لیکن کچھ نقصان ہو۔ اور نقصان کو دور کرنے والی شئی بھی اس میں موجود ہو۔

حسن لذاتہ: جس حدیث میں شرائط خمسہ ہوں اور کچھ نقصان بھی ہو (یعنی راوی تام الضبط نہ ہو) اور نقصان کو پورا کرنے والی شئی موجود نہ ہو۔

حسن لغيرہ: وہ حدیث ضعیف جو متعدد طرق سے آجائے۔
ضعیف: جس حدیث میں پورے شرائط خمسہ یا بعض منقود ہوں۔
عدالت: وہ قوتِ راسخہ فی الذہن جو انسان کو تقوی و مروت کی طرف مجبور کرے۔
تقوی: کبار سے اجتناب کرنا۔

مروء: ان کمینی باتوں سے احتراز کرنا جو انسانیت کے خلاف ہوں۔
ضبط: سنی ہوئی باتوں کا محفوظ رکھنا کہ جب چاہے اس کا استحضار کر سکے۔

ضبط الصدر: دل میں کسی بات کو یاد کر لینا اور محفوظ رکھنا۔

ضبط الكتاب: کتاب لکھ کر محفوظ کر لینا، یہاں تک کہ دوسرے اسے محفوظ کر لیں۔

جرح عدالت: کذب، اتہام بالکذب، اتہام بالفسق، اتہام بالبدعت، اتہام بالجبلة۔

کذب: سے مراد حدیث میں کذب ثابت ہو گیا ہو یا تو وضع کے اقرار سے یا دوسرے قرائن سے۔

موضوع: جس کے راوی کا کسی حدیث میں کذب ثابت ہو۔

متروک: جس کا راوی متہم بالکذب ہو، یا وہ حدیث قواعد معلومہ ضروریہ فی الشرع کے مخالف ہو۔

اتہام بالکذب: یہ ہے کہ اس کا راوی آپس میں جھوٹا مشہور ہو، حدیث میں اس سے کذب ثابت نہ ہو۔

مبہم: جس کا راوی مجہول ہو۔

مبہم کا حکم: حدیث مبہم غیر مقبول ہے، اگر مجہول صحابی ہے تو مقبول ہے، یا کوئی امام حافظ کہے: ”اخبرنی عدل“ وغیرہ تو مقبول ہے۔

بدعت: کسی ایسی شئی کا اعتقاد جو طریق نبی و صحابی کے مخالف ہو اور یہ اعتقاد کسی شبہ یا کسی تاویل کی وجہ سے ہو۔

مبتدع کی حدیث کا حکم: جمہور کے نزدیک مردود، صحیح قول پر اگر داعی الی البدعت اور بدعت کے لئے مروج ہو تو مردود و نہ مقبول۔

جرح ضبط: فرط غفلت، کثرت غلط، مخالفت ثقات، وہم، سوء حفظ۔

سوء حفظ: یہ ہے کہ اسے اپنی مسوعات میں اکثر یاد نہ آتی ہوں۔

مختلط: جس کے راوی میں سوء حفظ پیدا ہو گیا ہو، اختلاط حافظہ کی وجہ سے۔

قبل الاختلاط کی حدیث مقبول، اور بعد الاختلاط کی حدیث مردود ہے، اگر شبہ ہے تو توقف ہوگا، اگر دوسری حدیث اس کی متابعت کرے یا شہادت دے تو مقبول ہے، ورنہ مردود ہے۔

غریب: جس کی سند میں ایک راوی رہ گیا ہو۔

عزیز: جس کی سند میں کہیں صرف دو راوی رہ گئے ہوں۔

مشہور: جس کی سند میں ہر جگہ دو سے اکثر راوی ہوں۔

متواتر: جس کی سند میں استعد راوی ہوں کہ عقل انکے اتفاق علی الکذب کو محال سمجھے۔

فرد نسبی: جس حدیث کی سند میں کسی ایک جگہ ایک راوی رہ گیا ہو۔

فرد مطلق: جس کی سند میں ہر جگہ ایک ہی راوی ہو۔

صحیح حدیثوں کی سات قسمیں ہیں

(۱) شیخین نے اس کو بیان کیا ہو۔

(۲) صرف امام بخاری نے بیان کیا ہو۔

(۳) صرف امام مسلم نے بیان کیا ہو۔

(۴) شیخین کی شرطوں کے مطابق ہو۔

(۵) صرف امام بخاری کی شروط کے مطابق ہو۔

(۶) صرف امام مسلم کی شروط کے مطابق ہو۔

(۷) ان دونوں کے علاوہ ان لوگوں کی حدیث جنہوں نے صحیح حدیث لانے کا

التزام کیا ہو۔

المستدرک: حاکم ابو عبد اللہ میثا پوری کی تصنیف شدہ کتاب جس میں انہوں نے ان صحیح حدیثوں کو ذکر کیا ہے، جن کو بخاری و مسلم نے چھوڑ دیا ہے۔

صحاح ستہ: صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع الترمذی، سنن ابی داؤد، نسائی، سنن ابن ماجہ، ابن ماجہ کی جگہ بعضوں نے مؤطا کو کہا ہے۔

حسان: صحیحین کے علاوہ چار کتابیں: جامع الترمذی، سنن ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ، یہ امام بغوی کی اصطلاح ہے۔

۱۔ البدیۃ بعض دو احادیث بھی اس میں آگئی ہیں جو شیخین یا احمد الشیخین نے روایت کی ہیں۔

(تعلیقات ارشاد: ۱/۱۲۳)

لیکن حاکم صحیح کے سلسلہ میں متاہل ہیں۔ (ضعیف روایت کی بھی تصحیح کر دیتے ہیں) لہذا ابن الصلاح، نووی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی روایت کی انہوں نے تصحیح کی ہے تو ہم اس وقت تک اس کو صحیح قرار نہیں دینگے، جب تک دوسرے معتبر علماء سے اس کی تصحیح ہمیں نہ مل جائے، اگر کسی روایت کے بارے میں ہمیں تصحیح یا تضعیف نہ ملے تو ہم اس کو حسن درجہ کی قرار دینگے، البدیۃ اگر کوئی علت ہوئی تو اس کو ضعیف قرار دینگے۔ (ارشاد طاب الخالق: ۱/۱۲۳)

لیکن اب علماء کے نزدیک دوسرے معتبر علماء کے کلام کو تلاش کریں تو بہت اچھا ہے ورنہ حافظ ذہبی نے ”التلخیص“ میں ان کی روایات پر کلام کیا ہے، جو مطبوعہ مستدرک کے حاشیہ میں ہے، جس سے اس روایت کا درجہ متعین کرنا آسان ہے۔

اصول حدیث

المسمى به

منظوم نافع

حضرت مولانا مفتی الہی بخش کاندھلوی

از بیاض

حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

ترجمہ و تشریح

محمد فاروق غفرلہ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یو پی) ۲۳۵۲۰۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلوة

پس از حمد پروردگار قدیم
تحتیات و صلوت رب رحیم
پروردگار قدیم (حق تعالیٰ شانہ کی) کی حمد کے بعد، رب رحیم کی رحمتیں نوازشیں۔
برآں احمد وسید پاک باد
برآں و بر اصحاب یوم التناد
آنحضرت احمد وسید پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، اور آپ کے آل و اصحاب پر ہوں
قیامت کے دن (یا قیامت کے دن تک)۔

تعریف حدیث

چو شوق حدیث بود اے عزیز
بکن اصطلاحات آزا تمیز
جب تجھکو حدیث کا شوق ہوا اے پیارے تو اس کی اصطلاحات کو یاد کر۔
بزد محدث حدیث آں بود
کہ گوید نبی یا کہ فعلیٰ کند
محدث کے نزدیک حدیث وہ ہے، کہ نبی کہے یا کوئی فعل کرے۔
سویم آنچہ او دید و تقریر کرد
حدیث است در عرف ما نیک مرد
تیسرے وہ کہ کسی چیز کو دیکھ کر تقریر (سکوت) کیا ہو، ہمارے عرف میں حدیث ہے

ایک نیک مرد۔

(پس حدیث کی تین قسمیں ہو گئیں۔ (۱) قول نبی (۲) فعل نبی (۳) تقریر نبی)

لیکن نزدیک اہل اصول

حدیث است مختص بقول رسول

لیکن اہل اصول کے نزدیک، حدیث قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

مگر سنت عام ایں جملہ راہ

بزد فریقین ہداں مصطفیٰ

مگر سنت ان تمام کو عام ہے، فریقین (محدثین اور اہل اصول) کے نزدیک اس کو

جان لے اے مصطفیٰ برگزیدہ۔

یعنی حدیث کے اندر تو محدثین اور اہل اصول کا اختلاف ہے، کہ محدثین کے نزدیک

حدیث، (۱) قول نبی، (۲) فعل نبی، (۳) تقریر نبی، تینوں کو کہتے ہیں اور اہل اصول کے

ز نزدیک حدیث صرف قول نبی کے ساتھ مخصوص ہے کہ اہل اصول صرف قول نبی کو حدیث کہتے

ہیں باقی دونوں (۱) فعل نبی (۲) تقریر نبی کو حدیث نہیں کہتے ہیں، مگر لفظ سنت میں فریقین کا

کوئی اختلاف نہیں کہ فریقین کے نزدیک سنت قول نبی، فعل نبی، تقریر نبی، تینوں کو کہا جاتا ہے۔

ہمیں ہر سہ از صاحب وزتابان

حدیث است بر قول بعض ہداں

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہما اللہ علیہ کی یہ تینوں چیزیں بھی، بعض کے قول کے

مطابق حدیث ہے جان لے۔

۱۔ ایک نسخہ میں مذکورہ شعر کے بجائے یہ شعر ہے۔

مگر عام شد سنت ایں جملہ را

بزد فریقین اے ہداں

مگر سنت ان تمام کو عام ہے، فریقین کے نزدیک اے ہداں۔

ولے بعضے ایں را اثر گفستہ اند
 بہ ایں مصطلح ہم کساں رفتہ اند
 اور لیکن بعض نے اس کو اثر کہا ہے، اس اصطلاح پر بھی لوگ گئے ہیں۔
 پس اقسام نوشد احادیث را
 بریں قول دو میں کہ گفتم ترا
 پس احادیث کی نو قسمیں ہو گئیں، اس دوسرے قول کے مطابق جو میں نے تجھ سے کہا۔
 یعنی اہل اصول کے نزدیک بعض کے نزدیک، نبی کے قول، فعل، تقریر، کو حدیث کہتے
 ہیں۔ اور بعض کے نزدیک صحابی، تابعی، کے قول، فعل تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ اس
 دوسرے قول کے مطابق حدیث کی نو قسمیں ہو گئیں۔ (۱) قول نبی، (۲) فعل نبی، (۳)
 تقریر نبی، (۴) قول صحابی، (۵) فعل صحابی، (۶) تقریر صحابی، (۷) قول تابعی، (۸) فعل
 تابعی، (۹) تقریر تابعی۔

اقسام حدیث مرفوعہ و موقوفہ وغیرہ

باعتبار ایصال حدیث بہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کے اعتبار سے حدیث کی مرفوعہ و موقوفہ
 وغیرہ کی قسمیں۔

بداں ہر چہ شد منتہی تانی

بود نام مرفوعش اے مبتدی

جان لے جو حدیث نبی تک پہنچی ہوئی ہو، اس کا نام مرفوع ہے اے مبتدی!

۱۔ مبتدی شروع کرنے والا۔

بود رفع دو قسم اے پر خرد
 صریح دگر آنچہ لازم شود
 رفع کی دو قسمیں ہیں اے عظیمند، (۱) صریح، (۲) دوسرے وہ کہ جو لازم ہو۔
 اگر فعل و تقریر یا قول را
 رسانید اوتانی الوری
 اگر فعل یا تقریر یا قول کو، اس نے نبی الوری (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچایا ہے۔
 ورا نام مرفوع گفتن تو اں
 وگرتا صحابی است موقوف خواں
 اس کا نام مرفوع کہہ سکتے ہیں، اور اگر صحابی تک (پہنچایا) ہے اس کو موقوف کہہ۔
 رسانید اگر او بر تابجی
 بود نام مقطوعش اگر تو بشنوی
 اگر تابجی تک اس نے پہنچایا ہے، اس کا نام مقطوع ہے اگر تو سنے۔
 الحاصل قول، فعل، تقریر، کی نسبت اگر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ہو اس کو
 مرفوع کہتے ہیں، اور اگر صحابی تک نسبت ہو اس کو موقوف کہتے ہیں اور اگر تابجی تک نسبت ہو
 اس کو مقطوع کہتے ہیں۔

تقریر: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی نے کوئی بات کہی ہو یا کسی
 نے کوئی کام کیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا ہو انکار نہ فرمایا ہو اس کو
 تقریر کہتے ہیں چونکہ نبی خلاف شرع چیز پر سکوت نہیں کر سکتا۔

تقسیم حدیث باعتبار سند

(حدیث کی تقسیم سند کے اعتبار سے)

سند شد عبارت ز جملہ روات

لیکن یاد ایں راتو اے خوش صفات

سند عبارت ہے جملہ روات سے، اے خوش صفات تو اس کو یاد کر لے۔

نہ کردہ چو حذف از سند او یکے

بود نام او متصل بیشکے

جب اس نے سند سے کسی ایک کو حذف نہ کیا ہو، بیشک اس کا نام متصل ہے۔

وگر حذف شد راوئے منقطع

بود نزد اہل حدیث استمع

اور کوئی راوی حذف ہو گیا ہو، اہل حدیث کے نزدیک اسکو منقطع کہتے ہیں سن لے۔

سند: حدیث کے روایت کرنے والوں کا نام سند ہے (جن راویوں کے واسطے

سے نقل ہوتی ہوئی حدیث ہم تک پہنچی ہے ان کو سند کہتے ہیں۔)

متصل: اگر سند کے درمیان سے کوئی راوی حذف نہ ہو اس کو متصل کہتے ہیں۔

منقطع: اگر سند کے درمیان سے کوئی راوی حذف ہو اس کو منقطع کہتے ہیں۔

اقسام منقطع

پس از منقطع گشت اقسام چند

معلق و مرسل شنو ارجمند

پس منقطع کی چند اقسام ہو گئیں، (۱) معلق (۲) مرسل، سن اے عقلمند۔

معلق بود منقطع راویش
 رودیک دو راوی ویا زانندش
 معلق وہ ہے کہ اسکا راوی منقطع ہو، اسکا ایک یا دو یا اس سے زائد راوی جاتا رہے۔
 دگر مرسل آں منقطع آمدہ
 کہ از آخرش حذف راوی شدہ
 دوسرے مرسل، وہ منقطع ہے، کہ اس کے آخر سے راوی حذف ہو گیا ہو۔

حکم مرسل

بزد محدث بہ پیش فقیہ
 توقف بود حکم او اے وجیہ
 محدث کے نزدیک فقیہ کے سامنے، اس کا حکم توقف ہے اے وجیہ۔
 کہ احوال ساقط چو معلوم نیست
 بحکمش توقف نماؤ بایست
 اس لئے کہ ساقط کے احوال جب معلوم نہیں، اس کے حکم پر توقف کرو اور ٹھہر جا۔
 مگر آنکہ ساقط صحابی بود
 ویا مرسل از اہل تقوی بود
 مگر وہ کہ ساقط صحابی ہو، اور یا مرسل اہل تقوی سے ہو۔
 ولے بو حنیفہ و مالک امام
 نمایند مقبول مرسل مدام
 اور لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، مرسل کو ہمیشہ مقبول
 مانتے ہیں۔

کہ راوی برو اعتمادے چوں داشت
 بدیں وجہ اوانام ویرا گذاشت
 کہ راوی نے اس پر اعتماد کی وجہ سے ہی اس کے نام کو چھوڑا ہے۔
 زاحمہ دریں باب دو قول بہت
 قبول و توقف دو قول آمدہ است
 امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں دو قول ہیں قبول و توقف دو قول آئے ہیں۔
 برشافعی چونکہ مرسل شود
 معاضد بہ دیگر قبولش بود
 امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب کوئی حدیث مرسل ہو، وہ اگر دوسری حدیث
 کے ساتھ معاضد ہو تو قبول ہوگی۔

توضیح

مرسل: سند کے آخر سے کوئی رہ گیا ہو اس کو مرسل کہتے ہیں۔

مرسل کا حکم محدثین و فقہاء کے نزدیک۔

محدثین و فقہاء کے نزدیک مرسل کا حکم توقف ہے۔

دلیل: جو راوی رہ گیا ہے جب اس کا علم نہیں تو اس کے احوال کا بھی علم نہیں اس لئے
 اس پر توقف کرنا چاہیئے۔

البتہ اگر ساقط (جو راوی سند سے رہ گیا ہے) صحابی ہو تو اس صورت میں وہ مقبول
 ہوگی چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام کے تمام عادل ہیں اسی طرح مرسل (ارسال
 کرنے والا جس نے راوی کو ترک کر دیا ہے) اہل تقویٰ میں سے ہو (اس کی عدالت و تقویٰ
 مشہور ہو) اس صورت میں بھی وہ حدیث مقبول ہوگی کہ کسی صحیح غرض کی بنا پر ہی اس نے راوی

کو ترک کیا ہوگا اور اس کے نزدیک وہ ترک شدہ راوی غیر معتبر ہوتا تو اس کو ترک ہی نہ کرتا یا اس حدیث کو ہی بیان نہ کرتا چونکہ یہ عدالت و تقویٰ کے خلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرسل ہمیشہ مقبول ہوتی ہے۔

دلیل: یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ راوی کو اس پر اعتماد تھا اس اعتماد کی وجہ سے ہی اس نے اس کو ترک کیا ہے اگر اس پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ اس کو ترک ہی نہ کرتا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ قبول۔ توقف۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر حدیث مرسل کی تائید و موافقت کسی دوسری حدیث سے ہوتی ہو تو اس کو قبول کرینگے ورنہ نہیں۔

معصل

چوساقط بود چند کس پے بہم

بداں نام او معصل اے خوش رقم

اگر چند راوی پے در پے ساقط ہو جائیں، اس کا نام معصل ہے اے خوش رقم۔

منقطع

وَر چند راویست از چند جائے

بگو منقطع نام ایضا ورا

اگر چند راوی چند جگہوں سے ساقط ہو جائیں، اس کا نام بھی منقطع کہو۔

پس ایں منقطع قسم از اول است

عموم و خصوص اندریں ہر دو بہت

پس یہ منقطع اول منقطع ہی کی ایک قسم ہے، اس میں عموم و خصوص دونوں ہیں۔

یعنی منقطع عام یہی ہے جو ان تمام مذکورہ اقسام کو شامل ہے اور خاص طور پر اس قسم کو

بھی منقطع کہتے ہیں۔

مدلس

دراں منقطع شد مدلس بداں
کہ راوی کند ترک استاذ ازاں
اس منقطع میں مدلس بھی ہے جان لے، کہ راوی اس سے اپنے استاذ کو ترک کر دے۔
بطوریکہ وہم بود سمع را
ز استاد استاد او اولاً
اس طور پر کہ سننے والے کو وہم ہو، کہ وہ استاد کے استاد اول سے بیان کر رہا ہے۔
بود پیشہ مذموم تدلیس دوست
مگر چونکہ غرض صحیح اندر واست
تدلیس برا پیشہ ہے اے دوست، مگر جب کہ اس میں کوئی صحیح غرض ہو۔
منقطع کے اقسام میں مدلس بھی ہے

مدلس: وہ حدیث ہے کہ راوی استاد کے بجائے استاد کے استاد سے بیان کرے
اس طرح کہ سننے والے کو وہم ہو کہ وہی اس کا استاد ہے اور اسی (استاد کے استاد) سے اس نے سنا ہے۔
اس حدیث کو مدلس کہتے ہیں، اور ایسا کرنے والے کو مدلس، کہتے ہیں اور اس عمل
کو تدلیس، کہتے ہیں۔

حکم: تدلیس، مذموم ہے۔ البتہ اگر کسی صحیح غرض کی وجہ سے ایسا کرے تو درست ہے۔

(مسند و متصل)

حدیث کہ مرفوع شد باسند
گر آں تا پیمر رسانیدہ شود
جو حدیث سند کے ساتھ مرفوع ہے، اگر اس کو پیمر صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا گیا ہو۔

ورنام شد مند و متصل

بقول جماہیر اے اہل دل

اس کا نام مند و متصل ہے، جمہور کے قول کے مطابق اے اہل دل۔

بقول دیگر متصل مطلقا

بود مندش نام نے احتفا

دوسرے قول کے مطابق مطلقا متصل کا نام مند ہے اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

مصنف: وہ حدیث مرفوع جس کی سند نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچی ہوئی

ہو۔ اس کو جمہور کے نزدیک مند و متصل کہتے ہیں۔

دوسرے قول کے مطابق مطلقا حدیث متصل کو مند، کہتے ہیں۔

بیان مضطرب و غیرہ

بہ متن حدیث ویا در سند

زراوی خلل دریاں می نقد

کسی حدیث کے متن یا سند میں، راوی کی طرف سے بیان میں کوئی خلل واقع ہو جائے۔

بتقدیم و تاخیرے از راویاں

در الفاظ متن حدیث اے جواں

راویوں کی طرف سے کسی قسم کی تقدیم و تاخیر، متن حدیث کے الفاظ میں (واقع ہو)

اے جوان۔

یعنی کوئی راوی متن حدیث کے الفاظ میں سے کسی لفظ کو مقدم نقل کرتا ہے کوئی مؤخر۔

بود مضطرب آں حدیث اے عزیز

ہمیں حکم متن است و اسناد نیز

وہ حدیث مضطرب ہوتی ہے اے عزیز، یہی حکم متن کا ہے اور سند کا حکم بھی یہی ہے۔

یعنی الفاظ حدیث میں راویوں کی طرف سے تقدیم و تاخیر ہو یا سند کے اندر تقدیم و تاخیر ہو اس کو مضطرب کہتے ہیں۔

مدرج

وَر لفظ از راوی آمد مزید

بود مدرجش نام یار سعید

اور اگر کوئی لفظ راوی سے آئے زائد، اس کا نام مدرج ہے اے یار سعید۔

یعنی اصل حدیث میں تو وہ لفظ نہیں کسی راوی نے کوئی لفظ کسی لفظ کی وضاحت وغیرہ کی وجہ سے زائد کر دیا تو اس کو مدرج کہیں گے۔

مععن

حدیث مععن بر عالماں

بود آنکہ عن عن بگوئی دراں

حدیث مععن علماء کے نزدیک، وہ ہے جس میں تو عن عن کہے۔

یعنی حدیث کی سند میں عن فلاں عن فلاں ہو اس کو حدیث مععن کہتے ہیں۔

ولے عنعنہ از مدلس خفیف

بود زانکہ شبہ است دروے ضعیف

لیکن عنعنہ مدلس خفیف سے اس میں شبہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

فائدہ

روایت بلفظ و بمعنی اَر

زعادل وثقہ بہت شد معتبر

روایت بلفظ بمعنی اگر، عادل وثقہ سے ہے تو معتبر ہے۔

ولیکن روایت بمعنی فقط

زماہر و متقن بود ایں نمط

اور لیکن روایت بمعنی فقط، ماہر و متقن شخص سے ہو تو یہ طریقہ معتبر ہے۔

یعنی روایت بلفظ و بمعنی عادل و ثقہ راوی سے اگر ہو تو معتبر ہے اور روایت بمعنی فقط

حدیث میں ماہر و پختہ راوی کی درست ہے غیر ماہر کی درست نہیں۔

تقسیم دیگر در بیان شذوذ و غیرہ

اگر راوئے برخلاف ثقات

روایت کند شاذ داں نیک ذات

اگر کوئی راوی ثقہ راویوں کے خلاف، روایت کرے اسکو شاذ جان اے نیک ذات۔

وریں راوئے شاذ نبود ثقہ

پس آں بہت مردود نزدہمہ

اور اگر شاذ روایت کرنے والا ثقہ نہ ہو، تو وہ 'شاذ' سب کے نزدیک مردود ہے۔

مخفط و مضبط و بکثرت روات

ز ترجیح یا بنی دیر جہات

مخفط و مضبط اور کثرت روات کے ذریعہ، ترجیح ہو یا (ترجیح کی) دوسرے جہات تو دیکھئے۔

مسکی است رائج بہ محفوظ داں

بمرجوح خاص است شاذ اے جوان

رائج کا نام محفوظ جان، مرجوح کے ساتھ شاذ خاص ہے اے جوان۔

یعنی رائج کا نام محفوظ اور مرجوح کا نام شاذ ہے۔

اخص است این شاذ از اولین
 بکن فرق وز ہوشیاری نہیں
 یہ شاذ پہلے (شاذ) سے خاص ہے، (دونوں میں) فرق کراور ہوشیاری سے دیکھ۔
 وگر ہر دو راوی ضعیف اندلیک
 یکے اضعف ودیگرے زواست نیک
 اور اگر ہر دو راوی ضعیف ہیں لیکن، ایک زیادہ ضعیف ہے ایک اس سے بہتر ہے یعنی
 دوسرا کم ضعیف ہے۔

ہر آں کہ ضعیف است محفوظ خواں
 مخالف کہ اضعف بود منکر آن
 جو ضعیف ہے اس کو محفوظ، جو اس کا مخالف یعنی اضعف ہے وہ منکر ہے۔
 یعنی ضعیف کو محفوظ اور اس کے مقابل جو اضعف ہے اس کو منکر کہتے ہیں۔
 ضعیف اند ہر دوو لے بیش وکم
 چو منکر ز محفوظ شد ست ہم
 دونوں ضعیف ہیں لیکن کم زیادہ، جیسے منکر محفوظ سے ست بھی ہے۔
 یعنی محفوظ و منکر دونوں میں ضعف ہے البتہ محفوظ میں ضعف کم ہے منکر میں ضعف
 زیادہ ہے۔

مقابل بمنکر تو معروف خواں
 بضعت اند موصوف ہر دو بدال
 منکر کے مقابل کو تو معروف کہہ، ضعف کے ساتھ دونوں موصوف ہیں جاں لے۔
 ولیکن بمنکر بود ضعف بیش
 بمعروف ضعف است اندک چونیش
 لیکن منکر میں ضعف زیادہ ہوتا ہے، معروف میں ضعف کم ہوتا ہے مثل ڈنک کے۔

فائدہ

بود ہر کہ مطعون بفسق وغلط
 ویاسادہ دل غافل است ایں نمط
 جو شخص فسق وغلط کے ساتھ مطعون ہو، اور یاسادہ دل اور اس طریقہ سے غافل ہو۔
 حدیثش بود نیز مکر بنام
 شد ایں اصطلاح دوم الا کلام
 اس حدیث کا نام بھی مکر ہے، یہ دوسری اصطلاح ہوگئی الا کلام۔
 برائے بیاں مصطلح کردہ اند
 ہر آنچہ سند آمدش گشتہ اند
 بیان کے لئے اصطلاح مقرر کی ہے، جو کچھ اس کی سند سے آیا اس کو بیان کیا ہے۔

بیان معنی متابعت ونحوہ ومثلہ

حدیث کے راوی روایت کند
 موافق ورا دیگرے آورد
 جو حدیث کے راوی روایت کرے، دوسرا راوی اس کے موافق بیان کرے۔
 متابع ہداں آل روایت مدام
 بگوئی ورا تابعہ اے مہام
 اس روایت کو متابع جان ہمیشہ، اسکو تابعہ (اس نے اسکی موافقت کی) کہ اے مقتدا۔

مثلہ

چوں در لفظ ومعنی موافق بود
 ورا مثلہ کنھت می مزد
 اگر لفظ ومعنی میں موافق ہو، اس کو مثلہ کہنا لائق ہے۔

نحوہ

بمعنی لفظ نحوہ گنتہ اند
 بریں اصطلاح اہل دل رفتہ اند
 صرف معنی میں موافق ہوا سکو نحوہ کہا ہے، اس اصطلاح کو اہل دل نے اختیار کیا ہے۔

شرط متابع

وَلے در متابع بود شرط آں
 زیک کس صحابی بیارند شاں
 لیکن متابع میں یہ شرط ہے، کہ ایک ہی صحابی سے وہ اس کو بیان کریں۔

شواہد

وَر در صحابی بود اختلاف
 بداں از شواہد ورا بیگزاف
 اور اگر صحابی میں اختلاف ہو، اس کو شواہد سے جان بے شبہ۔

معلل

معلل بود آں حدیث اے سعید
 درو علت وقدح باشد پدید
 معلل وہ حدیث ہے اے نیک بخت، کہ اس میں علت و بیماری ظاہر ہو۔

بیان حسن و صحیح و ضعیف

بوجہ اگر قسمتش کردہ اند
 صحیح و حسن را کو گنتہ اند
 وجہ کے ساتھ اگر حدیث کی تقسیم انہوں نے کی ہے، صحیح و حسن کو انہوں نے اچھا کہا ہے۔

ضعیف است ادنیٰ ازیں ہر دو داں
توسط حسن را بود اے جوان
ضعیف ان دونوں سے ادنیٰ ہے جان لے، حسن متوسط ہے اے جوان۔
یعنی 'صحیح'، 'حسن'، 'ضعیف' ان تینوں میں صحیح سب سے اعلیٰ ضعیف سب سے ادنیٰ اور
حسن تینوں میں متوسط ہے۔

صحیح

صحیح آنکہ از عدل وضابطہ تمام
سند متصل باشدش الا کلام
صحیح وہ ہے کہ کامل عدل وضبط والے راوی اس کو بیان کریں، اور اس کی سند متصل
ہو، اکلام۔

صحیح لذاتہ

اگر ایں جملہ اوصاف شد بر کمال
صحیح لذاتہ بخواں خوش خصال
اگر یہ جملہ اوصاف کمال پر ہوں، اس کو صحیح لذاتہ کہہ اے خوش خصال۔
یعنی اگر راوی کے اندر جملہ اوصاف (عدل وضبط امانت دیانت وغیرہ) کامل طریقہ
پر ہوں تو اس کو صحیح لذاتہ کہیں گے۔

صحیح لغیرہ

بنوع اگر راہ یابد قصور
بکثرت طرق منجر گشت ودور
کسی درجہ میں اگر اس میں قصور پایا جائے، جو کثرت طرق سے منجر ہو جائے اور وہ
قصور دور ہو جائے۔

پس آں شد صحیح لغیرہ حسن
اگر منجبر نیست دانش حسن
پس وہ صحیح لغیرہ ہے، اگر (کثرت طرق سے) منجبر ہو تو اس کو حسن جان۔
یعنی کثرت طرق سے اگر اس کی تلافی ہو جائے تو صحیح لغیرہ ہے اور اگر تلافی نہ ہو تو اس
کو حسن کہتے ہیں۔

حسن لذاتہ

ہمیں را تو حسن لذاتہ بگو
نہ نقصان براوی است جز ضبط او
اسکو تو حسن لذاتہ کہہ، جبکہ اس کے راوی میں ضبط کے علاوہ کوئی اور نقصان نہ ہو۔

حسن لغیرہ

وَر شد حدیث زعلت ضعیف
بکثرت طرق ضعف او شد خفیف
اور اگر کوئی حدیث کسی علت کی وجہ سے ضعیف ہو، کثرت طرق سے اس کا ضعف ہلکا
ہو جاتا ہے۔

یعنی ضعیف حدیث جب کثرت طرق سے ثابت ہو تو اس کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

پس آں حسن لغیرہ می شود
اگر چہ قصور از وجوہش بود
پس وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے، اگر چہ اس کا قصور چند وجوہ سے ہو۔

بداندر ضعیفی کہ نقصان بیش
باکثر وجوہ آمدش قبح بیش

ضعیف روایت کے اندر جب نقصان زیادہ تھا، اکثر وجوہ سے اس میں برائی بھی

زیادہ ہوگئی۔

بکثرت طرق اند کے حسن یافت
کہ چوں شخصے از حسن غیرے بتافت
کثرت طرق سے اس نے تھوڑا سا حسن پالیا، جس طرح کوئی شخص دوسرے کے حسن
سے چمک حاصل کرے۔

یعنی ضعیف روایت باوجودیکہ خود ضعیف ہے مگر کثرت طرق کی وجہ سے اس کے اندر
ایک درجہ کا حسن پیدا ہو گیا اس لئے اس کو حسن لغیرہ کہا جاتا ہے۔

بیان ضبط و عدالت

کہ موقوف علیہ حسن و صحت وغیرہ است
ضبط و عدالت کا بیان جو کہ حسن و صحت کا موقوف علیہ ہے۔
تو ضبط و عدالت شنو اولاً
کہ آگہ شوی جملہ اقسام را
توضیظ و عدالت کو سن اولاً، تاکہ تو تمام اقسام سے آگاہ ہو جائے۔
عدالت کہ در فقہ شد مظهر
بود در حدیث اند کے عام تر
عدالت فقہ میں جو مشہور ہے، حدیث میں اس سے تھوڑی عام ہے۔
کہ شامل بود عبد را نزد شاں
با حرار مختص بنا شد بداں
کہ ان (محدثین) کے نزدیک غلام کو بھی شامل ہوتی ہے، احرار کے ساتھ ہی مخصوص
نہیں ہوتی۔

یعنی عدالت فقہاء کے نزدیک احرار کے ساتھ مخصوص ہے محدثین کے نزدیک احرار کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ غلاموں کو بھی شامل ہے۔

عدالت شود و ناقص از پنج چیز
ز فسق عمل جہل راویست نیز
عدالت پانچ چیزوں سے ناقص ہو جاتی ہے، (۱) فسق عمل سے (۲) نیز جہل راوی سے۔
چو مجہول شد نام شیخ ترا
تو تقوی و عدلش بدانی کجا
جب تجھ کو شیخ کا نام ہی مجہول ہو گیا، تو اس کے تقوی و عدل کو کہاں جان سکتا ہے۔

شود گر جہالت ز راوی عیاں
نبردہ کہ استاد را نام آں
جہالت اگر راوی سے ظاہر ہو، کہ اس نے استاد کے نام کو بیان نہیں کیا۔
بود نام آں مبہم اے دوستاں
نگردد گہہ مقبول در خبر داں
اس کا نام مبہم ہے اے دوستو، غفلتوں کے نزدیک جو کبھی مقبول نہیں۔
مگر کاں صحابی بود شد قبول
کہ ہستند اصحاب جملہ عدول
البتہ اگر وہ (مجہول راوی) صحابی ہو تو وہ مقبول ہوگی، اس لئے کہ تمام صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم اجمعین عادل ہیں۔

سیوم کذب راوی بتقل حدیث
کہ مقبول ہرگز نشد زان خبیث
تیسرے نقل حدیث میں راوی کا کذب (جھوٹ بولنا) کہ اس خبیث سے ہرگز

قبول نہ ہوگی۔

یعنی اگر راوی کا نقل حدیث میں کذب ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی حدیث کبھی قبول نہ ہوگی۔

اگر چہ کہ تائب و محسن شود

خلاف شاہد کہ تائب شود

اگر چہ وہ تائب و محسن ہو جائے، شاہد (گواہ) کے برخلاف جبکہ وہ تائب ہو جائے۔
یعنی جس راوی کا نقل حدیث میں کذب ثابت ہو جائے اس کی کوئی حدیث بھی قبول نہیں ہوگی اگر چہ وہ اس سے توبہ کر کے نیکو کار بن جائے۔

برخلاف گواہ کے کہ وہ جب توبہ کر لے تو اس کی گواہی معتبر مانی جاتی ہے، یعنی جس شخص کا گواہی میں کذب ثابت ہو جائے اس کی گواہی معتبر نہیں البتہ اگر وہ کذب سے توبہ کر لے تو پھر اس کی گواہی معتبر ہوگی۔

روایت از آنکس تو موضوع داں

اگر چہ نشد علم وضع اندراں

اس شخص کی روایت کو تو موضوع جان، اگر چہ وضع کا علم اس کے اندر نہ ہو۔
یعنی جس راوی کا نقل حدیث میں کذب ثابت ہو جائے اس کی روایت کردہ حدیث موضوع سمجھی جائے گی اگر چہ اس حدیث کے موضوع ہونے کا علم نہ ہو۔

کجا قطع حاصل بوضعش شود

مگر حکم ظنی در آنجا دود

اسکے موضوع ہونے کا قطعی علم کہاں حاصل ہو سکتا ہے، مگر حکم ظنی ہی اس میں دوڑتا ہے۔
یعنی موضوع ہونے کا قطعی علم دشوار ہوتا ہے ظن سے ہی اس کا حکم لگایا جاتا ہے۔

چہارم عدالت رود زاتہام
 کہ مشہور باشد بکاذب کلام
 چوتھے عدالت اتہام سے ختم ہو جاتی ہے، کہ (راوی) جھوٹے کلام کے ساتھ مشہور رہو۔
 یعنی اگر کسی پر کذب کی تہمت ہو مثلاً وہ کذب کلام کے ساتھ مشہور ہو تو اس کی عدالت
 ختم ہو جائے گی۔

حدیث کہ از متہم آمدہ
 ہمیدان کہمروک نامش شدہ
 جو حدیث متہم (جس راوی پر کذب کی تہمت ہو) سے منقول ہو، اس کو اس طرح جانو
 کہ (گویا) اس کا نام ہی متروک ہو گیا۔

عدالت رود پنجم از مبتدع
 کہ اصحاب بدعت نباشد ورع
 پانچویں عدالت بدعتی سے جاتی رہتی ہے، اس لئے کہ بدعتی پرہیز گار نہیں ہو سکتا۔
 یعنی جو شخص بدعت کا مرتکب ہے وہ عادل نہیں (اس کی روایت معتبر نہیں) اس لئے
 کہ جو بدعت کا ارتکاب کر رہا ہے وہ حدیث نقل کرنے میں بھی احتیاط نہیں کر سکتا۔

نگیری ازو احتیاطا حدیث
 خصوصا بتروج دیش خبیث
 اس (بدعتی) سے احتیاطا حدیث قبول مت کر، خصوصا (وہ حدیث) جو اس کے دین
 خبیث (بدعت) کی ترویج سے متعلق ہو۔

خوارج روافض دَر معزل
 نباشد چو محتاط قوش بہل
 خوارج، روافض، دوسرے معزل، جب محتاط نہیں ہو سکتے ان کے قول کو چھوڑ دے۔

یعنی خوارج روافض، معتزلہ بھی بدعتیوں کی طرح حدیث بیان کرنے میں محتاط نہیں ہو سکتے اس لئے ان کی حدیث بھی قابل قبول نہیں۔

بیان طعن در ضبط

(ضبط میں طعن کا بیان)

بود طعن در ضبط از پنج چیز

یکے فرط غفلت کہ شد بے تمیز

ضبط میں طعن (خلل) پانچ چیزوں سے ہوتا ہے، ایک غفلت کی زیادتی (کہ جس سے آدمی) بے تمیز ہو جائے۔

بود در سماع و تحمل غفول

دویم شد غلط در ادائے نقول

(حدیث کے) سننے اور اس کا تحمل کرنے میں غفلت کرنے والا ہو، دوسرے احادیث کے نقل کرنے میں غلطی ہو۔

یعنی اگر راوی میں غفلت کی زیادتی ہے کہ حدیث کے سننے میں غفلت کرتا ہے یا حدیث کے سننے میں تو غفلت نہیں کرتا البتہ حدیث نقل کرنے میں غلطی کرتا ہے، ان دونوں چیزوں کی وجہ سے اس کے ضبط میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔

قریب اند ایں ہر دو قسم اے عزیز

بسمع و ادا ہر دورا کن تمیز

یہ دونوں قسم اے عزیز قریب قریب ہیں، سننے اور ادا کرنے میں ہر دو کو تمیز کر۔
یعنی اول (غفلت) کا تعلق حدیث کے سننے سے ہے اور دوم (غلط) کا تعلق ادائے حدیث سے ہے اس لئے دونوں قریب قریب ہیں دونوں کو الگ الگ تمیز کرنا چاہیے۔

سویم آنکہ آرد خلاف ثقات
 بمعن و در اسناد اے نیک ذات
 تیسرے کہ ثقہ راویوں کے خلاف نقل کرے، متن میں اور اسناد میں اے نیک ذات۔
 بہر چونکہ باشد خلاف ثقہ
 شذوذ آید اندر حدیث اے سرہ
 بہر صورت چونکہ یہ خلاف ثقہ ہے، (اس سے) حدیث میں شذوذ آ جاتا ہے اے سردار۔
 یعنی ثقہ راویوں کی مخالفت متن حدیث میں ہو یا اس کی سند میں بہر دو صورت اس
 سے شذوذ آ جاتا ہے یعنی حدیث شاذ ہو جاتی ہے۔

چہارم بود وہم راوی کز اس
 روایت کند برخلاف سراں
 چوتھے راوی کا وہم ہے جس کی وجہ سے وہ، دوسرے سرداروں (ثقہ راویوں) کے
 خلاف روایت کرتا ہے۔

بود پنجمیں سوئے حفظ اے عزیز
 قریب اند ایں ہر دو راکن تمیز
 پانچویں سوئے حفظ ہے اے عزیز! (یہ دونوں) قریب قریب ہیں ان دونوں کو تمیز کر۔
 یعنی سوئے حفظ اور وہم یہ دونوں قریب قریب ہیں۔
 بود وہم و نسیاں خلائے کہ کرد
 شذوذ آمد ازوے در اخبار مرد
 وہم و نسیان ہوتا ہے (جس کی وجہ سے ثقہ راویوں کی) مخالفت کی، اس سے شذوذ
 آ گیا مرد کی اخبار میں۔

یعنی وہم و نسیان ہی ثقہ حضرات کی مخالفت کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے اس راوی

کی احادیث شاذ ہو جاتی ہیں۔

معلل شود آں حدیث بدو

روایت ازاں کس نباشد نکو

اس کی وجہ سے اس کی حدیث معلل ہو جاتی ہے، اس شخص سے روایت کرنا درست نہیں ہوتا۔

یعنی سوئے حفظ اور وہم و نسیان کی وجہ سے ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے کی صورت میں وہ حدیث معلل ہو جاتی ہے۔

اگر سوئے حفظش ملازم شود

حدیثش کجا معتبر می شود

اگر اس کی سوئے حفظ لازمی ہو، اس کی حدیث کہاں معتبر ہوتی ہے۔

بود شاذ ایں ہم نام اے پسر

نباشد حدیثش گبے معتبر

اس کا نام بھی شاذ ہے اے بیٹا، اس کی حدیث کبھی بھی معتبر نہیں ہوتی۔

ور از عارض پیری و یاغی

ویا گم شد از دے کتب ہکذا

اور اگر بڑھاپے اور اندھے پن کے عارض کی وجہ سے ہے، اور یا اسی طرح اس کی

کتابیں گم ہو گئیں۔

پس ایں قسم را مخط نام کن

توقف بحکمش در انجام کن

پس اس قسم کا مخط نام کر، انجام کار اس کے حکم پر توقف کر۔

یعنی حدیث معلل کی دو قسمیں ہیں (۱) شاذ (۲) مخطوط۔

شاذ: اگر سوائے حفظ دائمی ہے تو اس کا نام بھی شاذ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ کبھی بھی معتبر نہیں۔

مخطوط: اور اگر سوائے حفظ کسی عارض کی بنا پر ہے تو اسکی حدیث کا نام مخطوط ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر توقف کیا جائے گا۔

روایت اگر کرد قبل اختلاط

بر وہم عمل کن بصدد احتیاط

اگر اس نے اختلاط سے قبل روایت کی ہے، اس پر بھی سو احتیاط کے ساتھ عمل کر۔

اگر اورا شواہد توابع بود

پس البتہ مقبول و واثق شود

اگر اس کے لئے شواہد توابع ہوں، پھر البتہ وہ مقبول و واثق ہوتی ہے۔

یعنی حدیث مخطوط کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک وہ جو اختلاط سے قبل روایت کی ہے۔

(۲) دوم وہ جو اختلاط کے بعد روایت کی ہے۔

اول کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل درست ہے مگر اسمیں بھی انتہائی احتیاط ضروری ہے۔

دوم کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے شواہد توابع ہوں تو وہ حدیث مقبول و معتبر ہے اور اگر

شواہد توابع نہ ہوں تو پھر وہ حدیث مخطوط معتبر نہیں۔

ہمیں حکم مشہور مرسل بود

مدلس قیاسا بروی شود

مرسل کا بھی حکم مشہور یہی ہے، مدلس کو بھی اس پر قیاس کیا جاتا ہے۔

یعنی جو حکم حدیث مختلط نمبر دو کا ہے وہی حکم مرسل و مدلس کا بھی ہے کہ اگر ان کے شواہد
دو تابع ہیں تو مقبول و معتبر اور اگر شواہد دو تابع نہیں تو غیر مقبول و غیر معتبر۔

بیان عزیز و غریب کہ از اقسام صحیح اند

(عزیز و غریب کا بیان جو کہ صحیح کی اقسام سے ہیں)

حدیث صحیحہ اگر راوی

یکے شد غریب اے پسر نامیش

کسی صحیح حدیث کا راوی اگر، ایک ہو جائے تو اس کا نام غریب ہے اے بیٹا۔

وگر دو بود پس عزیزش بداں

وگر زائد از وے تو مشہور خواں

اور اگر دو ہوں تو اس کو عزیز جان، اور اگر دو سے زائد ہوں تو اس کو مشہور کہہ۔

وگر تاواتر رسید آں خبر

تو متواتر نام کن اے پسر

اور اگر وہ خبر تاوتر تک پہنچ جائے، تو اس کا نام متواتر کراے بیٹا۔

غریب: وہ صحیح حدیث جس کا راوی ایک ہو۔

عزیز: وہ صحیح حدیث جس کے راوی دو ہوں۔

مشہور: وہ صحیح حدیث جس کے راوی دو سے زائد ہوں۔

متواتر: وہ صحیح حدیث جس کے راوی تاوتر کی حد کو پہنچے ہوئے ہوں۔

تواتر: کسی حدیث کے نقل کرنے والے اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ان سب کا

جھوٹ پر جمع ہونا عقلاً محال ہو۔

اقسام غریب یعنی فرد (غریب یعنی فرد کے اقسام)

اگر راوی ہر کجا یک بود
پس آن فرد مطلق مسمی شود
اگر اس کا راوی ہر جگہ ایک ہو، پس اس کا نام فرد مطلق ہے۔
ولا اضافی بود فردوے
بقسمت عزیز ایں چنین بر تووے
ورنہ تو وہ فرد اضافی ہے، عزیز کی تقسیم بھی تجھ پر اسی طرح لازم ہے۔
دو راوی بود ہر کجا در عزیز
عزیز است مطلق بنزد تمیز
عزیز میں اگر ہر جگہ دو راوی ہوں، اہل تمیز کے نزدیک وہ عزیز مطلق ہے۔
بمشہور ہر جا چو بسیار شد
دو شہرہ مطلق اظہار شد
اگر ہر جگہ (دو سے) زیادہ ہوں وہ مشہور ہے، اس میں مطلقاً شہرت کا اظہار ہو گیا۔
پس راوی یک شد بیک جاد رو
بواقی ثنی تو فردش بگو
پس اگر اس میں ایک جگہ ایک راوی ہو، باقی ہر جگہ دو ہوں تو اس کو فرد کہہ۔
مگر شد ثنی بیک جائے دو
ہمہ جاست زاید عزیزش بگو
اگر ایک دو جگہ دو راوی ہوں، باقی ہر جگہ دو سے زائد اس کو عزیز کہہ۔

دریں جاست حاکم اقل بر کثیر
 بعکس دگر جا تو این ش یاد گیر
 اس جگہ اقل کثیر پر حاکم ہے، دوسری جگہ اس کا عکس ہے تو اس کو یاد کر لے۔
فرد مطلق: اگر ہر جگہ ایک راوی ہو اس کو فرد مطلق کہتے ہیں۔
فرد اضافی: اگر ایک دو جگہ یا چند جگہ ایک راوی ہو باقی جگہ زیادہ اس کو فرد اضافی کہتے ہیں۔

عزیز مطلق: اگر ہر جگہ دو راوی ہوں اس کو عزیز مطلق کہتے ہیں۔
 اگر ایک جگہ ایک راوی ہو باقی سب جگہ دو اس کو بھی 'فرد' کہتے ہیں۔
مشہور: ہر جگہ دو سے زائد راوی ہوں اس کو 'مشہور' کہتے ہیں۔
عزیز: اگر کسی ایک جگہ دو راوی ہوں باقی جگہ زیادہ اس کو بھی 'عزیز' کہتے ہیں۔
تنبیہ: اس جگہ اقل کا اعتبار کیا گیا ہے باقی ہر جگہ اس کا عکس ہے کہ اکثر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

بیان اصطلاح دیگر در معنی غریب

(غریب کے معنی میں دوسری اصطلاح کا بیان)

غرا بت گہے بر شذوذ آمدہ
 کہ مطعون ازاں آں حدیث شدہ
 شذوذ کے اوپر بھی کبھی غرا بت کا اطلاق ہوتا ہے، کہ جس کی وجہ سے اس کی حدیث مطعون ہو گئی۔

شذوذ آمدہ گہے بمعنی غریب
 کہ راوی او مفر دست اے حبیب
 شذوذ کبھی غریب کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، اس لئے کہ اس کا راوی اکیلا ہے اے حبیب۔

یعنی شنوؤ، کے اوپر غرا بت اور غرا بت کے اوپر شنوؤ کا اطلاق ہو جاتا ہے مناسبت ظاہر ہے۔

فائدہ

پس اے دوست معلوم باشد ترا
صحیح و غریب است یکجا روا
پس اے دوست تجھ کو معلوم ہونا چاہئے، کہ صحیح و غریب (دونوں) ایک جگہ
درست ہیں۔

کہ باشد رجال احادش ثقات
ز صحت و غربت بیابی صفات
کہ اس کے رجال آحاد سب ثقہ ہوں، تو صحت و غربت دونوں صفات اس میں موجود
ہیں۔ (اس لئے وہ حدیث صحیح بھی ہے اور غریب بھی)
گے شاذ آید بمعنی غریب
کہ راوی ثقہ یک بود اے حبیب
کبھی شاذ غریب کے معنی میں بھی آتا ہے، کہ راوی ثقہ ایک ہوا اے حبیب۔

بیان اقسام ضعیف

(ضعیف کی اقسام کا بیان)

وَرَّ صحت و حسن نبود درو
ضعیفش بداں نام اے نیک خو
اور اگر صحت و حسن اس میں نہ ہو، اس کا نام ضعیف جان اے نیک خو۔

ضعیف است اقسام او بیشتر
صحیح ایں چنین ہست نیکو نگر
ضعیف کے اقسام متعدد ہیں، اسی طرح صحیح کے اقسام بھی متعدد ہیں اے نیک نظر۔
ولے ہر دو دارد بمقسم خصوص
بہم شد بقید ونصوص
اور لیکن ہر دو کا مقسم خاص ہے، قید ونصوص کے ساتھ آپس میں جمع ہو جاتی ہیں۔
یعنی ضعیف و صحیح دونوں الگ الگ قسم ہیں لیکن ان میں قیود ملانے سے دونوں آپس
میں جمع ہو جاتی ہیں کہ ایک حدیث صحیح بھی ہوتی ہے اور ضعیف بھی۔
برائے ہمیں ترمذی در کتاب
صحیح و حسن کردہ یک را خطاب
اسی وجہ سے ترمذی نے کتاب کے اندر، صحیح و حسن ایک کو ہی خطاب کیا ہے۔
یعنی جس طرح صحیح و غریب ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں اسی طرح صحیح و حسن بھی دونوں جمع
ہو جاتی ہیں اس وجہ سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں ایک ہی
حدیث کو صحیح و حسن کہا ہے۔

بلغفہ گہے او غریب حسن
جمع ہر سہ را کردہ گہے بے سخن
کبھی اس نے 'غریب و حسن' کہا ہے، کبھی تینوں کو جمع کر دیا ہے بلاشبہ۔
یعنی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع ترمذی میں ایک ہی حدیث کو 'غریب حسن' کہا،
اور کہیں صحیح، حسن، غریب، تینوں کو جمع کر دیا اور ایک ہی حدیث کو 'صحیح حسن غریب' کہا ہے۔
صحیح و حسن جمع آساں بود
لذاتہ حسن صحت غیرے شود
صحیح و حسن کو جمع کرنا آسان ہے، حسن لذاتہ ہی صحیح لغیرہ ہے۔

یعنی ایک ہی حدیث صحیح بھی ہو حسن بھی ہو دونوں کا جمع ہونا آسان ہے کہ حسن لذاتہ ہی صحیح لغیرہ ہے۔

فَاتَمَّا غَرِيبٌ وَحَسَنٌ مُّشْكَلٌ اسْت

تَعْدُدُ طَرَقَ دَرِ حَسَنٍ دَاخِلٌ اسْت

غریب و حسن کا جمع ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ حسن میں تعدد طرق داخل ہے۔
یعنی حدیث حسن کے لئے تعدد طرق شرط ہے، غریب میں ایسا نہیں اگر تعدد طرق ہو تو پھر غریب، غریب نہیں رہتی بلکہ حسن بن جاتی ہے۔
اس لئے دونوں کا بیک وقت جمع ہونا مشکل ہے۔

غَرَابَتٌ چُكُونُهُ بُودِ اَنْدَرُو

جَوَابُهُ بِتَاوِيلٍ اَوْ رَا بَکُو

اس میں غرابت کس طرح ہو سکتی ہے، اس کا جواب تاویل کے ساتھ دیجئے۔
کہ از اختلاف روایت شدہ
بلفظ حسن یا غریب آمدہ
کہ یہ اختلاف روایت کی وجہ سے ہوا ہے، ایک لفظ سے حسن ایک سے غریب آیا ہے۔
یعنی اختلاف روایت کی وجہ سے حسن، غریب، کہا ہے کہ ایک روایت کے اعتبار سے وہ حدیث حسن، ہے اور دوسری روایت کی وجہ سے غریب۔

بیان حکم عمل برآں اقسام

(ان اقسام پر عمل کے حکم کا بیان)

صحیح و حسن چوں لذاتہ بود

عمل کر دیش بر تو لازم شود

جب صحیح و حسن لذاتہ ہو، اس پر عمل کرنا تجھ پر لازم ہے۔

ضعیف از تعدد رسد تا حسن
 بدال احتجائے کن اے نیک ظن
 حدیث ضعیف تعدد طرق کی وجہ سے اگر حسن کے درجہ کو پہنچ جائے، اس سے
 احتجاج کراے نیک ظن۔

یعنی وہ بھی حجت پکڑنے کے قابل ہے۔
 ولے منفرد کاں ضعیف است اگر
 بود در فضائل عمل معتبر
 اور لیکن اگر وہ حدیث ضعیف منفرد ہے، فضائل میں اس پر عمل کرنا معتبر ہے۔
 یعنی حدیث ضعیف فضائل میں حجت ہے احکام میں حجت نہیں۔

فائدہ

بخاری و مسلم صحیح السند
 چو ہر دو شود متفق شد اشد
 بخاری و مسلم جو صحیح السند ہیں، جب دونوں متفق ہو جائیں تو وہ حدیث بہت سخت
 ہو جاتی ہے۔

یعنی کتب احادیث میں بخاری و مسلم سب سے زیادہ صحیح السند ہیں یہ دونوں حضرات
 اگر کسی حدیث پر متفق ہو جائیں یعنی دونوں نے اس کو بیان کیا ہو تو وہ حدیث سب سے زیادہ
 قوی اور پختہ سمجھی جائے گی۔

ہمہ دو ہزار و سہ صد ہشت و شش
 بود متفق زان بدل نقش کش
 تمام دو ہزار تین سو چھیاسٹھ احادیث ہیں، جن پر دونوں متفق ہیں دل میں نقش کر لے۔

حدیث کہ زیں ہر دو متروک گشت

مستدرک حاکم آں نقش ہست

جو احادیث ان دونوں سے متروک ہو گئیں، مستدرک حاکم میں وہ نقش ہیں۔

یعنی جو صحیح احادیث امام بخاری و امام مسلم سے متروک ہو گئیں کہ ان دونوں حضرات

نے انکو صحیحین میں نقل نہیں فرمایا، انکو حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں جمع کر دیا ہے۔

احادیث غیر مکرر درو

ہزار است و پار اے عزیز نکو

اس میں غیر مکرر احادیث، ایک ہزار پار ہیں اے پیارے عزیز۔

ثلاثی از وبست و دو آمدہ

بواقی رباعی وغیرہ شدہ

اس (بخاری) سے ثلاثی بائیس آتی ہیں، باقی رباعی وغیرہ ہیں۔

یعنی بخاری شریف میں بائیس احادیث ثلاثی ہیں باقی رباعی، خماسی وغیرہ۔

ثلاثی: وہ احادیث کہلاتی ہیں جس کی سند میں مصنف کتاب سے حضرت نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہوں۔

رباعی: وہ جن میں چار واسطے ہوتے ہیں علیٰ ہذا القیاس۔

ثلاثی: احادیث سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ عمدہ سمجھی جاتی ہیں۔

بہ مسلم رباعی حدیث است و بس

ثلاثی نیاید دراں خوش نفس

مسلم کے اندر صرف رباعی ہیں، اس میں ثلاثی نہیں ہیں اے خوش نفس۔

رباعی شہاد و چند آمدہ

ولے ترمذی را ثلاثی شدہ

اس (مسلم) میں رباعی اسی اور چند ہیں یعنی اسی سے کچھ زائد ہیں اور لیکن ترمذی

کے لئے ثلاثی ہیں یعنی ترمذی شریف میں بھی بعض احادیث ثلاثی ہیں۔

صحابہ ستہ

بخاری و مسلم و ترمذی

ابوداؤد وابن ماجہ نسائی

موطاست برقول جامع اصول

ششم اندریں ستہ اے ذی العقول

جامع اصول کے قول کے مطابق موطا، ان چھ میں چھٹی ہے اے عقلمند۔

بتاریخ مسلم بگو راس را

بخاری بود نور اے خوش ادا

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات کے لئے راس، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے

لئے نور ہے اے خوش ادا۔

یعنی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دو سو اکٹھ ہے جو لفظ 'راس' سے نکلتی ہے، کہ

لفظ راس کے عدد ۲۶۱ ہوتے ہیں، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دو سو چھپن ہے

جو لفظ نور سے نکلتی ہے، کہ لفظ 'نور' کے عدد ۲۵۶ ہوتے ہیں۔

بود مالک و ترمذی را وفات

بقطع و عطر یاد کن نیک ذات

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات، قطع، و عطر، سے

نکلتی ہے اس کو یاد کر لے اے نیک ذات۔

یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات ایک سو اسی ہے اور لفظ 'قطع' کے عدد بھی

۷۹ ہوتے ہیں۔

اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دو سو انا سی ہے، جو لفظ 'عطر' سے نکلتی ہے لفظ 'عطر' کے عدد ۲۷۹ ہوتے ہیں۔

بتاریخ احمد بگو امر را

بود شافعی را دُرّ اے خوش لقا

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات کے لئے کہ، امر، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے 'دُرّ' اے خوش لقا۔

یعنی امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دو سو اکتالیس ہجری ہے جو لفظ 'امر' سے نکلتی ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات دو سو پانچ ہجری ہے جو لفظ 'دُرّ' سے نکلتی ہے۔

بداں ابن ماجہ بتاریخ او

ہمیں لفظ "رعد" ست یا درع گو

امام ابن ماجہ کی تاریخ وفات کے لئے، یہی لفظ 'رعد' یا 'درع' کہو۔

یعنی امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات ۲۷۴ ہجری ہے، جو لفظ 'رعد' یا 'درع' سے نکلتی ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے عدد ۲۷۴ ہوتے ہیں۔

اصطلاح دیگر بقول شیخ اسلام ہروی

(ایک دوسری اصطلاح شیخ اسلام ہروی کے قول کے مطابق)

بداں اصطلاح دُرّ در ادا

اگر حدیث گفت راوی بنا

ادائے حدیث میں ایک دوسری اصطلاح جان لے، اگر راوی نے حدیث 'نا' کے

ساتھ کہا ہے۔

یعنی ”حدثنا“ کہا ہے۔

شنید است شاعر و استاد خواند
بعکس بگو ’خبرنی‘ جوان

شاعر نے سنا ہے اور استاد نے پڑھا ہے، اگر اس کا عکس ہو تو خبرنی کہ اے جوان۔
یعنی اگر استاد نے پڑھا شاعر نے سنا تو لفظ حدث اور اگر اس کا عکس ہے کہ شاعر
نے پڑھا استاد نے سنا تو لفظ ”اخبار“ استعمال کیا جاتا ہے، اگر شاعر دیک ہے تو ”حدثنی۔
اخبارنی“ اور اگر ایک سے زائد ہیں تو حدثنا اور اخبارنا۔

بنا شد عبارت ازاں اولیں
انا انبأ خاص بعد پسیں

نا عبارت ہے اس میں اول سے، انا، انبأ، خاص پچھلے کے لئے۔
یعنی محدثین اختصار کی وجہ سے حدثنا کے بجائے لفظ ’نا‘ استعمال کرتے ہیں جو حدثنا،
کے ہی معنی میں ہوتا ہے، اور اس کو حدثنا ہی پڑھا جاتا ہے۔ اور لفظ انا، انبأ نا اخبارنا، کے لئے
استعمال کرتے ہیں۔

ر استاد قاری ست شاعر دیک
بگو حدث راہ ’نی‘ غیر شک

اگر استاد قاری ہے اور ایک شاعر ہے، تو حدث، کو، نی، کے ساتھ ملا کر کہہ بلا شک۔
یعنی، ”حدثنی“ اور استاد کے قاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی قرأت
خود استاد کر رہا ہو۔

تا میند بسیار باشد ار
بگو، نا، دراں جا تو اے پرہنر

اگر شاعر زیادہ ہوں، تو اس جگہ ’نا‘ کہہ تو اے ہنرمند۔

یعنی شاگرد ایک سے زائد ہیں اور استاد نے حدیث کی قرأت خود کی ہے تو اس وقت حدیثاً کہیں گے۔

بلغت است ابن وہب اندریں
کہ شد پیش او اصطلاح چنیں
ابن وہب نے اس میں بیان کیا ہے، کہ ان کے نزدیک اصلاح اسی طرح ہے۔
باستاد خواند است اگر دیرے
چوں تو بشنوی خبر گو بے
اگر استاد پر کسی دوسرے نے پڑھا ہے، جب تو سنے خبر کہہ بے شک۔
یعنی استاد کسی دوسرے کو پڑھا رہا ہے اور حدیث کی قرأت شاگرد کر رہا ہے آپ بھی
سن رہے ہیں تو 'اخبرنی' کہیں گے۔

وَرَّ اِجَازَت مَنَادِل بَدَا
ہمی گفستہ اند 'انبا' عاقلان
اور اگر اجازت ہو تو اس کو منادل، جان اسی کو مظلندوں نے انبا کہا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ کس کو استاد نے پڑھنے کی نوبت آئی نہ سننے کی البتہ استاد نے اپنی
لکھی ہوئی حدیثیں دیدیں اور اجازت دیدی کہ میری طرف سے ان احادیث کو بیان کر سکتے
ہو تو اس کو 'منادلہ' کہتے ہیں اور یہ کہ گردان احادیث کو اپنے اس استاد سے لفظ 'انبا' نا
سے بیان کرے گا۔

ولیکن نہ برخواندن و بر سماع
کے 'انبا' گفستہ است الوداع
لیکن استاد سے نہ پڑھنے کی شکل میں صرف سننے کی شکل میں بھی بعض نے 'انبا' کہا

ہے۔ ﴿جیسا کہ پہلے نذر﴾

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ یہ ابن وہب کی اصطلاح کے مطابق ہے 'الوداع' الوداع کا مطلب یہ ہے کہ یہ احادیث سے متعلق بیان ختم ہو چکا، آگے محدثین کے طبقات کو بیان کیا جائے گا۔

بیان طبقات روات

(راویوں کے طبقات کا بیان)

بتقریب گفت است طبقات را
کہ شد دوازده جنگلی مصطفیٰ

مضمون کی قریبی مناسبت کی وجہ سے راویوں کے طبقات کو بھی بیان کیا ہے، کہ تمام بارہ 'طبقات' ہیں اے مصطفیٰ۔

یکے شد صحابہ کہ شاں دیدہ اند
رسول امیں را و گرویدہ اند

ایک طبقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے کہ انہوں نے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ان کے گرویدہ ہوئے ہیں۔

صغیر و کبیر اند یکساں ہمہ
عدول اند ایشان صدوق و سرہ

چھوٹے بڑے تمام یکساں ہیں، (کہ تمام کے تمام) عدول و صدوق اور معتمد ہیں۔

دویم تابعین اند و شد قسم پنج
سویم تبع تابع سہ قسمش پنج

دوسرے تابعین ہیں اور ان کی پانچ قسمیں ہو گئیں ہیں، تیسرے تبع تابعین، ان کی تین

قسمیں ہیں غور کر۔

چہارم موخر زاتباع تبع
 بود نیز سر قسم بر حسب سمع
 چوتھے وہ جو تبع تابعین کے بعد ہیں، ان کی بھی تین قسمیں ہیں سننے کے مطابق۔

صغار موخر شدہ ترمذی
 تو ملحق ہواں شیخ ستہ کنی
 صغار موخرین میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، تو ان کو بھی ان ہی اصحاب ستہ کے
 ساتھ ملحق کر۔

بامندک زمان ست تاخیر شہاں
 چوبعضے شیوخ از نسائی اے جواں
 تھوڑا زمانہ ان کا موخر ہے، جیسے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض شیوخ اے جواں۔
 بود طبقہ اول و دوم را
 در اول صدی موت اے خوش لقا
 طبقہ اول اور دوم کی، اول صدی میں وفات ہوگئی ہے اے خوش لقا۔
 ہواں طبقہ سوم تا ثامنہ
 پس مائتہ اولی ست موت ہمہ
 طبقہ سوم سے آٹھویں طبقہ تک، کی تمام کی وفات اول صدی کے بعد ہوئی ہے۔
 دگر تاسعہ تا آخر تمام
 وفات است بعد از دو صد و السلام
 دوسرے نویں طبقہ سے آخر تک تمام، کی وفات دو صدی کے بعد ہے والسلام۔

فائدہ

در بیان معرفت مراتب رجال دواز دگانہ

(بارہ طبقات کے حضرات کے مراتب کی معرفت کے بیان میں)

یکے شد صحابہ بعدیل او

صحابت کفایت بود اندرو

ایک طبقہ صحابہ کا ہے اس کی تعدیل کے لئے، اس کا صحابی ہونا کافی ہے۔

دوم اوثق الناس گفتہ شود

ویا لفظ مدحش مکرر بود

دوسرے اوثق الناس کہا گیا ہو، اور یا اس کی مدح کا لفظ مکرر ہو۔

سومیم آنکہ مدحش مکرر نہ کرد

فقط ثبت یا عدل گفتہ ست فرد

تیسرے وہ کہ اس کی مدح مکرر نہ کی ہو، صرف ثبت، یا عدل، تنہا کہا ہو۔

چہارم صدوق ست والا باس بہ

چونچم صدوق است الا حفظ لہ

چوتھے، صدوق والا باس بہ، جیسے پانچویں، صدوق الا حفظ لہ۔

بگویند یا آنکہ وہام بہت

پس اصحاب بدعت بدیں ملحق ست

یا یہ کہیں گے کہ وہ ”وہام“ ہے، پس اصحاب بدعت اسی کے ساتھ ملحق ہیں۔

ششم آنکہ غلقات بسیار بہت

ولے علت ترک نبود بدست

چھٹے وہ کہ غلقات بہت ہیں، لیکن ہاتھ میں علت ترک بھی نہیں ہے۔

تو مقبول لین حدیث بخواں
 بلین الحدیث ست اشارہ بداں
 تو اس کی حدیث کو مقبول لین کہہ، لین الحدیث سے اسی کی طرف اشارہ جان۔
 زہتم رواۃ کہ دو مرد کنند
 ولے واثق او را ندانستہ اند
 ساتویں وہ راوی کہ دو مرد روایت کریں، اور لیکن، واثق، معتمد اسکو نہ جانا ہو۔
 اشارہ کنندش بمستور حال
 وگر حال مجہول شد در مقال
 اسکی طرف مستور الحال کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں، اگر اسکا حال گفتگو میں مجہول ہو۔
 بود ہشتمین غیر موثوق وہم
 مزیف بالا جمال سازند کم
 یہ آٹھویں قسم بھی غیر موثوق ہے اور اس کو مزیف بالا جمال بھی کم کرتے ہیں۔
 مطلب یہ ہے کہ اس کی غیر موثوق ہونا بیان کر دیا جاتا ہے۔
 اشارت بلفظ ضعیف است ازاں
 نہم آنکہ راویش جزیک مداں
 لفظ ضعیف سے اسی سے اشارہ ہوتا ہے، نویں وہ اس کا راوی ایک کے علاوہ نہ جان۔
 یعنی صرف ایک راوی ہو۔

اشارت بدو لفظ مجہول داں
 وہم غیر موثوق واضعف چناں
 لفظ مجہول سے اسکی طرف اشارہ جان، اور غیر موثوق اور اضعف سے بھی اسی طرح۔

کہ ضعفش بقادح بیاں کردہ اند
 تو متروک وواہی بگو بگیز ند
 کہ اسکا ضعف ہونا علت کے ساتھ بیان کر دیا ہے تو اسکو متروک وواہی کہہ بے تکلف۔
 وہ ویک شدہ کاذب وپر فروغ
 کلامش ہمیشہ بود بے فروغ
 گیارہویں قسم ہے کاذب اور بہت جھوٹا، اسکا کلام ہمیشہ بے فروغ ہوتا ہے۔
 وہ وودو کہ باوضع اندر حدیث
 شدہ متہم آل حسیں وخبیث
 بارہویں وہ جو حدیث کے اندر وضع کے ساتھ، وہ کمینہ اور خبیث متہم ہو۔
 بدجال وکذاب وضاع داں
 اشارہ بدیں ہر دو کس ابجواں
 دجال وکذاب اور وضاع سے، اشارہ انہیں دو شخصوں کی طرف جان اے جوان۔
 ہمیں اصطلاحات قدرے ضرور
 کفایت بود مرترا بے قصور
 اسی قدر یہی ضروری اصطلاحات تیرے لئے بے قصور کافی ہوں گے۔
 بضعف بصر بہر خلق خدا
 بیاں ایں قدر کردم اے مصطفیٰ
 ضعف بصر کے باوجود خلق خدا کے نفع کیلئے، اس قدر میں نے بیان کر دیا اے مصطفیٰ۔
 بکن یادومر دیہراں را رساں
 بگیرنی نفع از دعاء کساں
 یادکر اور دوسروں کو پہونچا، لوگوں کی دعا سے نفع حاصل کر۔

خدا یا رساں نفع زیں خلق را
 ثوابش مرادہ بروز جزا
 اے خدا اس سے مخلوق کو نفع پہنچا، مجھ کو اس کا ثواب بروز جزاء عطا فرما۔
 وزیں بعد ضعف بصر مانع ست
 کہ جزوے زتصنیف گیرم بدست
 اس کے بعد ضعف بصر مانع ہے، کہ تصنیف کا کوئی حصہ ہاتھ میں لوں۔
 بسال ہزار و دو صدی و شش
 شدہ ختم ایں نسخہ اے نیکوش
 سن بارہ سو چھتیس کو، یہ نسخہ ختم ہوا اے نیک مرد۔
 زبں نفع ایں 'ظلم بسیار بود
 بمنظوم نافع مسمی نمود
 اس 'ظلم کا نفع حد سے زیادہ تھا، اس لئے منظوم نافع اس کا نام رکھ دیا۔

دعا

الہی برائیاں کنی خاتمہ
 بحق نبی و بنی فاطمہ
 الہی! ایمان پر میرا خاتمہ فرما، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اور
 حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے طفیل میں۔
 بنزع و بخر مکن شر مسار
 خدایا مرا بخش و جرم گزار
 نزع کے وقت اور محشر میں مجھ کو شر مند نہ کیجیو، اے خدا مجھ کو بخش دے اور میرے جرم
 کو معاف فرما۔

کجا جز تو عاصی بجوید پناہ
 کہ ستار و غفار ہستی الہ
 گنہگار شخص تیرے سوا کہاں پناہ تلاش کرے، اسلئے کہ الہی تو ہی ستار، و غفار، ہے۔
 شفیع کناں سید پاک را
 کہ ایماں برو دارم از ابتداء
 سید پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا شفیع بنادے، اس لئے کہ میں ابتداء سے ہی ان پر
 ایمان رکھتا ہوں۔

بجز پاک کلمہ ندارم عمل
 طفیلش کرم کن تو اے عز وجل
 پاک کلمہ کے سوا میں کوئی عمل نہیں رکھتا، اس کے طفیل کرم فرما اے بزرگ و برتر۔
 گنہگار خود را الہی بہ بخش
 خط عفو را بر جرائم بکش
 اپنے گنہگار کو الہی بخش دے، عفو کا قلم جرائم پر کھینچ دے۔



ہدایت

صاحب مشکوٰۃ نے فن حدیث کے ماہرین انمہ کا تذکرہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں اجمالی طور سے کیا ہے۔ شیخ محدث دہلویؒ نے اپنی مستقل نلیحدہ کتاب الاکمال بذکر اسماء الرجال میں ان انمہ ماہرین کے تفصیلی حالات تحریر فرمائے ہیں۔ خود صاحب مشکوٰۃ نے بھی الاکمال فی اسماء الرجال میں انمہ مذکورین کے مفصل حالات قلمبند فرمائے ہیں جو کتاب مشکوٰۃ کے آخر میں ملحق ہیں۔ ہم بھی مذکورہ انمہ حدیث کا مختصر طریقہ سے تذکرہ حصول سعادت کے لئے کر رہے ہیں۔

..... تذکرہ ائمہ محدثین رحمہم اللہ ❁

❁ امام بخاری ❁

نام و نسب: نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ، سلسلہ نسب یوں ہے: ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی الیمانی البخاری۔ (سیر ۱۲/۳۹۱)

ولادت: امام بخاری ۱۳ شوال ۱۹۲ھ میں جمعہ کی رات میں پیدا ہوئے آپ کی جائے پیدائش بخاری ہے۔

والدہ کی مستجاب دعا: آپ بچپن میں ہی نابینا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کی والدہ کو بہت تکلیف اور رنج و قلق رہتا تھا۔ نہایت ہی گریہ و زاری سے بارگاہ ایزدی میں ان کی بصارت کے لئے دعاء کیا کرتی تھیں ایک رات والدہ محترمہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ السلام فرما رہے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تیرے فرزند کو بصارت عطاء فرمادی چنانچہ صبح کو جب وہ انھیں تو اپنے لخت جگر کی آنکھوں کو روشن پایا۔ (البدایہ والنہایہ ۱۱/۳۱، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۳۹۳)

تعلیم و تربیت: ابھی آپ کم عمر ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ یتیم ہو گئے، والدہ کی آغوش تربیت میں پرورش پاتے رہے، پھر ۱۸ سال کی عمر میں اپنی والدہ اور بڑے بھائی کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے اور تحصیل علم کی خاطر وہیں رک گئے اس کے بعد تحصیل علم کا شوق آپ کو کشاں کشاں علمی درسگاہوں میں لے گیا۔ نیز اٹھارہ سال کی

عمر میں ہی تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ (سیر ۱۲/۴۰۰)

حفظ و ذہانت: ایک دن یوں ہوا کہ امام داخل اپنے نسخے سے لوگوں کو حدیث

سنارہے تھے اثناء درس ان کی زبان سے نکلا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم۔ امام بخاریؒ فوراً بول اٹھے کہ حضرت، ابوالزبیر ابراہیم سے روایت نہیں کرتے۔ امام داخلؒ نے انکی بات کو نہیں مانا تب بخاریؒ نے اصلی بیاض دیکھنے کو کہا چنانچہ امام داخلؒ اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور اصل نسخے پر نظر ڈالی پھر بخاریؒ کو بلا کر کہا کہ میں نے جو پڑھا تھا بلاشبہ وہ غلط تھا اب آپ بتائیں کہ صحیح کس طرح ہے بخاریؒ نے فرمایا کہ صحیح سفیان عن الزبیر عن عدی عن ابراہیم ہے۔ امام داخلؒ یہ سن کر حیران رہ گئے اور فرمایا کہ واقعی ایسا ہی ہے پھر قلم لے کر داخلؒ نے قراءت کے نسخے کی تصحیح کی یہ واقعہ امام بخاریؒ کی عمر کے گیارہویں سال کا ہے۔ (ظفر المصلین: ج ۹۵، سیر ۱۲/۳۹۳، تہذیب الکمال ۶/۲۳۰)

آپ نے سولہ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ اور حضرت امام وکیعؒ کی کتابوں کو مکمل حفظ یاد کر لیا تھا۔ نیز طلب حدیث کے لئے بڑے دور دراز کے پر مشقت سفر کئے۔ نہیں معلوم کہ اس سلسلہ میں بغداد، کوفہ، بصرہ، شام، مصر، نیشاپور کتنی مرتبہ جانا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ بچپن ہی میں آپ کو ستر ہزار احادیث سر دیا دتھیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۱/۳۱)

اساتذہ: آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) اساتذہ سے اکتساب فیض کیا اور وہ سب محدث تھے۔ (ظفر المصلین: ج ۹۷، سیر ۱۲/۳۹۵)

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں اسحاق بن محمد الرمادی، عبداللہ بن محمد المسندی، محمد بن خلف بن قتیبہ، نیز ابراہیم حربی، محمد بن نصر مروزی، مسلم بن الحجاج، ابو عیسیٰ ترمذی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (سیر ۱۲/۳۹۷)

حفظ و ذہانت کا ایک عجیب واقعہ: آپ کی ذہانت اور قوت

حافظہ کے واقعات مشہور و معروف ہیں: علامہ ذہبیؒ نے وراق سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حاشد بن اسماعیل اور ایک دوسرے صاحب کا بیان ہے کہ ہم لوگ مشائخ بصرہ کے پاس جایا کرتے تھے اور امام بخاریؒ بھی جاتے تھے، مگر امام بخاریؒ لکھتے نہیں تھے، جب چند ایام گزر گئے تو ہم نے کہا کہ تم کیا کرتے ہو لکھتے بھی نہیں۔ ایک دن امام بخاریؒ ہم سے کہنے لگے کہ تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے ذرا اٹو تو سہی تم نے کیا لکھا ہے چنانچہ ہم نے اپنی لکھی ہوئی احادیث سنائیں، مگر امام بخاریؒ نے پندرہ ہزار احادیث سے بھی زائد سنائیں اور ترتیب وار ان کو پڑھا اس کے بعد سے ہم لوگ اپنے لکھے ہوئے کو ان کے حافظہ کی مدد سے ملا کر تصحیح کرتے تھے۔ پھر امام بخاریؒ نے کہا کہ کیا تمہارا خیال ہے کہ میں یوں ہی وقت ضائع کر رہا ہوں۔ تب ہم لوگوں کو ان کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۸)

وفات: ۲۵۶ھ ہفتہ کی رات بوقت عشاء آپ کا وصال ہوا۔ اتفاق سے وہ عید الفطر کی رات تھی۔ آپ کی تدفین مقام خرتک میں عمل میں آئی جو سمرقند سے دو فرسخ کی دوری پر پڑتا ہے۔ (مقدمہ بخاری شریف: ۱۲/۴۶۸)

قبر سے مشک کی خوشبو کا آنا: جوں ہی آپ کو قبر میں اتارا گیا قبر سے مشک کی خوشبو آنے لگی اور ایک رات تک لوگ قبر کی مٹی اٹاتے رہے یہاں تک کہ منع کرنے پر بھی یہ سلسلہ نہ رکا تو مجبوراً قبر کے ارد گرد لکڑی کی ایک جالی لگا دی گئی تاکہ قبر محفوظ رہے اس کے باوجود لوگ آتے رہے اور ارد گرد کی مٹی لے جاتے رہے جب یہ خبر آپ کے مخالفین تک پہنچی تو وہ لوگ بھی آپ کی قبر مبارک پر آئے اور توبہ و ندامت کا اظہار کیا۔ (مقدمہ بخاری شریف، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۷)

خواب بعد از وفات: عبدالواحد بن آدمؒ نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

ایک جماعت تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔ عبدالواحد نے سلام کیا اور دریافت کیا کہ یہاں کیوں تشریف فرما ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن اسماعیل بخاریؒ کا انتظار کر رہا ہوں۔ عبدالواحد کہتے ہیں کہ جب مجھے امام بخاریؒ کی وفات کی خبر معلوم ہوئی اور میں نے غور کیا تو وہ وہی وقت تھا جس وقت میں نے خواب دیکھا تھا۔ (سیر۱۲/۴۶۸)

تاریخی جملہ: آپؒ کی تاریخ پیدائش و وفات اور کل مدت عمر اس جملہ سے نکلتی ہے۔

صدق حمید نور: ”صدق“ سے تاریخ پیدائش ۱۹۲ھ ”حمید“ سے کل مدت عمر ۶۲ سال، ”نور“ سے تاریخ وفات ۲۵۶ھ نکلتی ہے۔

تصانیف: امام بخاریؒ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں کچھ حسب ذیل ہیں:

- (۱) صحیح بخاری (۲) قضايا الصحابة والتابعين (۳) التاريخ الاوسط (۴) التاريخ الكبير (۵) التاريخ الصغير (۶) الادب المفرد (۷) القراءة خلف الامام (۸) المبسوط (۹) كتاب الكنى (۱۰) كتاب العلل (۱۱) الفوائد (الامام الترمذی والموازنة بين جامعه وبين الصحيحين ص: ۴۰)

صحیح بخاری: امام بخاریؒ کی صحیح کو جو مقبولیت حاصل ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے اس کا مکمل نام اس طرح ہے ”الجامع المسند الصحيح المختصر من امور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسنه وایامه“ اس کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل ہے۔

وجہ تالیف: امام بخاریؒ سے پہلے زیادہ تر رواج مسانید اور مصنفات کا تھا اس وقت تک بہت سی مسانید و مصنفات وجود میں آچکی تھیں۔ لیکن ان میں ہر طرح کی روایات جمع کی گئی تھیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام اسحاق بن راہویہؒ کی مجلس میں حاضر تھا وہاں ہمارے اصحاب میں سے کسی کی زبان سے نکلا۔ کاش تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے بارے میں کوئی مختصر سی کتاب جمع کر دیتے یہ خطاب اگرچہ تمام حاضرین سے تھا مگر امام موصوف کے دل میں یہ بات اتر گئی پھر اس کو ہمیز لگی اس خواب سے جو امام موصوف نے دیکھا تھا کہ وہ پنکھالے کر آنحضرت صلی علیہ وسلم کے اوپر سے کھیاں اڑا رہے ہیں۔ جس کی تعبیر معبرین سے یہ دریافت ہوئی کہ امام بخاریؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کذب کو دفع کریں گے۔ چنانچہ اس خواب نے آپ کے شوق و ہمت کو اور بلند کر دیا اور تالیف میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ (ظفر: ص ۱۱۰)

طریق تالیف: اس کی تالیف میں امام صاحب کو سولہ سال لگے اور طریق تالیف یہ تھا کہ پورے عرصہ میں جب آپ کسی حدیث کے لکھنے کا ارادہ کرتے تو کتاب میں لکھنے سے پہلے غسل کرتے استخارہ کر کے دو رکعت نفل ادا کرتے جب اس کی صحت پر خوب انشراح ہو جاتا تب اس کو کتاب میں جگہ دیتے تھے۔ (ظفر المصلین: ص ۱۱۱، سیر ۱۲/۴۰۴) و کان بصلی لکل ترجمۃ رکعتین۔



﴿امام مسلم﴾ (۲)

نام ونسب: نام - مسلم، کنیت - ابو الحسن، لقب - عساکر الدین، سلسلہ نسب یوں ہے: مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد بن کوشاذ الشیری۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۵۸، البدایہ والنہایہ ۴۰/۱۱)

ولادت باسعادت: امام مسلمؒ خراسان کے مشہور معروف شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے، آپ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے ایک قول ۲۰۲ھ کا اور ایک قول کے مطابق ۲۰۱ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ امام حاکم نے آپ کا سن وفات ۲۶۱ھ لکھ کر مدت عمر پچپن سال بتائی ہے اس حساب سے سنہ ولادت ۲۰۶ھ ہی درست ہے نیز ابن الاثیر نے بھی جامع الاصول کے مقدمہ میں اسی کو رائج قرار دیا ہے۔ (ظفر اھسلین)

سماع حدیث کے لئے اسفار کی ابتداء: علامہ ذہبیؒ نے آپ کے سماع حدیث کی ابتداء ۲۱۸ھ کو قرار دیا ہے گویا چودہ برس کی عمر سے سماع کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے، آپ نے مختلف مقامات کے اسفار کئے۔ عراق، حجاز، شام، مصر وغیرہ تو متعدد مرتبہ تشریف لے گئے، جبکہ یہ اس زمانہ کی بات ہے جس زمانہ میں سفر کرنا انتہائی دشوار گزار بات تھی۔ آج کل کی طرح سہل اور آسان نہیں تھا۔ (ظفر اھسلین)

شیوخ: آپ کے اساتذہ میں اسحاق بن راہویہ، امام ذہلی، یحییٰ بن یحییٰ، تمیمہ بن سعید، علی بن جعد، امام احمد بن حنبلؒ بطور خاص ذکر کئے جاتے ہیں۔ نیز امام بخاریؒ سے ان کے نیشاپور میں قیام کے زمانہ میں بہت کچھ استفادہ کیا۔ صحیح مسلم میں جن بزرگوں سے روایت کی ہے ان کی تعداد ۲۴۰ لکھی ہے۔ (تہذیب الکمال ۷/۹۵)

تلامذہ: امام ابو عیسیٰ ترمذی، احمد ابن ابی حاتم رازی، ابو بکر جاردی، ابو بکر بن خزیمہ انمہ فن جیسے حضرات آپ کے تلامذہ میں داخل ہیں۔ (تاریخ بغداد ۳/۱۰۳)

اخلاق، عادات، زہد و تقویٰ: آپ نے عمر بھر کسی کی غیبت نہیں کی اور نہ ہی کسی کو مارا اور نہ برا بھلا کہا، اس کے ساتھ ساتھ آپ کے قول و فعل میں یکسانیت تھی، تضاد کا وہاں گزرنہ تھا، آپ دن میں روزہ رکھتے، اور رات کو خدا کی یاد میں بسر کرتے۔

فضل و کمال کا اعتراف: پوری امت آپ کی امامت، جلالت شان اور علوم مرتبت کو تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ اسحاق بن منصور فرماتے ہیں: لن نعدم الخیر ما ابقاک للمسلمین۔ بندہ کہتے ہیں کہ دنیا میں حافظ حدیث چار ہیں: (۱) امام بخاری (۲) امام مسلم (۳) ابو زرعہ رازی (۴) امام دارمی۔ (تہذیب الکمال ۷/۹۷)

شفق علم کا ایک عجیب واقعہ: ایک دفعہ مجلس لگی اور ایک حدیث آپ کی خدمت میں پیش کی گئی آپ کو اس کا علم نہیں تھا چنانچہ گھر تشریف لے گئے۔ چراغ روشن کیا اور گھر والوں سے کہا کہ کوئی بھی میرے پاس نہ آئے۔ اور پھر حدیث تلاش کرنے لگے پاس ہی میں کھجور کی ایک ٹوکری رکھی ہوئی تھی اس میں سے ایک ایک کر کے کھجور اٹھا کر کھاتے رہے حتیٰ کہ حدیث کی تلاش و جستجو میں اتنے محو ہوئے کہ صبح ہو گئی، کھجوریں بھی سب ختم ہو گئیں اور حدیث بھی مل گئی۔ یہی واقعہ آپ کی وفات کا سبب بنا۔ اس سے امام صاحب کی علمی شینگی اور انہماک کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۱۰۳۰)

وفات: امام مسلم نے ۲۵/ربیع الثانی ۲۶ھ بروز یکشنبہ وفات پائی دوشنبہ کو جنازہ اٹھایا گیا اور نیشاپور کے باہر نصیر آباد میں دفن کئے گئے۔ ع
آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے (البدایہ النہایہ ۱/۴۲)

تصنیفات: آپ نے اپنی قلیل عمر میں بہت بڑا کارنامہ انجام دیا اور کئی کتابیں تصنیف کیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کوئی کتاب بھی آپ کی تصنیف نہ ہوتی تو صرف صحیح مسلم ہی کافی تھی۔

﴿ ۳ ﴾ امام مالکؒ

نام ونسب: نام مالک، کنیت ابو عبد اللہ، سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن عامر بن عمرو بن الحارث بن عثمان بن کھیل بن عمرو بن الحارث اصبہی مدنی۔ (سیر اعلام النبلاء ۸/۴۸)

ولادت: صحیح قول کے مطابق ولادت ۹۳ھ ہے اور اسی سال حضرت انسؓ کی وفات ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ۸/۴۹)

حلیہ مبارک: آپ طویل القامت اور فر بہ بدن تھے، داڑھی گھنی تھی نیز مونچھوں کو ایک دم جڑ سے نہیں کاٹا کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ اس طرح کرنا مثلبہ ہے۔ نیز آپ لباس بھی عمدہ زیب تن فرمایا کرتے تھے، کہتے تھے: ما احب لاحد انعم اللہ علیہ الا ان یری اثر نعمتہ علیہ۔ (سیر ۸/۶۹-۷۰) یعنی اللہ نے جس کو اپنی نعمت سے نوازا ہو اس پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہونا چاہئے۔

نیز آپ فرمایا کرتے تھے احب للقراری ان یکون ابیض الثیاب۔

بشر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام مالکؒ کے پاس میرا جانا ہوا میں نے دیکھا کہ آپ ایک عمدہ قسم کی چادر زیب تن کئے ہوئے ہیں جس کی قیمت پانچ سو (درہم کے) برابر ہوگی جس میں بادشاہوں جیسی جھلک تھی۔ (اوجز المسالک ۱/۱۰۰، تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/۲۰۷)

طلب علم: کم عمری ہی میں علم حاصل کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ محمد بن شہاب زہریؒ، یحییٰ بن سعید انصاریؒ، نافع مولیٰ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم، ہشام بن عروہ عبد اللہ بن دینار وغیرہ سے بطور خاص علم حاصل کیا۔

فضائل و مناقب: آپ کے مناقب تو بے شمار ہیں جن کا احاطہ مقصود نہیں ہے بلشبہ آپ حدیث رسول کے ایک سچے وارث اور بہت ہی ذہین و فطین تھے۔ آپ نے اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جب تک اس وقت کے ستر بڑے بڑے علماء نے اس بات کی شہادت نہ دیدی کہ امام مالک اس بات کے اہل ہو چکے ہیں۔ آپ کی عادت شریفہ تھی جب حدیث بیان کرتے تھے تو پہلے غسل کرتے نیا لباس زیب تن فرماتے، عمامہ باندھتے اور بہت ہی خشوع و خضوع اور وقار کے ساتھ مسند پر بیٹھتے اور مجلس میں شروع ہی سے عود کی دھونی دلاتے۔

دنیا سے بے رغبتی اتنی کہ پوری زندگی کرایہ کے مکان میں گزار دی چنانچہ مدینہ میں جس مکان میں رہتے تھے وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا گھر تھا۔ (اوجز المسالک ۱/۱۰۱) آپ کی مجلس انتہائی باوقار مجلس ہوا کرتی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء ۸/۶۵)

علم کا اعتراف: آپ کی شان میں بہت سے علماء نے بہت کچھ کہا ہے۔ مثلاً حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حدیث یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل فی طلب العلم فلا یجدون عالماً اعلم من عالم المدینہ (الحديث) کا مصداق میرے خیال میں حضرت امام مالکؒ ہی ہیں۔ نیز حضرت یونس کا قول ہے کہ میں نے امام شافعیؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر امام مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم رخصت ہو جاتا۔ (الانتقاء: ۵۰، سیر ۸/۵۶) ابن وہب کہتے ہیں کہ اگر امام مالک اور لیث نہ ہوتے تو ہماری گمراہی کے لئے یہی کافی تھا۔ (سیر ۸/۱۱۱)

تصانیف: متعدد کتب و رسائل آپ کی تصانیف ہیں ان سب میں سب سے اہم اور مشہور مؤطا امام مالکؒ ہے۔

امام شافعیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ما ظہر علی الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالک۔

وفات: ۱۱۴ یا ۱۱۵ رجب الاول ۱۷۹ھ کو آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔ ❀❀

﴿ ۴ ﴾ امام شافعیؒ

نام و نسب: نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ، والد کا نام ادریس سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القریشی ثم المطلبی الشافعی المکی الغزلی۔ (سیر اعلام النبلاء ۵/۱۰۷)

ولادت: شام کے ایک شہر غزہ میں ۵۰ھ کو ایک بچہ پیدا ہوا کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ بچہ آگے چل کر کیا کاربائے نمایاں انجام دے گا اور قوم اس کو کن القاب سے یاد کرے گی یہی بچہ ہے کہ جس کو تاریخ امام شافعیؒ کے نام سے جانتی ہے۔ (سیر ۶/۱۰)

ابھی آپ دو سال ہی کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا پھر آپ کی والدہ مکہ مکرمہ لے آئیں اور یہیں آپ کی پرورش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غضب کی ذہانت عطا فرمائی تھی چنانچہ کچھ ہی دنوں میں تیر اندازی میں ماہر ہو گئے اور ہم عمروں سے آگے بڑھ گئے عربیت اور شعر کی جانب توجہ کی اور اس میں بھی جلد ہی کمال حاصل کر لیا اس کے بعد فقہ کی طرف میلان ہوا اور ایسا میلان جو برابر ترقی کرتا رہا حتیٰ کہ آج دنیا آپ کو ایک عظیم فقیہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ (سیر ۶/۱۰)

علمی اسفار: ابتداء عمر میں اپنے علاقہ میں ہی تعلیم حاصل کی چنانچہ سات سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے آپ مکمل قرآن کریم حفظ کر چکے تھے اور دس سال کی عمر میں مؤطا حفظ

یا دکر لی تھی۔ آپ نے طالب علم کی خاطر دو دروازوں کے اسفار کئے۔ (تاریخ بغداد ۲/۶۰)

اساتذہ: آپ نے متعدد اساتذہ سے علم حاصل کیا جن میں مسلم بن خالد زنجی مفتی مکہ، داؤد بن عبد الرحمن عطار، محمد بن علی بن شافع، سفیان بن عیینہ، سعید بن سالم سے مکہ مکرمہ میں بطور خاص اکتساب فیض کیا اور مدینہ طیبہ میں۔ مالک بن انس، ابراہیم بن ابی یحییٰ اسماعیل بن جعفر اور ابراہیم بن سعد وغیرہ۔ یمن میں مطرف بن مازن، ہشام بن یوسف القاضی۔

بغداد میں امام محمد بن حسن الشیبانی سے بہت کچھ حاصل کیا اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں ان کے ساتھ رہے اسی طرح اسماعیل بن علیہ، عبد الوہاب ثقفی وغیرہ آپ کے اساتذہ میں ہیں۔

تلامذہ: آپ کے مشہور تلامذہ میں حضرت امام احمد بن حنبل، ابو ثور، یونس بن عبد الاعلیٰ، حرملہ بن یحییٰ، ربیع بن سلیمان المرادی، ربیع بن سلیمان المزنی ہیں۔ تہذیب الکمال ۶/۲۰۹

فصاحت و بلاغت اور علم کا اعتراف: فصاحت و بلاغت تو گویا آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ بیان میں شیرینی، ذکاوت، ذہانت، حاضر دماغی گویا آپ ہی کا حصہ تھی۔ حتیٰ کہ ہم عصر علماء بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے اور ہر ایک نے آپ کے ورع و تقویٰ امانت، نقاہت، کرم و سخاوت، فصاحت و بلاغت، ذہانت و فطانت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ حضرت سفیان بن عیینہ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: هذا افضل فتیان اهل زمانه (الانتقاء: ۱۲۰) حضرت امام احمد فرماتے ہیں: ان الله يقبض للناس في رؤس كل مائة من يعلمهم السنن وينفي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الكذب قال فنظرنا فاذا في رأس المائة عمر بن عبد العزيز رحمه الله وفي رأس المائتين الشافعي. (سير ۱۰/۶۴)

اخلاق: آپ محض عالم، فاضل، فصیح و بلیغ ہی نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ

وسخا کے پیکر اور انتہائی بااخلاق بلکہ معلم اخلاق تھے۔ تاریخ میں آپ کی جو دو سخا کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ حمیدی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام شافعیؒ یمن تشریف لے گئے اس کے بعد جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے پاس دس ہزار درہم تھے۔ آپ نے مکہ مکرمہ کے باہر ہی ایک خیمہ لگایا لوگ آتے رہے اور آپ ان کو عطاء فرماتے رہے حتیٰ کہ تمام درہم تقسیم کر دیئے۔ مزید واقعات دیکھئے (الانتقاء: ۱۵۰، حلیہ الاولیاء ۹/۱۳۲)

وفات: امام شافعیؒ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے بلکہ ایک امت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا مگر ہر ایک کو اس دار فانی سے جانا ہے چنانچہ رجب ۲۰۴ھ کو علم و عمل کا یہ آفتاب روشنی بکھیرتا ہوا روپوش ہو گیا۔ آپ کی تدفین سرزمین مصر میں عمل میں آئی۔ (سیر اعلام النبلاء ص: ۷۶/۱۰)



﴿ ۵ ﴾ امام احمد بن حنبلؒ

نام و نسب: نام احمد، کنیت ابو عبد اللہ، شجرہ نسب یوں ہے: ابو عبد اللہ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد ابن اوریس بن عبد اللہ بن حبان بن عبد اللہ بن انس بن عوف بن قاسط ذہلی شیبانی مروزی ثم بغدادی۔

ولادت باسعادت: ماہ ربیع الاول ۱۶۳ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے ایک قول کے مطابق آپ کی پیدائش ”مرو“ میں ہوئی پھر والد محترمہ بغداد لے آئیں۔ بچپن ہی میں جب آپ تین سال کے تھے والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۷۷۵)

تعلیم و تربیت: بغداد ہی میں پرورش پائی واضح رہے کہ اس وقت علمی دنیا میں بغداد کا بہت اونچا مقام تھا بڑے بڑے علماء وہاں موجود تھے آں موصوف نے علماء بغداد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور جب سولہ سال کی عمر ہوئی مختلف شہروں میں جا جا کر وہاں کے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام، اور جزیرہ وغیرہ کے اسفار کئے۔ (البدایہ والنہایہ ۱/۷۷۵)

اساتذہ: آپ کے مشہور شیوخ میں بشر بن المفضل، اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ، جریر بن عبد الحمید، یحییٰ بن سعید القطان، ابو داؤد طیالسی، عبد اللہ بن نمیر، امام شافعی، منذر وغیرہ آتے ہیں۔

تلامذہ: امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، ابن مہدی، عبد الرزاق، ابو الولید،

وکیع، زید بن ہارون جیسے یگانہ روزگار آپ کے شاگردوں میں ہوئے۔ (تہذیب العہد ۱/۲۵)

ہم عصر علمہ کا اعتراف: آپ کے معصروں میں قتیبہ بن سعید، داؤد، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابو حاتم رازی، ابو زرعة رازی وغیرہ جہاں علم نے آپ کے اعتراف علم و فضل کے ساتھ آپ سے روایت کی ہے۔ (تہذیب العہد ۱/۲۵)

زہد و ورع: آپ زہد و ورع، تقویٰ و طہارت کی جیتی جاگتی مثال تھے۔ ایک دفعہ آپ کے استاد محترم حضرت امام شافعیؒ نے یمن کے منصب قضاء کے لئے تیار کیا تو کہنے لگے کہ میں تو آپ کے پاس اس لئے آیا تھا کہ آپ مجھے ایسے علم کی تعلیم دیں گے جس سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو مگر آپ تو مجھے عہدہ قضا سپرد کر رہے ہیں پھر کہا بخدا اگر علم کی بات نہ ہوتی تو آپ سے کبھی بھی بات نہ کرتا۔

ابو داؤد کہتے ہیں: کہ امام احمدؒ کی مجالس میں کبھی بھی دنیا کا تذکرہ نہیں ہوتا تھا ان کی مجلسیں آخرت کی یاد دلایا کرتی تھیں۔ (سیر ۱۱/۱۹۹)

فقہ و اجتہاد: آپ فقہ میں بڑے فقیہ سمجھے جاتے ہیں حتیٰ کہ مستقل فقہ حنبلی اس وقت دنیا میں موجود ہے جس کے سرخیل آپ ہی ہیں۔ بعض حضرات نے آپ کو کبار محدثین میں شمار کیا ہے فقہاء میں نہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن عبد البرؒ نے ”الانتقاء“ میں صرف ائمہ ثلاثہ: امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے تذکرہ پر اکتفاء کیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات نے آپ کی فقاہت کا انکار کیا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فقہ کے مقابلے میں حدیث کا رنگ آپ پر زیادہ غالب تھا۔ مگر اس کے ساتھ آپ پر یہ بات بخوبی صادق آتی ہے کہ آپ محدثین میں ایک بڑے فقیہ اور فقہاء میں ایک محدث ہوئے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۲/۴۳۱، اعلام المحدثین)

وفات: ستر (۷۷) سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ بروز جمعہ ۲۳ھ کو

سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۰/۷۷۷)

ایک عجیب اتفاق: یہ بھی آپ کی ایک خصوصیت ہے کہ متعدد چیزوں میں آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ہے۔ مثلاً نام ”احمد“ ہے۔ پیدائش ربیع الاول میں ہوئی بلکہ ایک قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی اور پھر اسی تاریخ اور اسی مہینہ میں وفات بھی پائی، نیز بچپن ہی میں یتیم بھی ہو گئے۔

ابتلا و آزمائش: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کی پوری عمر کتاب و سنت کی ترویج و تشریح و تفہیم و تفسیر میں گزری حتیٰ کہ اس راہ میں آپ کو بڑی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب قرآن کے مخلوق وغیرہ ہونیکا مسئلہ چھڑا تو آپ اپنے اس موقف پر کہ قرآن مخلوق نہیں ہے ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہے بلکہ اکھڑے ہوئے قدموں کو جمادیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ کو جیل بھی جانا پڑا۔ مخالفین نے بہت مظالم ڈھائے مگر پائے ثبات میں ذرا غررش نہ آئی۔

علمی آثار: (۱) مسند احمد (۲) کتاب السنۃ (۳) کتاب الزہد

(۴) کتاب الورع والایمان (۵) کتاب فی علل الحدیث (۶) کتاب الاشرۃ

(۷) کتاب الارجاع (۸) کتاب الناسخ والمنسوخ (۹) التفسیر (۱۰)

فضائل الصحابة.

مگر ان سب میں سب سے زیادہ اہم تصنیف ان کی کتاب ”مسند احمد“ ہے خود امام ”احمد“ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو سات لاکھ پچاس ہزار احادیث سے منتخب کیا ہے، (القول المسدود فی الذب عن مسند احمد)



﴿ ۶ ﴾ امام ترمذی ﴿ ﴾

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابو عیسیٰ، سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن ضحاک سلمیٰ ترمذی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۰)

تاریخ پیدائش: اگرچہ صحیح طور پر کسی نے آپ کی تاریخ پیدائش نہیں لکھی مگر اکثر حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی عمر ستر (۷۰) سال ہوئی اس اعتبار سے تاریخ پیدائش ۲۰۹ھ معلوم ہوتی ہے۔

مولد ومسکن: آپ مقام ترمذ میں پیدا ہوئے جو جمحون (جس کو نبرج بھی کہتے ہیں) کے ساحل پر واقع ہے لفظ ماوراء النہر میں بیشتر یہی نہر مراد لی گئی ہے کسی زمانے میں یہ نہایت شاندار اور مشہور شہر تھا لیکن اب صرف ایک قصبہ کی حیثیت کا رہ گیا ہے۔ (ظفر المصلین ص ۱۴۴)

تحصیل علم: امام ترمذیؒ جس دور میں پیدا ہوئے اس زمانے میں علم حدیث اپنے شباب کو پہنچا ہوا تھا امام بخاریؒ جیسے جلیل القدر محدث تشکال علوم کی تشنگی کا سامان فراہم کر رہے تھے آپ کو شروع ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ چنانچہ طلب حدیث کے لئے مختلف علاقوں، ملکوں کا سفر کیا، بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان اور حجاز میں برسوں زندگی گزاری۔ (ظفر ص: ۱۴۵، سیر)

اساتذہ: امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، علی بن حجر مروزیؒ، قتیبہ بن سعید، محمد بن بشار،

ابو اسحاق ابراہیم بن سعید جوہری، بشر بن آدم، ہناد بن سری وغیرہ بڑے بڑے حضرات سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔

لطیفہ: اگرچہ امام ترمذیؒ امام بخاریؒ کے مایہ ناز شاگرد ہیں اور ایک طویل زمانہ تک ان کی مصاحبت اختیار کی ہے اور علم حدیث ہی نہیں بلکہ تفقہ فی الحدیث بھی امام بخاریؒ سے سیکھا ہے۔ تاہم یہ شرف بھی ان کو حاصل رہا ہے کہ استاذ محترم امام بخاریؒ نے خود ان سے سماع حدیث کیا ہے اسی طرح امام مسلمؒ بھی گواہ امام ترمذیؒ کے استاذ ہیں مگر انہوں نے بھی ایک روایت صحیح مسلم میں امام ترمذیؒ سے روایت کی ہے اور وہ یہ ہے: احصوا ہلال شعبان لرمضان۔ (ترمذی باب ماجاء فی احصاء ہلال شعبان)

تلامذہ: حافظ عمر بن ملک فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے انتقال کے بعد امام ترمذیؒ کے ہم پلہ خراسان میں کوئی محدث نہیں تھا اس لئے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی ان کے تلامذہ میں خراسان و ترکستان کے علاوہ دنیا و اسلام کے مختلف گوشوں کے حضرات ملتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ۲/۶۳۳)

قوت حافظہ: آل موصوف کو جیسے بڑے بڑے محدثین سے استفادہ کا موقع ملا ویسے ہی خدا و قوت حفظ بھی عطاء کی گئی تھی۔

واقعہ: آپ کی قوت حفظ کا ایک مشہور واقعہ درج کیا جا رہا ہے امام صاحبؒ نے دو جزء کے بعد رایت شیخ کے واسطے سے حدیثیں سنی تھیں ابھی ان کو پڑھ کر سنانے کا موقع نہ ملا تھا کہ حسن اتفاق مکہ مکرمہ کے راستے میں ان سے ملاقات ہو گئی امام ترمذیؒ نے اس موقع کو غنیمت جان کر قراءت اجزاء کی درخواست کی۔ شیخ نے منظور کر لی اور کہا کہ اجزاء نکال لو میں پڑھتا ہوں تم مقابلہ کرتے جاؤ، امام ترمذیؒ نے اجزاء تلاش کئے وہ ساتھ نہ تھے بہت گھبرائے بالآخر یہ صورت سمجھ میں آئی کہ دوسادہ کاغذ لے کر فرضی طور پر سننے میں مشغول ہو گئے شیخ نے

قراءت شروع کی اتفاق سے شیخ کی نظر ان سادہ کاغذوں پر پڑ گئی، بہت ناراض ہوئے کہ تم میرا مذاق اڑاتے ہو اس پر امام ترمذیؒ نے صورت واقعہ بتائی اور کہا کہ اگرچہ وہ اجزاء میرے ساتھ نہیں ہیں مگر جو سن رہا ہوں وہ لکھے ہوئے سے زیادہ محفوظ ہے۔ شیخ نے کہا کہ سناؤ آپ نے فر فر سنا دیا۔ شیخ کو خیال ہوا کہ شاید پہلے سے یاد ہوں گی اس لئے یقین نہیں کیا امام ترمذیؒ نے عرض کیا کہ آپ دوسری احادیث سنا دیجئے اور امتحان لے لیجئے شیخ نے اپنی خاص پالیس احادیث اور پڑھیں امام ترمذیؒ نے ان کو بھی صحت کے ساتھ دہرا دیا تب شیخ کو ان کے حفظ کا یقین ہوا اور بہت تعجب کیا۔ (تہذیب المعذیب ۹/۳۸۸)

وفات: امام ترمذیؒ کا انتقال مشہور قول کے مطابق ۱۳ رجب شب دوشنبہ ۲۷۹ھ کو خاص ترمذ میں ہوا آپ کی عمر مبارک ستر (۷۰) سال ہوئی آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ (ظفر جس ۱۴، البدایہ والنہایہ)

آپ کے سن وفات اور مدت عمر کسی نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔

الترمذی محمد ذو زین ☆ عطر و فاة عمره فی عین ۲۷۹

تصانیف: امام ترمذیؒ کی پوری زندگی تصنیف و تالیف اور علوم نبویہ کی تشریح و ترویج میں ہی گزری اور آپ کے قلم سے متعدد تصانیف نکلیں جن میں بطور خاص الجامع ہے جو سنن ترمذی کے نام سے مشہور اور صحاح ستہ میں داخل ہے۔ (۲) اسی طرح الشمانل (۳) العلل الکبیر (۴) کتاب الزہد (۵) کتاب التاریخ (۶) اسماء الصحابہ (۷) الاسماء والکنی، مگر آپ کی تمام تصانیف میں جو شہرت سنن ترمذی کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں امام ترمذیؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو مکمل کرنے کے بعد علماء حجاز و عراق اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا ان سب حضرات نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور امام ممدوح

فرمایا کرتے تھے کہ جس گھر میں سنن ترمذی ہے اس گھر میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرما رہے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ)

اس کے ساتھ ساتھ سنن ترمذی اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر دیگر سنن و جوامع سے بعض چیزوں میں ممتاز ہو جاتی ہے (۱) ترتیب کی عمدگی اور تکرار کا نہ ہونا (۲) مذاہب فقہاء کا بیان اور ہر ایک کا مستدل (۳) احادیث پر صحت، حسن، ضعف، غرابت اور علت کا حکم لگانا (۴) راویوں کے نام مع القاب و کنیت بیان کرنا۔

سنن ترمذی کو پڑھنے والا ان خصوصیات کا احساس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان ہی وجوہات کی بناء پر علماء نے کہا ہے کہ سنن ترمذی مقلد و مجتہد ہر دو کے لئے کافی و شافی ہے۔



﴿ ۷ ﴾ امام ابو داؤد

نام و نسب: نام سلیمان، کنیت ابو داؤد، سلسلہ نسب یوں ہے: ابو داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداؤد بن عمرو بن عمران المازدی البجستانی۔

سجستان: اس کے بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں مگر یا قوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ خراسان کے اطراف میں ہے اور اس کو خبر بھی کہتے ہیں اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ صاحب معجم علمی لکھتے ہیں: سجستان ہی مدینۃ فی جنوب خراسان۔ (معجم البلدان ۱۹۰/۳)

ولادت: تیسری صدی ہجری کے آغاز یعنی ۲۰۲ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ تیسری صدی ہجری کا زمانہ تاریخ اسلام میں علمی حیثیت سے ایک اونچا مقام رکھتا ہے۔

تحصیل علم: آپ نے جس زمانہ میں ہوش سنبھالا اس وقت علم حدیث کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا تھا آپ نے تحصیل علم کی خاطر دور دراز علاقوں کے اسفار کئے جن میں شام، حجاز، عراق، خراسان اور جزیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں کہ ان علاقوں و ملکوں میں آپ کے بکثرت اسفار ہوئے اور اس زمانے کے بڑے بڑے اساتذہ و شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور بغداد تو متعدد بار جانا ہوا حتیٰ کہ زندگی کا اکثر حصہ وہیں گزرا اور وہیں اپنی سنن کی تالیف بھی کی اس کے بعد امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے اس کو پیش کیا آپ نے اس کو بہت پسند

کیا۔ امام ابو داؤد نے زندگی کے آخری ایام بصرہ میں گزارے جو اس وقت علم و فن کے لحاظ سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ (تاریخ طبری ۹/۴۸۱)

اساتذہ: آپ کے اساتذہ و شیوخ کی فہرست طویل ہے البتہ آپ کے اساتذہ میں (۱) امام احمد بن حنبل (۲) عبد اللہ بن مسلمہ (۳) ابو عمر والضریر (۴) مسلم بن ابراہیم (۵) سلیمان بن حرب (۶) یحییٰ بن معین (۷) اسحاق بن راہویہ (۸) مسدد بن سرہد (۹) محمد بن ثنی جیسے ائمہ فن داخل ہیں۔ (تاریخ بغداد ۹/۵۵)

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی جماعت ہے آپ کے حلقہ درس میں کبھی کبھی ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کیلئے سب سے قابلِ فخر بات یہ ہے کہ امام ترمذی اور امام نسائی ان کے تلامذہ میں سے ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ خود امام احمد بن حنبل تو آپ کے اساتذہ میں ہیں مگر امام احمد کے بعض اساتذہ نے امام ابو داؤد سے روایت کی ہے خود امام احمد نے بھی حدیثِ عتیرہ۔ ان سے روایت کی ہے، امام ابو داؤد اس پر فخر کیا کرتے تھے ان کے علاوہ آپ کے پار شاگرد جماعتِ محدثین کے پیشوا اور سردار ہوئے ہیں (۱) خود ان کے صاحبزادہ ابو بکر بن ابی داؤد (۲) لولوی (۳) ابن الاعرابی (۳) ابن داسر۔ (ظفر المصلین ص ۱۲۵)

قدردانیِ اسلاف: امام ابو داؤد اپنے زمانے کے بعض اصحابِ روایت کی طرح تنگ نظر بالکل نہیں تھے بلکہ ائمہ اہل الرائے یعنی فقہاء کا بہت ادب و احترام کرتے تھے بلکہ ان کی مساعی جلیلہ کو نہایت قد رکی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ علامہ ابن البراندس نے بسند متصل ان سے نقل کیا ہے کہ امام ابو داؤد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ پر رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہؒ پر رحمت نازل فرمائے کہ وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ امام مالکؒ پر رحمت نازل فرمائے کہ وہ امام تھے۔ (ظفر المصلین ص ۱۲۵)

آپ کے فضل و کمال کا اعتراف: آپ کے بارے میں ابراہیم بن حرب جو اس زمانے کے بڑے محدث ہیں فرماتے ہیں کہ ابو داؤد کے لئے حق تعالیٰ نے علم حدیث ایسا نرم کر دیا تھا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کر دیا گیا تھا۔ حافظ ابو طاہر نے اس مضمون کو پسند کر کے اس قطعہ میں اُقم کیا ہے:

لَا نَ الْحَدِيثَ عِلْمَهُ وَ كَمَالَهُ
لَا مَامَ أَهْلَهُ ابْنِي دَاوُدَ
مِثْلَ الَّذِي لَا نَ الْحَدِيدَ وَ سَبْكَه
لَنَبِيٍّ أَهْلَ زَمَانِهِ دَاوُدَ

آپ کے ایک معاصر حافظ موسیٰ بن موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں کہ ابو داؤد دنیا میں حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ امام ابو داؤد بلا شک و شبہ اپنے زمانے میں محدثین کے امام تھے۔ (ظفر المصلین ص ۱۲۵)

وفات: علم وفن کا یہ آفتاب تبصر (۷۳) سال تک اپنی علمی کرنوں سے دنیا کو منور کرتا ہوا ۱۶ ایشوال ۲۵۷ھ بروز جمعہ بصرہ کے ایک قبرستان میں روپوش ہو گیا۔ آپ کا مدفن امام ثوری کے پہلو میں ہے۔ (معالم السنن ۱/۱۰)

تصانیف: متعدد کتابیں آپ کی تصانیف ہیں، مگر ان سب میں آپ کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف سنن ہے۔

سنن ابی داؤد کا مقام: اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ صحت کے لحاظ سے صحیحین کا مقام سنن اربعہ سے بڑھا ہوا ہے مگر صحیحین کے بعد کس کا درجہ ہے اس بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں، لیکن صاحب مفتاح السعادة نے لکھا ہے کہ سب سے اونچا درجہ صحیح بخاری کا ہے پھر صحیح مسلم اور تیسرے درجہ پر سنن ابی داؤد آتی ہے۔ (ظفر المصلین ص ۱۳۲) ❀❀

﴿امام نسائی﴾



نام و نسب: احمد نام، کنیت ابو عبد الرحمن، سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار النسائی۔ (ظفر المصلین)

مولد: آپ کی پیدائش ۲۱۵ھ میں مقام نساء میں ہوئی اسی کی طرف منسوب کرتے ہوئے آپ کو نسائی کہا جاتا ہے، آپ نے عمر کی ابتدائی منازل یہیں طے کیں اور یہیں پل کر جوان ہوئے۔ خراسان و ماوراء النہر کا علاقہ علم و فن کے لحاظ سے بڑا زرخیز و مردم خیز رہا ہے امام نسائی بھی اسی خاک کے ایک مایہ ناز فرزند تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲۵/۱۴)

تحصیل علم: اپنے شہر کے بیشتر علماء سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر عراق، حجاز، شام، مصر، جزیرہ، جاکروہاں کے مشاہیر علماء کرام سے اکتساب فیض کیا۔ (سیر ۱۲۷/۱۴)

مصر میں مستقل اقامت: آپ کو مصر کی آب و ہوا پسند آگئی اور پھر وہاں کی آب و ہوا نے کہیں اور جانے نہ دیا چنانچہ وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اسی بناء پر آپ کی تصانیف اسی اطراف میں زیادہ تر پھیلیں۔ آپ کے چشمہ فیض سے بہت سے تشنگان علوم نے اپنی تشنگی دور کی، آپ مصر کے جس محلہ میں رہتے تھے اس کو ”زقاق القنادیل“ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ (سیر ۱۲۷/۱۴، معجم البلدان ۱۲۵/۳)

اساتذہ: آپ نے اساتذہ کی کثیر تعداد سے سماع کیا جن میں بطور خاص اسحاق بن راہویہ، محمد بن نصر، علی بن حجر، یونس بن عبد الاعلیٰ، محمد بن بشار، امام ابو داؤد سجستانی جیسے

حضرات آپ کے اساتذہ میں داخل ہیں۔ نیز قبیہ بن سعید کی خدمت میں آپ نے پندرہ سال کی عمر میں حاضری دی اور مسلسل ایک سال دو مہینے ان کی صحبت فیض میں رہ کر استفادہ کرتے رہے۔ اسی طرح ہشام بن عمار، علی بن خشرم، سوید بن نصر، احمد بن منیع سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔ (سیر ۱۲۵/۱۳)

عام حالات زندگی: امام نسائی نے سنت نبویہ کی ترویج و اشاعت اور بدعت کی بیخ کنی میں اپنی زندگی صرف کر دی، بادشاہوں کی مجلس سے ہمیشہ گریز کیا اس کے باوجود فارغ البال تھے، بہترین غذائیں استعمال کرتے تھے۔ مرغ پالتے اور خوب فرہ کر کے کھاتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲۸/۱۳-۱۳۲)

زہد و تقویٰ: آپ زہد و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔ صوم و داؤدی ہمیشہ رکھا کرتے تھے، رجال کے بارے میں بہت زیادہ غور و خوض کرتے اور بہت ہی احتیاط سے کام لیتے اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ رجال کے بارے میں ان کی شرائط امام مسلم سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اسی طرح الفاظ میں غایت درجہ کا اہتمام کرتے چنانچہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ”حدثنا“ کی جگہ ”اخبرنا“ اور ”اخبرنا“ کی جگہ ”حدثنا“ کہہ دیں۔ یہ ان کے انتہائی ورع و تقویٰ کی علامت ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲۸/۱۳-۱۳۱، ظفر المصلین)

معاصرین کا اعتراف: علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ علم کا ایک سمندر تھے فہم و ذکاوت، ذہانت و فطانت فن رجال میں مہارت تامہ، مختلف ممالک اسلامیہ میں طلب علم کی خاطر اسفار کرنا اور پھر حفاظ حدیث کا کثرت سے آپ کے پاس اکتساب فیض کے لئے آنا یہ ایسے اوصاف ہیں کہ ان کے زمانے میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔ (سیر النبلاء ۱۲۷/۱۳-۱۳۱) نیز علامہ سیوطی، ابن کثیر اور ابن حجر وغیرہ نے ان کی شان میں بہت سے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (طبقات الحفاظ، البدایہ والنہایہ، تہذیب التہذیب)

علامہ: آپ کے تلامذہ میں دنیا، اسلام کے مختلف علاقوں کے لوگ پائے جاتے ہیں، خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا کچھ تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں: (۱) ابو بشر دواہی (۲) ابو جعفر طحاوی (۳) ابو علی نیشاپوری (۴) حمزہ بن محمد کنانی (۵) سلیمان ابن احمد طبرانی۔

امام نسائی اور تشیع: امام نسائی کی جانب یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ تشیع کی جانب آپ کا میلان تھا حالانکہ بات ایسی نہیں ہے دراصل بات یہ تھی کہ ملک شام میں خارجیت کا زور تھا حضرت علیؑ کے مخالفین بڑی تعداد میں موجود تھے تو آپ نے حضرت علیؑ اور اہل بیت کے فضائل پر مشتمل ایک ”خصائص“ نامی کتاب لکھی تاکہ لوگ حقیقت کو پہچانیں اور حضرت علیؑ سے بغض رکھ کر اپنی عاقبت خراب کرنے سے بچ جائیں، چنانچہ اس کا سبب انہوں نے خود بیان کیا ہے۔ دخلت دمشق والمنحرف عن علی بہا کثیر فصنفت کتاب الخصائص رجوت ان یہدیہم اللہ۔ اور تشیع سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں چنانچہ فضائل صحابہؓ پر آپ نے ”فضائل الصحابہ“ نامی کتاب لکھی ہے جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۱۲۹)

وفات: صفر کی تیرہ (۱۳) تاریخ ۳۰۳ھ بروز پیر کو امام نسائی اس دار فانی سے کوچ کر گئے مکان وفات میں مختلف اقوال ملتے ہیں مگر علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ فلسطین کے شہر ”رملہ“ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (سیر ۱۴/۱۳۳)

تالیفات وتصنیفات: امام نسائی نے اپنے پیچھے کافی علمی ذخیرہ چھوڑا ہے جن میں سے کچھ کتابیں حسب ذیل ہیں: (۱) السنن الکبریٰ (۲) خصائص علیؑ (۳) مسند علیؑ (۴) مسند مالک (۵) الکنی (۶) عمل الیوم واللیلۃ (۷) اسماء الرواة (۸) فضائل الصحابة (۹) کتاب المدلسین (۱۰) مسند منصور بن زاذان (۱۱) کتاب الضعفاء والمتروکین (۱۲) اسماء الرواة والتمییز بینہم

(۱۳) الضعفاء والاخوة ما اغرب شعبة على سفیان وسفیان على شعبة
(۱۴) المجتبى المعروف به سنن نسائی.

مگران سب میں جو شہرت المجتبى (سنن نسائی) کو ہوئی وہ دیگر کتابوں کو نہیں ہوئی۔
وجہ تالیف: جب امام نسائی سنن کبریٰ کی تالیف سے فارغ ہوئے تو اس کو امیر
رملہ کی خدمت میں پیش کیا امیر نے معلوم کیا کہ کیا اس کی تمام احادیث صحیح ہیں آپ نے
جواب دیا کہ نہیں بلکہ اس میں صحیح، حسن اور ان کے قریب قریب درجہ کی روایات ہیں اس پر
امیر رملہ نے کہا کہ آپ میرے لئے ایک ایسا مجموعہ تیار کر دیجئے جس میں تمام روایات صحیح
ہوں چنانچہ آپ نے سنن صغریٰ تصنیف کی جس کو مجتبى بھی کہتے ہیں، اور ”سنن نسائی“ کے نام
سے معروف ہے اور صحاح ستہ میں داخل ہے۔ (مناہج المحدثین ۲/۳۰۲)

بعض حضرات نے اس کو (المجتبى) کو ابن السنی کی تصنیف قرار دیا ہے جو امام نسائی کے
شمارد ہیں یعنی یہ کہ ابن السنی نے امام نسائی کی سنن کبریٰ کا اختصار کر کے اس کا نام المجتبى رکھا
ہے مگر امام نسائی کا خود اپنا بیان جو ان کے شمارد ابن الاحمر نے نقل کیا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ یہ
امام موصوف ہی کی تصنیف ہے۔ قول یہ ہے: کتاب السنن الکبریٰ بعضہ معلول الا
انه یبینه و المنتخب المسمى ”بالمجتبى“ صحیح۔ یعنی سنن کبریٰ کا بیشتر حصہ تو
صحیح ہے ہاں بعض احادیث معلول ہیں۔ البتہ ان کے معلول ہونے کو بیان کر دیا گیا ہے لیکن
اس میں سے جو روایات منتخب کی گئی ہیں جو المجتبى کے نام سے موسوم ہے وہ تمام تر صحیح ہے اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن کبریٰ کا اختصار ابن السنی نے استاد محترم کی نگرانی میں رہ کر کیا ہے اور
اس طرح دونوں باتوں میں تطبیق ممکن ہے۔ (ظفر اہلین: ۱۵۷)



﴿ ۹ ﴾ امام ابن ماجہ

نام و نسب: نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ، عام کتابوں میں دادا کا نام نہیں ہے، لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب بستان المحدثین میں دادا کا نام عبد اللہ تحریر کیا ہے۔ اب سلسلہ نسب یوں ہوگا: ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن عبد اللہ ابن ماجہ الربیع۔ (ظفر الحصلین)

ماجہ: اس بارے میں مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ کی والدہ کا نام ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی ”بستان المحدثین“ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

مگر دوسری طرف شاہ صاحبؒ نے عجلہ نافعہ میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب ہے دادا کا نہیں اور ماں کا نام بھی نہیں ہے، محدث رافعی تاریخ قزوین میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کا نام محمد بن یزید ہے اور ماجہ یزید کا لقب ہے اور یہ فارسی نام ہے۔

حافظ ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ ۵۲/۱۱ میں نقل کیا ہے کہ ماجہ یزید کا عرف تھا۔ نیز خود امام ابن ماجہ کے مشہور شاگرد حافظ ابو الحسن بن العظمان کا بیان موجود ہے جس میں وہ نہایت یقین کے ساتھ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا دادا کا نہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۲۰۹ھ میں ایران کے شہر قزوین میں ہوئی۔
(سیر ۱۳/۲۷۷)

اسفار: امام ابن ماجہ جب اکیس بائیس سال کے ہوئے تو آپ نے مختلف ممالک اسلامیہ کے اسفار کئے۔ جیسے خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام اور مختلف شہروں مثلاً کوفہ، بصرہ، بغداد، رے، مکہ، دمشق وغیرہ بھی جانا ہوا۔ (ظفر المصلین، سیر ۱۳/۲۷۹)

اساتذہ: آپ نے بیشار اساتذہ سے کتاب فیض کیا جن میں سے علی بن محمد طنافسی، جبارة بن المغلس، مصعب بن عبد اللہ زبیری، سوید بن سعید، ہشام بن عمار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (سیر ۱۳/۲۷۷)

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں محمد بن عیسیٰ ابہری، ابو الطیب احمد بن روح بغدادی، ابو الحسن علی بن ابراہیم قطان، علی بن سعید بن عبد اللہ عسکری، ابراہیم بن دینار، جرش ہمدانی وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (سیر ۱۳/۲۷۸)

علمہ کا حسن اعتراف: علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ بلاشبہ آپ حافظ حدیث، صدوق تھے۔ نیز آپ کو علم سے وافر حصہ ملا تھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ صاحب السنن المشہورہ وہی دالۃ علی علمہ وعملہ وبحرہ واطلاعه واتباعہ السنن فی الاصول والفروع۔ (البدایہ والنہایہ ۱۱/۵۲)

ابن خلکان لکھتے ہیں: کان اماما فی الحدیث عارفا بعلمہ وجمیع ما یتعلق بہ۔ (وفیات الاعیان ۳/۳۰۸)

فقاہت: امام ابن ماجہ صرف محدث ہی نہ تھے بلکہ زبردست فقیہ بھی تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ آپ کا میلان مسلک حنبلی کی جانب تھا مگر علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ آپ مسلک شافعی کی جانب میلان رکھتے تھے بلکہ درجہ اجتہاد پر فائز تھے البتہ اتنا ہے کہ امام اسحاق بن راہویہ، ابو عبیدہ، ائمہ متبوعین میں امام احمدؒ، امام شافعیؒ چونکہ محدثین میں شمار ہوتے ہیں اس لئے ان کی جانب رجحان تھا اور یہی وجہ ہے کہ امام ابن ماجہ کے اقوال ان حضرات کے اقوال سے ملتے جلتے ہیں۔

وفات: بروز پیر ۲۲ رمضان کو زندگی کی چونسٹھ (۶۴) بہاریں گزار کر ۲۷ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اور منگل کو تدفین عمل میں آئی (سیر ۱۳/۲۷۹، تاریخ ابن عساکر ۱۶/۶۴)

تصانیف: (۱) التفسیر: جس کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے: ولا بن ماجہ تفسیر حافل۔ اس صراحت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ضخیم تفسیر ہے اس میں امام ابن ماجہؒ نے قرآن کی تفسیر میں جس قدر احادیث اقوال صحابہ و تابعین مل سکتے ہیں ان سب کو بالاسناد روایت کیا ہے۔

(۲) التاریخ: اس میں دور صحابہؓ سے لے کر دور مصنفؒ تک کی تاریخ ہے۔ نیز اس میں بلاد اسلامیہ اور راویان حدیث کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔

(۳) السنن: امام ابن ماجہ کی یہ مشہرہ آفاق تصنیف ہے جس کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔

سنن ابن ماجہ کا مقام: سنن ابن ماجہ کو صحاح میں شامل کرنے والے سب سے پہلے شخص ابن طاہر مقدسی اور اس کے بعد عبد الغنی مقدسی ہیں پھر اکثر مصنفین نے اس رائے سے اتفاق کیا اور صحاح ستہ میں اس کو شمار کرنے لگے ورنہ تو پہلے موطا کو یہ مقام حاصل تھا۔ (ظفر المصلین) سنن ابن ماجہ میں کتب ستہ کی بہ نسبت ضعیف احادیث زیادہ ہیں اس لئے اس کا درجہ صحاح ستہ میں سب سے بعد میں آتا ہے۔

مگر اس کی بھی ایک وجہ ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ امام ابن ماجہ اس پر قادر نہ تھے کہ وہ بھی دیگر صحاح کے مؤلفین کی طرح کڑی شرائط کے ساتھ روایت لاتے۔ بلکہ وہ اس پر اچھی طرح قادر تھے مگر اس کے باوجود اپنی شرائط کو نرم رکھا مقصد یہ تھا کہ وہ روایات جو دوسری کتابوں میں چھوٹ گئی ہیں وہ روایات بھی آجائیں اور محفوظ ہو جائیں۔ (ظفر المصلین)

تعداد روایات ابن ماجہ: سنن ابن ماجہ کی کل روایات (۴۳۴۱) جن کا انتخاب امام موصوف نے انکھوں احادیث سے کیا ہے۔ (ظفر المصلین، سیر ۱۳/۲۸۰)

﴿ ۱۰ ﴾ امام دارمیؒ

نام و نسب: نام عبداللہ، کنیت ابو محمد، سلسلہ نسب یوں ہے: عبداللہ بن عبد الرحمان بن الفضل بن بہرام التمیمی الدارمی السمرقندی۔

ولادت: ۱۸۱ھ مطابق ۷۹۷ء کو آپ پیدا ہوئے اور اسی سال ابن مبارکؒ کا انتقال ہوا۔

اسفار: آپ نے سماع حدیث کے لئے مختلف ممالک کے اسفار کئے جن میں حجاز، شام، مصر، عراق، خراسان بھی شامل ہیں۔

عہدہ قضا: آپ بہت ہی ذہین و فطین تھے تفسیر میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، فقہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ ذہانت، بردباری، دانشمندی، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ، اجتہاد و استنباط میں آپ کی مثال دی جاتی ہے۔ یہی وہ اوصاف تھے کہ جن کی بناء پر سمرقند میں آپ کے عہدہ قضاء سپرد کیا گیا مگر انکار کر دیا اس کے بعد سلطان وقت کے زیادہ اصرار پر آپ کو قاضی بنا دیا گیا لیکن آپ کی طبیعت نے اس کو گوارہ نہ کیا اور صرف ایک فیصلہ دینے کے بعد استعفیٰ دیدیا۔ (اعلام ۹۵/۴، سیر اعلام النبلاء ۲۲۸/۱۲)

علم کا حسن اعتراف: عبدالصمد بن سلیمان بخاری کا بیان ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ حمانی کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا: جو کنہاء لقول عبداللہ بن عبد الرحمان لانہ امام۔

محمد بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عبد الرحمان (امام دارمی) ورع و تقویٰ اور حفظ میں ہم سب پر غالب آ گئے۔ (سیر ۲/۲۲۶)

اسی طرح محمد بن عبد اللہ مخرمی فرماتے ہیں کہ جب تک عبد اللہ بن عبد الرحمان تمہارے درمیان موجود ہیں اس وقت تک تمہیں دوسرے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ محمد بن بشار کہتے ہیں کہ حفاظ حدیث دنیا میں پا رہے ہیں جن میں سے ایک عبد اللہ بن عبد الرحمان سمرقندی (امام دارمی) ہیں۔ (سیر ۱۲/۲۲۶)

اساتذہ: (۱) یزید بن ہارون (۲) مطلق بن عبید (۳) جعفر بن عون (۴) بشر بن عمر انزہرانی (۵) ابو علی عبید اللہ بن عبد الحمید الحنفی (۶) ابو بکر عبد الکبیر (۷) محمد بن بکر البرسانی (۸) زکریا بن عدی (۹) ابو نعیم (۱۰) محمد بن یوسف الفریابی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۲۲۳)

تلامذہ: آپ سے ایک خلق کثیر نے استفادہ کیا بڑے بڑے علما اور محدثین آپ کے شاگردوں میں ہوئے۔ (۱) امام مسلم (۲) امام ابو داؤد (۳) امام ترمذی (۴) محمد بن بشار (۵) عبد بن حمید (۶) حسن بن صباح جیسے یکتائے روزگار آپ کے شاگردوں کی فہرست میں آتے ہیں۔

وفات: ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۹ء کو آپ کی وفات ہوئی۔ (۱۱ اعلام ۴/۹۵)

تصانیف: آپ کی تصانیف میں (۱) المسند فن حدیث میں (۱) الجامع الصحیح المسمی سنن الدارمی (۲) التفسیر عمدة تصانیف ہیں۔ (۱۱ اعلام ۴/۹۵، سیر اعلام النبلاء ۱۲/۲۲۸)



﴿ ۱۱ ﴾ امام دارقطنیؒ

نام و نسب: نام علی، کنیت ابو الحسن، سلسلہ نسب اس طرح ہے: علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن العمان بن دینار بن عبد اللہ دارقطنی شافعی۔ (تاریخ بغداد ۳۴/۱۲)

تاریخ پیدائش: بغداد کے ایک محلہ ”دارقطن“ میں ۳۰۶ھ مطابق ۹۱۹ء کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۴۹/۱۶)

علمی رحلت: آپ مصر شریف لے گئے وہاں ابن حنزلہ وزیر کافور شیری نے آپ کی مسند کی تالیف میں معاونت کی۔ اسکے بعد آپ بغداد واپس تشریف لے آئے۔

مختلف علوم و فنون میں مہارت: علم حدیث کے ساتھ ساتھ دیگر علوم و فنون میں کامل درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔ آپ امام وقت اور یکتائے روزگار تھے۔ علل حدیث کی معرفت۔ اسماء رجال پر گہری نظر تھی۔ نیز راویوں کے احوال کی جانچ پرکھ انتہائی سچائی اور دیانتداری کے ساتھ کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ۳۴/۱۲)

علم کا حسن اعتراف: خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا جنہیں علوم قرآن میں کوئی معرفت اور گہری دلچسپی ہے۔ کہ امام ابو الحسن (دارقطنی) سے پہلے اس راہ پر کوئی نہ چلا جس راہ کو امام دارقطنی نے اختیار کیا یعنی مختلف قراءتوں کو باب درباب بیان کیا اور اس موضوع پر سب سے پہلے کتاب لکھی۔ چنانچہ بعد کے تمام قراء آپ ہی کے خوشہ چیں ہیں نیز مذاہب فقہاء پر بھی آپ گہری نظر رکھتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء)

(۲۵۲/۱۶، تاریخ بغداد ۱۲/۳۴)

رجاء بن محمد بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے دارقطنیؒ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اپنے جیسا کسی کو پایا ہے۔ دارقطنیؒ نے میرے سامنے یہ آیت پڑھی: ”فلاتزکوا انفسکم“ الآية۔ (یعنی مقصد یہ تھا کہ میں اپنے بارے میں کیسے بتاؤں جبکہ قرآن کا فرمان ہے کہ اپنے آپ کو پاک باز نہ سمجھو) ”رجاء“ کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔ میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ میں کسی ایسی شخصیت کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ جس کے بارے میں یہ کہہ سکوں کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس کے ہم معصروں میں اس کا ہم پذیر کوئی نہیں تھا۔ تب امام دارقطنیؒ نے کہا کہ اگر تم ایک فن کی بات کرتے ہو تو مجھ سے افضل بہت ملیں گے۔ لیکن وہ علوم و فنون جو میرے پاس موجود ہیں وہ کسی دوسرے میں موجود نہیں کہ وہ مجھ سے افضل ہو۔ (تاریخ بغداد ۳۵/۱۲، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۳۵۵)

آپ کی ذہانت کا ایک عجیب واقعہ: رجاء بن محمد انصاری کہتے ہیں کہ ایک دن ہم امام دارقطنیؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ نفل نماز میں مشغول تھے پڑھنے والا حدیث کی قراءت کر رہا تھا چنانچہ ایک حدیث آئی جس میں نسیر بن دغلق راوی کا ذکر تھا قاری نے کثیر بن دغلق پڑھا۔ آپ نے بطور تعجب کہا: سبحان اللہ، قاری نے دوبارہ بشیر بن دغلق پڑھا، آپ نے پھر سبحان اللہ کہا قاری نے تیسری مرتبہ یسیر بن دغلق پڑھا تب آپ نے ن والقلم وما یسطرون والی آیت پڑھی یعنی اشارہ تھا کہ شروع میں ”نون“ ہے چنانچہ پھر قاری نے اس کو صحیح کر کے نسیر بن دغلق پڑھا۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں۔ (تاریخ بغداد ۳۸/۱۲، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۳۵۵)

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ مثلاً (۱) ابوالقاسم بغوی (۲) ابوبکر بن ابی داؤد (۳) یحییٰ بن صاعدی (۴) بدر بن ابیہثم القاضی (۵) احمد بن

اسحاق بہلول (۶) یوسف بن یعقوب نیشاپوری (۷) عبد اللہ بن محمد بن سعید الجمال۔
تلامذہ: (۱) ابو نعیم اصبہانی (۲) ابو بکر الیرقانی (۳) ابو القاسم بن بشران (۴)
 حمزہ بن محمد بن طاہر (۵) عبد العزیز الازجی (۶) ابو بکر بن بشران (۷) قاضی ابو الطیب
 الطمری وغیرہ وغیرہ۔

وفات: ۳۸۵ھ مطابق ۹۹۵ء کو بغداد میں وفات ہوئی۔

تصانیف: (۱) السنن (۲) العلل الواردة فی الاحادیث النبویہ (۳)
 المجتبیٰ من السنن الماثورۃ (۴) المؤتلف والمختلف (۵) الضعفاء (۶)
 اخبار عمرو بن عبید (۱۱ اعلام ۴/۲۱۴، تاریخ بغداد ۱۲/۳۴، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۴۴۹)



﴿امام بیہقی﴾

﴿۱۲﴾

نام و نسب: نام احمد، کنیت ابو بکر، سلسلہ نسب یوں ہے: ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ الخسر و جروی البیہقی۔

مولد و مسکن: ماہ شعبان ۳۸۴ھ کو خسرو جرو میں پیدا ہوئے جو نیشاپور میں بیہق کے نواح میں ایک گاؤں ہے۔

حصول تعلیم اور اسفار: آپ کی تربیت بیہق میں ہوئی، یہیں رہ کر مختلف علماء سے علم حاصل کیا اس کے بعد حصول علم کے لئے بغداد، کوفہ، مکہ اور دیگر علاقوں کے اسفار کئے اور پھر نیشاپور میں اقامت اختیار کر لی اور تادم حیات وہیں مقیم رہے۔ بعد از وفات ان کی نعش مبارک بیہق لائی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱۳۲/۳)

علم کا حسن اعتراف: امام الحرمین فرماتے ہیں کہ کوئی شافعی ایسا نہیں جس پر امام شافعی کا احسان نہ ہو سوائے امام بیہقی کے۔ نیز فرماتے ہیں کہ (اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا) کہ امام بیہقی کا امام شافعی پر یک گونہ احسان ہے، اس طور پر کہ امام بیہقی نے امام شافعی کے مذہب کو بہت زیادہ نکھارا ہے۔ اور شافعیت کی تائید میں بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں نیز مذہب شوافع کے مختصر مقامات کی عمدہ شرح فرمائی اور امام شافعی کی آراء کو دلائل سے مبرہن کیا۔ (الاعلام ۱/۱۱۶، تذکرۃ الحفاظ ۱۱۲۲/۳)

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام بیہقی پاجتے تو مستقل ایک مسلک قائم فرما سکتے تھے

اور وہ اس پر اچھی طرح قادر تھے کیونکہ ان کے پاس علوم کے ذخائر تھے اور اختلاف علماء پر گہری نظر تھی۔ (الاعلام)

اساتذہ: (۱) ابوالحسن محمد بن الحسین العلوی (۲) ابو عبد اللہ حاکم (۳) ابوطاہر بن خُشم (۴) ابوبکر بن نورک (۵) عبد اللہ بن یوسف بن بانویہ (۶) ابو عبد الرحمن السلمی (۷) ابوالحسن بن بشران (۸) ابن یعقوب الایادی وغیرہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۱۳۲)

تلامذہ: (۱) شیخ الاسلام ابواسامیل انصاری (۲) ابوالحسن عبید اللہ بن محمد (۳) اسماعیل بن احمد (۴) ابو عبد اللہ الفراوی (۵) ابو القاسم اشحامی (۶) عبد الجبار بن عبد الوہاب (۷) عبد الحمید بن محمد۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۱۳۲)

وفات: ۴۵۸ھ مطابق ۹۹۴ء کو امام بیہقی نے اس دار فانی کو الوداع کہا اور مالک حقیقی سے جا ملے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف تقریباً ایک ہزار ہیں جن میں سے (۱) السنن کبریٰ ۱۰ اجلدیں (۲) سنن صغریٰ (۳) معارف (۴) الاسماء والصفات (۵) دلائل النبوة (۶) الآداب (۷) الترغیب والترہیب (۸) المبسوط۔ آپ کی قابل ذکر یادگار ہیں۔ (الاعلام ۱/۱۱۶، تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۱۳۲)



﴿ ۱۳ ﴾ ﴿ امام رزین ﴾

نام ونسب: نام رزین، کنیت ابو الحسن، سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابو الحسن رزین بن معاویہ بن عمار العبدری الماندلسی۔ (سیر اعلام النبلاء، ۲۰۴/۲۰۵)

جانے پیدائش: آپ نیر قنطہ کے رہنے والے تھے جو اندلس میں پڑتا ہے اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو نیر قنطہ بھی کہا جاتا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ۲۰۵/۲۰۶)

مجلورت مکہ مکرمہ: ایک زمانہ تک آپ مکہ مکرمہ میں رہے بلکہ حرم مکی میں مالکیہ کے امام تھے۔ صاحب اعلام نے آپ کو ”امام الحرمین“ لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حرم مکی اور حرم مدنی دونوں میں امام رہ چکے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ۲۰۵/۲۰۶)

اساتذہ: مکہ المکرمہ میں ہی عیسیٰ بن ابی ذر سے صحیح بخاری کی سماعت کی اور ابو عبد اللہ طبری سے صحیح مسلم کی سماعت کی۔ (سیر اعلام النبلاء، ۲۰۵/۲۰۶)

تلامذہ: قاضی حرم ابو المنظر محمد بن علی طبری (۱) ابن قدامہ (۲) حافظ ابن عساکر (۳) ابو موسیٰ المدینی۔

تصنیف: تجرید الصحاح۔ اس میں آپ نے موطا اور صحاح خمسہ کی روایات کو جمع کیا ہے اور علامہ ابن الاثیر نے بھی اپنی کتاب جامع الاصول کی تصنیف میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ (مقدمہ جامع الاصول ۱/۴۹، بحوالہ سیر اعلام النبلاء، ۲۰۵/۲۰۶)

وفات: ۵۳۵ھ کو مکہ مکرمہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ وفات کے سلسلہ میں ۵۲۴ھ اور ۵۲۵ھ کے اقوال بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔ (حاشیہ سیر: ۲۰۵/۲۰۶)

﴿ ۱۴ ﴾ ﴿ امام ابن خزمہ ﴾

نام و نسب: نام محمد، کنیت ابو بکر، سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن اسحاق بن خزمہ بن المغیرہ بن صالح بن بکر السلمی الشافعی۔

جانے پیدائش: ۲۲۳ھ مطابق ۸۳۸ء کونیٹاپور میں آپ کی پیدائش ہوئی۔
وسعت علم: امام ابن خزمہ اپنے زمانے میں نیشاپور کی مسلم شخصیت کے حامل تھے۔ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ اور مجتہد بھی تھے۔ نیز وسعت علم اور رسوخ فی العلم میں آپ کی مثال دی جاتی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۳۶۵)

اسفار: امام ابن خزمہ نے طاب علم کے لئے عراق، شام، جزیرہ، مصر وغیرہ کے اسفار کئے اور وہاں کے علماء سے خوب استفادہ کیا۔ علامہ سبکی نے آپ کو امام الامہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (الاعلام ۶/۲۹)

علم کا حسن اعتراف: محمد بن ہبل طوسی کہتے ہیں کہ ربیع بن سلیمان ہم سے کہتے تھے کہ کیا تم ابن خزمہ کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں! پھر آپ نے فرمایا کہ ابن خزمہ نے ہم سے جو استفادہ کیا وہ تو کیا مگر ہم نے ان سے اس سے بھی زیادہ استفادہ کیا ہے۔

ابو علی الحافظ: فرماتے ہیں کہ ابن خزمہ کوفہ سے متعلق احادیث اس طرح یاد تھیں جس طرح ایک قاری کو سورت یاد ہوتی ہے۔

اساتذہ: (۱) اسحاق بن راہویہ (۲) محمد بن حمید (۳) محمود بن غیلان (۴) عتبہ بن

عبد اللہ المروزی (۵) علی بن حجر (۶) احمد بن منیع (۷) بشر بن معاذ (۸) ابو کریب (۹) عبد الجبار بن العلاء (۱۰) محمد بن بشار (۱۱) نصر بن علی (۱۲) محمد بن ابان (۱۳) یونس بن عبد اللہ علی وغیرہ بڑے بڑے مشائخ عظام سے اکتساب فیض کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۶۶-۳۶۵)

تلامذہ: (۱) امام بخاری (۲) امام مسلم (۳) محمد بن عبد اللہ (۴) احمد بن مبارک (۵) امیر ایم بن ابی طالب (۶) ابو حاتم البستی (ابن حبان) وغیرہ وغیرہ (سیر ۱۴/۳۶۶)

وفات: ۳۱۱ھ مطابق ۹۲۴ء کو نیشاپور میں آپ کی وفات ہوئی۔

تصانیف: اپنے پیچھے کافی علمی ذخیرہ چھوڑا مختلف علوم و فنون پر ایک سو پالیس سے زیادہ آپ کی تصانیف ہیں جن میں سے ”کتاب التوحید و اثبات صفة الرب“ ہے۔

تعارف صحیح ابن خزمیرہ

صحیح ابن خزمیرہ آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے اس کا دوسرا نام مختصر المختصر ہے صحت کے اعتبار سے اس کو صحیح ابن حبان پر فوقیت حاصل ہے پھر بھی حافظ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ صحیح ابن خزمیرہ کی تمام احادیث صحیح نہیں ہیں۔ صحیح ابن خزمیرہ کا تین چوتھائی حصہ حافظ ابن حجر کے وقت سے پہلے نایاب ہو چکا تھا۔ ماضی قریب میں استنبول کے ایک کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ دریافت ہوا جس کو ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے تحقیق و تعلیق کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر دیا ہے جو باب اباحۃ العمرة قبل الحج تک ہے باقی کتاب آج بھی نایاب ہے۔



﴿ ۱۵ ﴾ امام ابن حبانؒ

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابو حاتم، سلسلہ نسب یوں ہے: ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد ابن سہید بن ہدیہ بن مرة بن سعد بن یزید بن مرة بن زید بن عبد اللہ بن دارم بن حنظلہ بن مالک بن زید ابن حمیم۔ التیمی البستی۔ (تذکرۃ الحفاظ ۹۲۲/۳)

مولد: آپ بختان کے ایک شہر بست میں پیدا ہوئے اسی لئے آپ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے بستی بھی کہا جاتا ہے تاریخ ولادت کا ذکر تذکرہ نویسوں نے نہیں کیا ہے۔

اوصاف حمیدہ: آپ جہاں بلند پایہ محدث تھے تو دوسری طرف فن تاریخ میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا اسی طرح فن جغرافیہ میں بھی آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ (الاعلام ۶/۷۸)

اسفار: امام ابن حبانؒ نے حصول علم کے لئے مختلف شہروں اور ممالک اسلامیہ کے اسفار کئے مثلاً خراسان، شام، مصر، عراق، جزیرہ وغیرہ۔

عہدہ قضاء: آپ سرقند میں ایک وقت تک عہدہ قضاء پر مامور رہے اس کے بعد نیشاپور تشریف لے گئے اور پھر اپنے شہر بست میں لوٹ آئے۔ (تذکرہ: ص ۹۲۲/۱، الاعلام: ص ۷۸/۶)

اعتراف علم و فضل: آپ کا شمار ان شخصیات میں کیا جاتا ہے جو کثرت تصانیف میں مشہور ہیں، یا قوت کہتے ہیں: اخرج من علوم الحديث ما عجز عنه

غیرہ۔ (الاعلام ۶/۷۸)

اساتذہ: حسین بن ادریس الہروی (۱) ابوخلیطہ الحلی (۲) امام نسائی (۳) عمران بن موسیٰ (۴) حسن بن سفیان (۵) ابوبکر بن خزیمہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۹۲۰)

تلامذہ: (۱) حاکم (۲) منصور بن عبد اللہ خالدی (۳) عبد الرحمن بن محمد (۴) ابو الحسن محمد بن احمد بن ہارون التروزی (۵) محمد بن احمد بن منصور التوقانی۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۹۲۱)

وفات: ماہ شوال ۳۵۴ھ مطابق ۹۶۵ء کو آپ اپنے شہر بست میں ہی مالک حقیقی سے جا ملے۔

تصانیف: امام ابن حبان جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کثیر التصانیف عالم ہیں جن میں سے ایک المسند الصحیح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سنن ابن ماجہ سے بھی اصح ہے۔

تعارف صحیح ابن حبان

امام ابن حبان کثیر التصانیف محدثین میں سے ہیں ان کی کتاب الانواع والتقاہیم کا دوسرا نام صحیح ابن حبان ہے۔ یہ ابن حبان کی گرانقدر تالیف ہے جس کو انہوں نے عام محدثین کے طرز نگارش سے ہٹ کر عجیب طریقہ سے مرتب کیا ہے مثلاً کہتے ہیں النوع السادس والاربعون من القسم الثاني في النواهي اس ترتیب جدید کی وجہ سے اس سے استفادہ دشوار ہو گیا ہے۔ محدث امیر علاء الدین ابوالحسن علی فارسی حنفی متوفی ۷۳۷ھ نے اس کو ابواب فقہ پر مرتب کیا تھا اور اس کا نام الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان رکھا تھا جس کی جلد اول محقق احمد شاہ کی تحقیق کے ساتھ دارالمعارف قاہرہ سے شائع ہو چکی ہے۔ تصحیح کے معاملہ میں امام ابن حبان کی شرائط دوسرے ائمہ کے مقابلہ میں نرم ہیں اس لئے حسن بلکہ ضعیف احادیث بھی ان کی شرائط کے مطابق صحیح کی تعریف میں آ جاتی ہیں اس لئے اس کتاب کو اگرچہ حاکم کی المسند رک پر فوقیت حاصل ہے لیکن دیگر صحاح مجردہ کے ہم پایہ نہیں ہے۔

﴿ ۱۶ ﴾ امام حاکم صاحب مستدرک^۲

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابو عبد اللہ، عرف حاکم شجرہ نسب یوں ہے: ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن حمدویہ ابن نعیم النضی نیشاپوری۔ آپ کا عرفی نام حاکم ہے اسی نام سے آپ کی شہرت ہے۔ ابن البیع سے بھی شہرت ہے۔

ولادت: ماہ ربیع الاول ۳۲۱ھ کو نیشاپور میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی ۳۳۱ھ میں عراق تشریف لے گئے اور فریضہ حج بھی ادا کیا۔

اسفار: حصول علم کی خاطر خراسان اور ماوراء النہر اور ان کے علاوہ مختلف علاقوں کے اسفار کئے اور تقریباً دو ہزار اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔

عہدہ قضا: ۳۵۹ھ میں نیشاپور کے قاضی مقرر ہوئے، اس کے بعد جر جان کا عہدہ قضا آپ کے سپرد کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔

حدیث دانی: علل حدیث میں آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ حدیث کی صحت اور سقم کے پچانے میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ (۱۱ اعلام ۶/۲۲۷)

علم کا حسن اعتراف: ابو حازم کا بیان ہے کہ میں تقریباً تین سال ابو عبد اللہ النضی کے پاس رہا اور میں نے اپنے مشائخ میں ان سے زیادہ کسی کو متھن (ماہر) نہیں پایا لیکن جب کبھی ان کو کسی بات میں اشکال پیش آتا تو مجھے فرماتے کہ ابو عبد اللہ (حاکم صاحب مستدرک) کو لکھو چنانچہ جب ان کا جواب آ جاتا تب اس کا حکم فرماتے اور قطعی فیصلہ سناتے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۱۷/۱۷۱)

ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن علی سے دریافت کیا ان پارہ معصروں میں احفظ کون ہے یعنی (۱) دارقطنی (۲) عبد الغنی (۳) ابن مندہ (۴) حاکم، تو سعد بن علی نے جواب دیا کہ ”دارقطنی“ علل حدیث میں مہارت رکھتے ہیں ”عبد الغنی“ انساب کے ماہر ہیں۔ ”ابن مندہ“ احادیث کو اس کے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ ان سب سے زیادہ جانتے ہیں اور ”حاکم“ از روئے تصنیف ان سب میں فائق ہیں۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱) امام حاکم نے اپنے والد محترم عبد اللہ بن حمدویہ سے بھی روایت کی ہے۔ (۲) محمد بن علی (۳) ابو العباس الاصم (۴) ابو جعفر محمد بن صالح بن ہانی (۵) محمد بن عبد اللہ الصغار (۶) ابو عبد اللہ بن الاخرم (۷) ابو انصر محمد بن محمد بن یوسف۔ علامہ ذہبی نے متعدد اساتذہ کا تذکرہ کر کے لکھا ہے: وما زال يسمع حتى سمع من اصحابه. (تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۰۳۹)

تلامذہ: (۱) امام دارقطنی (۲) ابو الفتح بن ابی الفوارس (۳) ابو العلاء الواسطی (۴) محمد بن احمد بن یعقوب (۵) ابو ذر الہروی (۶) ابو یعلیٰ خلیلی (۷) ابو بکر البیہقی۔

وفات: امام حاکم حمام میں گئے اور غسل فرما کر جوں ہی باہر آئے زبان سے ”آ“ کی آواز نکلی اور روح جسد غصری سے پرواز کر گئی۔ اس وقت آپ ازار (لنگی) پہنے ہوئے تھے قمیص نہیں پہن رکھی تھی، اس کے بعد قمیص نہیں پہنائی گئی حتیٰ کہ بروز بدھ بعد نماز عصر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی نماز جنازہ ابو بکر البیہقی نے پڑھائی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۷۳/۱۷۳، تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۰۳۵)

تصانیف: ابن عساکر نے لکھا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار کتابیں آپ کے گوہر بار

قلم سے نکلی جن میں سے کچھ یہ ہیں: (۱) تاریخ نیشاپور (۲) المستدرک علی الصحیحین (۳) الاکلیل (۴) المدخل (۵) تراجم الشیوخ (۷) الصحیح (۸) فضائل الشافعی (۸) تسمیة من اخرجهم البخاری و مسلم (۹) معرفة علوم الحدیث. (۱۱) الاعلام للدرکلی ۶/۲۳۷)

تعارف صحیح الحاکم المعروف بالمستدرک

امام حاکم کی شہرہ آفاق کتاب المستدرک ہے جس کا پورا نام المستدرک علی الصحیحین ہے جس میں موصوف نے وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جو امام بخاری و امام مسلم اور دیگر ائمہ کی شرائط کے مطابق صحیح تھیں اور انہوں نے اپنی کتب میں ان کو چھوڑ دیا ہے مگر امام حاکم صحیح حدیث کے سلسلہ میں بڑے مسائل اور نرم واقع ہوئے ہیں انہوں نے نہ صرف ضعیف و منکر بلکہ احادیث موضوعہ کو بھی صحیح قرار دینے کا کام انجام دیا ہے، جس کی بناء پر بعض محدثین نے مستدرک کی تمام احادیث کی صحت کا انکار کر دیا ہے مگر یہ بات خلاف واقعہ ہے کیونکہ اس میں بہت سی احادیث علی شرط الشیخین صحیح ہیں۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں حافظ شمس الدین ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ مستدرک کی نصف احادیث بلاشبہ شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہیں اور ایک ربع احادیث کے رجال قابل استدلال ہیں مگر ان میں کوئی علت پائی جاتی ہے ایسی احادیث کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے ان پر عمل کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور باقی ایک چوتھائی حصہ انتہائی ضعیف، منکر اور موضوع احادیث پر مشتمل ہے۔ (مقدمہ درس ترمذی)

امام ذہبی متوفی ۴۸۵ھ نے مستدرک کی تلخیص فرمائی ہے اور جابجا حاکم پر سخت تعقبات کئے ہیں۔ تلخیص ذہبی کے ساتھ مستدرک حاکم چار ضخیم جلدوں میں پہلی بار دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سے ۱۳۳۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

﴿ ۱۷ ﴾ امام ضیاء الدین المقدسیؒ

نام و نسب: ابو عبد اللہ ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمن السعدی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی ہے۔

ولادت: ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۷ء بمقام دمشق آپ کی ولادت ہوئی اس وجہ سے دمشقی کہا جاتا ہے۔ فقہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے اس لئے حنبلی کہلاتے ہیں۔

اسفار: بغداد، مصر، فارس وغیرہ بلاد اسلام کا سفر کیا اور پانچ سو سے زائد شیوخ سے روایت حدیث میں استفادہ کیا، دمشق میں انہوں نے دارالحدیث الضیائیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس پر ساری کتابیں وقف کر دی تھیں۔ مختلف موضوعات پر آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

وفات: ۶۴۳ھ مطابق ۱۲۴۵ء ۷۴ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔

تعارف المختارہ

ضیاء الدین مقدسیؒ کی بلند پایہ کتب میں سے المختارہ ہے۔ اس کا مکمل نام "الاحادیث الجیاد المختارۃ مما لیس فی الصحیحین او احدهما" ہے حافظ ضیاء الدین المقدسیؒ نے اپنی اس اہم کتاب کو صحابہ کرام کی ترتیب پر حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب فرمایا ہے لیکن حافظ مقدسیؒ اس کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ امام زرکشی وغیرہ کی تحقیق کے مطابق المختارہ کا مقام تصحیح میں امام حاکم کی المسند رک سے بلند ہے تاہم اس میں بھی غیر صحیح احادیث آئی ہیں اگرچہ ان کی تعداد انتہائی کم ہے۔

﴿امام ابو عوانہؒ﴾

﴿۱۸﴾

نام و نسب: نام یعقوب، کنیت ابو عوانہ، سلسلہ نسب یوں ہے: یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید، اسفرائینی میثا پوری۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۷۷۹)

اسفار: تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ آپ نے طلب حدیث کے سلسلہ میں مختلف علاقوں کے اسفار کئے جن میں سے شام، مصر، عراق، حجاز، جزیرہ، یمن اور بلاد فارس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مستقل اقامت: مختلف ممالک اور شہروں کے اسفار کرنے کے بعد اسفرائینی میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اس وجہ سے اسفرائینی کہلاتے ہیں۔

علماء کا حسن اعتراف: یاقوت فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار حفاظ حدیث میں ہوتا ہے، نیز علامہ ذہبی نقل کرتے ہیں کہ آپ کی وجہ سے شوافع کا مذہب اور ان کی کتابیں اسفرائینی میں پہنچی۔ یاقوت حموی نے آپ کو واحد حفاظ الدنیا کے وقیع الفاظ سے یاد کیا ہے۔ (تذکرہ ۳/۷۸۰)

اساتذہ: (۱) یونس بن عبد الاعلیٰ (۲) احمد بن الازہری (۳) علی بن حرب (۴) محمد بن یحییٰ ذہلی (۵) علی بن اشکاب وغیرہ۔ (تذکرہ ۳/۷۷۹)

تلامذہ: (۱) احمد بن علی رازی (۲) ابو علی میثا پوری (۳) یحییٰ بن منصور القاضی (۴) ابن عدی (۵) علامہ طبری۔ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۷۷۹-۷۸۰)

وفات: ۳۱۶ھ مطابق ۹۲۸ء کو سمرقند میں آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔

تصنیف: ”الصحيح المسند المخرج على صحيح مسلم“ آپ کی عمدہ تصنیف ہے۔ (الاعلام ۸/۱۹۶)

تعارف صحیح ابوعوانہ

یہ کتاب دراصل صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔ مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث اپنی ایسی سند سے روایت کی جائے جس میں اس کتاب کے مصنف کا واسطہ نہ آتا ہو۔ چونکہ اس کتاب میں امام مسلم کی سند کے علاوہ دیگر طرق و اسانید سے روایات نقل کی گئی ہیں اس لئے اس کا نام مستخرج ہے بلکہ اس میں قدرے متون کا اضافہ بھی ہے۔ اس اعتبار سے گویا یہ مستقل کتاب ہے۔ صحیح ابوعوانہ کی دو جلدیں عرصہ دراز قبل حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہیں امام ذہبی نے اس کی تلخیص فرمائی ہے جو ”منتقى الذہبی“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں دوسو تیس احادیث ہیں۔



﴿ ۱۹ ﴾ ﴿امام ابن السکُن﴾

نام ونسب: نام سعید، کنیت ابوعلی، سلسلہ نسب یوں ہے: ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید بن اسکن البغدادی۔

تاریخ ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۲۹۴ھ مطابق ۹۱۴ء ہے۔

بیدار مغز مصنف: آپ کا شمار حفاظ حدیث، بیدار مغز مصنفین اور علماء کالمین میں ہوتا ہے، صاحب ”اعلام“ نے لکھا ہے: قال بن ناصر الدین: کان احد الانمة الحفاظ والمصنفين الايقاظ. (اعلام ۳/۹۸، سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۱۷)

پیشہ: آپ تجارت کرتے تھے اور اسی سے اپنی زندگی کی ضروریات مہیا کرتے تھے۔

اسفار: آپ نے حصول علم کی خاطر مختلف اسفار کئے علامہ ذہبی لکھتے ہیں: نزول مصر بعد ان اکثر الترحال ما بین النهرین نہر جیحون ونهر النيل ... جمع و صنف وجرح وعدل وصحح وعلل. (سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۱۷)

اعتراف علم و فضل: آپ کے علم و فضل کا بھی لوگوں نے لوہا مانا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم آپ کی صحیح کی بہت تعریف کیا کرتے تھے جو ”المتقی“ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

اساتذہ: آپ نے مختلف اساتذہ سے اکتساب فیض کیا جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں: (۱) ابوالقاسم بغوی (۲) ابن ابی داؤد (۳) ابو عروہ (۴) احمد بن عمیر (۵) سعید

بن عبدالعزیز حلبی (۶) محمد بن یوسف فربری۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہے خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔ مثلاً (۱) ابوسلیمان بن زبیری (۲) ابوعبداللہ بن مندہ (۳) عبدالغنی المزوی (۴) علی بن محمد الدقاق (۵) عبدالرحمن بن عمر بن الحاس (۶) عبداللہ بن محمد بن اسد القرطبی (۷) ابو جعفر بن عون اللہ (۸) قاضی ابوعبداللہ محمد بن احمد مفرج۔

وفات: ماہ محرم ۳۵۳ھ مطابق ۹۶۴ء کو مصر میں آپ کی وفات ہوئی۔

تالیفات: اگرچہ آپ کی تالیفات کثیر ہیں جیسا کہ صاحب ”الاعلام“ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کان احد الانمة الحفاظ والمصنفين الايقاظ. (۱۱/۳/۹۸) مگر آپ کی تالیفات میں سے آپ کی صحیح یعنی ”المنقی“ کے علاوہ دیگر تالیفات کا علم نہ ہو سکا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: جمع وصنف ... ولم نر توالیفه ہی عند المغاربة. (سیر اعلام النبلاء ۱۶/۱۱۷)

تعارف صحیح ابن السکن

اس کا پورا نام الصحیح المتقی اور السنن الصحاح الماثورہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ محذوف الاسناد ہے۔ خود مؤلف نے کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں جو کچھ مجملاً لکھا ہے وہ صحت کے اعتبار سے مجمع علیہ ہے اور اس کے بعد جو احادیث ذکر کی ہیں وہ ائمہ کے مختارات ہیں اور جو روایت کسی سے انفراداً نقل کی ہے اس کی علت اور انفراد کو ذکر کر دیا ہے یہ کتاب زمانہ دراز سے نایاب ہے۔





﴿امام ابن الجارود اور ان کی کتاب ”المنتقى“﴾

نام ونسب: نام عبداللہ، کنیت ابو محمد، سلسلہ نسب یوں ہے: ابو محمد عبداللہ بن علی بن الجارود نیشاپوری۔

تاریخ ولادت: تاریخ ولادت کے بارے میں علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں ولد فی حدود الثلاثین ومائتین اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۳۳۰ھ کے آس پاس ہوئی ہے۔ (سیر ۱۲/۲۳۹)

اعتراف علم و فضل: علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار علماء راسخین فی العلم میں ہوتا تھا کان من العلماء المتقین المجودین۔ اس کے ساتھ امام حاکم اور دیگر حضرات نے بھی آپ کی مدح سرائی کی ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۲۴۰)

اساتذہ: آپ کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں:

- (۱) ابوسعید الأشج (۲) حسن بن محمد زعفرانی (۳) علی بن خشرم (۴) محمود بن آدم (۵) زیاد بن ایوب (۶) یعقوب دورقی (۷) عبداللہ بن ہاشم الطوسی (۸) احمد بن الازہری (۹) احمد بن یوسف (۱۰) محمد بن یحییٰ ذہبی (۱۱) ابن خزیمہ (۱۲) محمد بن ابی عبدالرحمن المقرئ (تذکرۃ الحفاظ ۳/۷۹۲، سیر ۱۲/۲۴۰)

تلامذہ: (۱) ابو حامد بن اشرقی (۲) محمد بن نافع الجوزی (۳) دعلج بن احمد السجری (۴) ابوالقاسم الطبرانی (۵) محمد بن جبرئیل الجعفی (۶) یحییٰ بن منصور القاضی وغیرہ۔

(تذکرۃ الحفاظ ۳/۹۴، سیر النبلاء ۱۴/۲۳۰)

تاریخ وفات: ۳۰ھ مطابق ۹۲۰ء کو مکہ المکرمہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

(سیر النبلاء ۱۴/۲۳۰، تذکرۃ الحفاظ ۳/۹۴، الاعلام ۴/۱۰۴)

تالیف: ”المنتقى في السنن“ یہ کتاب احکام میں ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے

ہیں کہ سوائے دوچار احادیث کے اس کی روایات حسن کے درجہ سے کم نہیں ہیں۔

المنتقى في السنن مجلد واحد في الاحكام لا ينزل فيه عن رتبة

الحسن ابدا الا في النادر في احاديث يختلف فيها اجتهاد النقاد. (سیر اعلام

النبلاء ۱۴/۲۳۹)

اس کتاب کا پورا نام المنتقى من السنن المسندة عن رسول الله صلى

الله عليه وسلم في الاحكام ہے یہ کتاب دراصل صحیح ابوعوانہ کی مستخرج ہے جس میں

آٹھ سو احادیث کے قریب ہیں۔ ابوعمر واندلسی نے ”المرتقى في شرح المنتقى“ کے

نام سے اس کی شرح بھی لکھی ہے۔





الامام الاعظم ابو حنیفۃ النعمان

علیہ الرحمۃ و الرضوان

المولود ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ

فضائل امام ابو حنیفہؒ

مسند احمد میں سند کے ساتھ یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ”ولو كان العلم بالشريبا لتناوله ناس من ابناء فارس“ اگر علم شریا میں بھی ہو تو فارس کے لوگ اسے پالیں گے۔ حافظ ابن حجر مکیؒ نے خیرات الحسان میں حافظ جلال الدین سیوطیؒ کے بعض تلامذہ سے نقل کیا ہے ہمارے استاذ (جلال الدین سیوطیؒ) نے یقین کیا ہے کہ اس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ ہی مراد ہیں۔ کیوں کہ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے زمانے میں اہل فارس میں سے کوئی بھی امام صاحب کے علمی مقام اور فتنی قدر و منزلت کو نہیں پہنچ سکا۔ اور آپ تو آپ بلکہ آپ کے تلامذہ کا مقام بھی کوئی نہ پاسکا۔ اساتذہ و طلبہ علم حدیث یہ بات جانتے ہیں کہ اکثر ائمہ فن اور اساتذہ و شارحین حدیث نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا صحیح مصداق حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کو قرار دیا ہے۔

تبیسض الصحیفہ میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ فہذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارة۔ بشارت میں یہ روایت اصل صحیح اور قابل اعتماد ہے۔

سیرت شامیہ کے مصنف علامہ حافظ محمد ابن یوسف شامیؒ نے بھی جلال الدین سیوطیؒ

سے یہی نقل کیا ہے۔

السراج المنیر میں اکابر اہل علم اور ائمہ حدیث سے نقل کیا گیا ہے کہ حملہ بعض المحققین علی ابی حنیفہؒ۔ بعض محققین نے اس روایت کو امام اعظم ابو حنیفہؒ پر محمول کیا ہے۔

چنانچہ خیرات الحسان میں علامہ ابن حجر بیہقی سے منقول ہے کہ: فیہ معجزۃ ظاہرۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبر بما سيقع. اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے کہ آپ نے ہونے والی بات کا پتہ دیا ہے۔

محدث جلیل علامہ حافظ عبدالعزیز بن میمون کی روح جن جنہوز جن جنہوز کر پکار رہی ہے من احب ابا حنیفہؒ فہو سنی ومن ابغضہ فہو مبتدع. جو ابو حنیفہؒ سے محبت رکھتا ہے وہ سنی ہے اور جو آپ سے بغض رکھتا ہے وہ بدعتی ہے۔

لقد زان البلاد من علیہا

امام المسلمین ابو حنیفہ

بآثار وفقہ فی حدیث

کآثار الزبور علی الصحیفہ

فما فی المشرقین لہ نظیر

ولا بالمغربین ولا بکوفہؒ

ترجمہ: امام المسلمین امام اعظم ابو حنیفہؒ نے شہروں کو زینت بخشی اور شہروں میں زندگی گزارنے والے لوگوں پر احسان کیا۔

۱۔ دفاع امام ابو حنیفہؒ: ص ۵۶ تا ۶۰۔

۲۔ اخبار ابی حنیفہؒ واصحابہ لصمیری: ص ۹۰ (بحوالہ دفاع ابو حنیفہؒ: ص ۳۹)

یعنی آثار کی ترویج، فقہ کی دلنشین تشریح فرمائی، جیسا کہ صحیفہ میں زبور کی آیات جزئی ہوئی ہیں۔

چنانچہ ان کمالات کی وجہ سے نہ تو مشرق میں ان کی مثال ملتی ہے اور نہ مغرب و کوفہ میں ان کی نظیر پائی جاتی ہے۔

از: امیر المؤمنین فی الحدیث امام عبداللہ بن مبارک

شرف تابعیت: امام اعظمؒ نے (رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص) صحابی جلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متعدد بار زیارت کی ہے

اساتذہ کرام: محمد بن یوسف صالحی شافعیؒ نے عقود الجمان ص ۱۸۲ میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے بڑے استاذ علامۃ التابعین عامر بن شراحیل الکوفی الشعمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے پانچواں صحابہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے۔

اسی طرح حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے بھی علم حاصل کیا ہے جنہوں نے دو سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا ہے۔

تلامذہ: ایک جم غفیر اور بہت بڑی جماعت امام صاحبؒ کے شاگردوں کی ہے۔ الصالحیؒ نے عقود الجمان میں فرمایا ہے کہ امام صاحبؒ کو ایسے شاگرد میسر آئے جو ان کے بعد کسی امام کو میسر نہیں آئے۔ (عقود الجمان ص ۱۸۳)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور فیض یافتہ حضرات اونچے درجہ کے محدثین بلکہ جلیل القدر محدثین کے اساتذہ میں سے ہیں، بلکہ اصحاب صحاح ستہ امام بخاری، امام مسلم، امام

۱۔ تبیض الصحیفۃ: ص ۶۔

۲۔ تذکرۃ الحفاظ: ص ۷۹ تا ۸۱/۱۔

۳۔ تہذیب التہذیب: ص ۲۰۰/۷۔

ترمذی، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے اساتذہ و مشائخ میں سے ہیں۔
امام مکی بن ابراہیم امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ ہیں۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کی ۲۲ ملاحظات میں سے گیارہ امام مکی کی سند سے روایات کی ہیں۔ گویا امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ملاحظات درج کرنے کا شرف امام ابو حنیفہ کے تلامذہ کا صدقہ ہے۔ امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں۔ بلکہ جن شیوخ کی وجہ سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے ان میں سے اکثر حضرات علم حدیث میں امام صاحب کے بالواسطہ یا بلا واسطہ شاگرد ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں ۲۸ قاضی ہونے کے لائق اور بڑی تعداد میں مفتی ہونے کی اہلیت رکھتے تھے۔

امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں مشہور محدثین اور فقہاء جو اکثر ملازم حلقہ رہا کرتے تھے۔ حافظ ابو الحسن شافعی نے ان کی تعداد نو سو اٹھارہ (۹۱۸) لکھی ہے جیسا کہ طحطاوی کے حوالہ سے رد المحتار میں ہے کہ تدوین فقہ کے وقت ایک ہزار علماء امام ابو حنیفہ کے ساتھ تھے جن میں پالیس حضرات درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔

مرتبہ فی علم الحدیث: خلف ابن ایوبؒ نے ارشاد فرمایا، اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے علم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہونچا، پھر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف پھر ان سے تابعین کی طرف اور تابعین سے ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی طرف پہونچا۔ پس جو چاہے خوش ہو اور جو چاہے ناراض ہو۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۳۶/۱۳)

ابو مطیع نے امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد نقل فرمایا کہ میں امیر المؤمنین ابو جعفر کے پاس گیا، انہوں نے مجھ سے فرمایا، اے ابو حنیفہ! آپ نے علم کن حضرات سے حاصل کیا، میں نے کہا حماد سے، انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے عمر بن الخطاب، علی ابن ابی طالب، عبد اللہ بن

مسعود، عبد اللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین سے علم حاصل کیا۔ یہ سن کر ابو جعفرؑ نے فرمایا، واہ واہ اے ابو حنیفہؒ آپ نے جو پایا اس کو منبوہ پکڑ لیا۔ یہ سب پاکیزہ طاہر و مبارک حضرات ہیں، ان پر اللہ پاک کی رحمتیں ہوں۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۳۴/۱۳)

حکلی ابن ابراہیمؒ نے ارشاد فرمایا، ابو حنیفہ اپنے اہل زمانہ میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۳۵/۱۳)

حسن بن زیادؒ نے فرمایا، امام (ابو حنیفہؒ) چار ہزار حدیثیں روایت فرماتے تھے، دو ہزار احمد سے اور دو ہزار (دیمر) تمام مشائخ سے۔ (مناقب ابی حنیفہؒ للموفقؒ: ص ۸۵)

اور امام ابو حنیفہؒ نے کتاب الآثار کو پالیس ہزار احادیث سے منتخب فرمایا۔ (مناقب ابی حنیفہؒ للموفقؒ: ص ۸۴)

فقہ میں امام اعظمؒ کا مرتبہ: وکیع بن الجراح (استاذ امام شافعیؒ) نے فرمایا: میں نے کسی ایسے شخص سے ملاقات نہیں کی جو ابو حنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہو اور نہ ایسے شخص سے جو ان سے زیادہ بہتر نماز پڑھنے والا ہو۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۳۵/۱۳)

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا جو شخص فقہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے اسے پانچ کعبے ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کو لازم پکڑ لے۔ اس لئے کہ لوگ تمام کے تمام فقہ میں ان کے عیال ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۳۶/۱۳)

ان کا یہ بھی ارشاد ہے: جو شخص امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے اس کو علم میں تخر حاصل نہیں ہو سکتا نہ وہ فقیہ بن سکتا ہے۔ (عتود الجمان: ص ۱۸۷)

الصالحیؒ نے (عتود الجمان: ص ۱۸۴) میں ذکر فرمایا ہے کہ سب سے اول امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کو مدون کیا اور اس کو باب درباب مرتب کیا، پھر مؤطا کی ترتیب میں امام مالکؒ بن انس نے انہیں کی پیروی کی، (اس میں) امام ابو حنیفہؒ پر کسی نے سبقت نہیں کی۔

امام ابو حنیفہؒ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی خالص خیر خواہی میں مبالغہ کی وجہ سے اپنے مذہب کی تدوین کے لئے شوری قائم فرمائی۔ تنہا اپنے اجتہاد سے کام نہیں لیا۔ شوری کے درمیان ایک ایک مسئلہ زیر بحث لایا جاتا، اہل شوری کے پاس جو دلائل ہوتے امام صاحبؒ ان سے ان کا سوال فرماتے اہل شوری اپنے اپنے دلائل بیان فرماتے۔ امام صاحبؒ اپنے دلائل بیان فرماتے، ہر ہر مسئلہ میں ایک ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ (مدت تک) مناظرہ فرماتے۔ اور روشن چراغ سے زیادہ روشن و واضح دلائل بیان فرماتے اور علماء کا ملین کے قبول کر لینے کے بعد امام ابو یوسفؒ اس کو اصول (کی کتابوں) میں اندراج فرماتے، پس جب یہ اہتمام کیا گیا ہو تو جو مذہب ائمہ کرام کی شوری نے مدون کیا ہو وہ زیادہ بہتر اور زیادہ درست ہوگا، اور درستگی و استقامت اور صحت کے زیادہ قریب ہوگا، اس مذہب کے مقابلہ میں جس کو تنہا کسی شخص (امام) نے وضع کیا ہو، اور اس میں صرف اپنی رائے پر ہی اعتماد کیا ہو زیادہ عمدہ اور باعث اطمینان ہوگا اور اسی کی طرف دلوں کا میلان بھی زیادہ ہوگا۔ (مناقب ابی حنیفہ للکوردی: ص ۵۷)

امام ابو حنیفہؒ نے اٹھوں مسئلہ مدون فرمائے، ان کی صحیح تعداد کے بارے میں مقلدین کا اختلاف ہے، کم سے کم روایت تین اٹھ اسی ہزار (۳۸۰۰۰۰) کی ہے، ان میں اڑتیس ہزار عبادات میں اور باقی معاملات کے متعلق ہیں۔ (راجع مناقب ابی حنیفہ للکوردی: ص ۱۶۲)

عقل و ذکاوت: یزیدؒ نے فرمایا: میں نے ابو حنیفہؒ سے زیادہ نہ کوئی پرہیزگار دیکھا نہ عقلمند (تذکرۃ الحفاظ: ص ۱/۱۶۸)

امام مالک بن انسؒ سے کہا گیا، کیا آپ نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے اگر وہ تجھ سے اس ستون کو سونے کا ثابت کرنے کے سلسلہ میں

۱۔ مطلب یہ ہے کہ عام مسائل میں تین روز اور مشکل و پیچیدہ مسائل میں بعض میں ایک ہفتہ اور بعض میں ایک ہفتہ سے بھی زیادہ مدت تک مباحثہ کی نوبت آتی۔

گفتگو کرے تو وہ اس پر حجت قائم کر دے۔ (اور اس کو سونے کا ثابت کر دے) (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۳۸)

عبادات: سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا: ہمارے وقت میں مکہ میں کوئی شخص امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۵۳)

ابو مطیحؒ نے فرمایا: میں مکہ میں مقیم تھا، میں رات کے کسی حصہ میں طواف میں داخل نہیں ہوا مگر امام ابو حنیفہؒ اور سفیانؒ کو طواف میں دیکھا۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۵۳)

ابو عاصم النبیلؒ نے فرمایا: امام ابو حنیفہؒ کو کثرت صلوٰۃ کی وجہ سے ود (مخ) کہا جاتا تھا۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۵۳)

حفص بن عبد الرحمنؒ نے فرمایا: امام ابو حنیفہؒ تیس برس تک ایک رکعت میں قرآن پاک پڑھنے کے ساتھ شب بیداری فرماتے رہے۔

خوف و خشیت: یزید بن الکلبیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ خوف کرنے والے تھے۔ (ایک دفعہ) علی بن الحسین المودن نے عشاء کی نماز میں ”اذا زلزلت“ الخ پڑھی امام ابو حنیفہؒ ان کے پیچھے تھے، جب نماز پوری ہو گئی اور لوگ نکل گئے میں نے امام ابو حنیفہؒ کو دیکھا فکر مند بیٹھے ہیں اور لمبے لمبے سانس لے رہے ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۵۷)

قاسم بن معنؒ نے فرمایا: امام ابو حنیفہؒ نے ایک پوری رات اس آیت پر گزاردی ”بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَىٰ وَأَمَرٌ“ اسی کو بار بار پڑھ رہے ہیں اور آواز دہرائی کر رہے ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۵۷)

وکیعؒ نے فرمایا: خدا کی قسم امام ابو حنیفہؒ بڑے امانت دار تھے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ بڑائی اور بزرگی و عظمت تھی، اپنے رب کی خوشنودی کو ہرشی پر ترجیح دیتے تھے،

اگر اللہ پاک کے بارے میں تلواریں سے ان پر حملہ کر دیا جاتا اس کو بھی برداشت کر لیتے۔
(تاریخ بغداد: ص ۳۵۸/۱۳)

زہد و ورع اور پرہیزگاری: مکی بن ابرہیمؒ نے فرمایا: میں کوفیوں کے پاس بیٹھا ہوں، میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ پرہیزگار نہیں دیکھا۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۵۸/۱۳)

عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۵۹/۱۳)

یحییٰ بن العطانؒ نے فرمایا: قسم بخدا ہم ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھے ہیں اور ان سے (احادیث کو) سنا ہے۔ خدا کی قسم میں جب ان کو دیکھتا تھا تو ان کے چہرہ میں یہ پہچانتا تھا کہ وہ اللہ پاک سے ڈرتے ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۵۲/۱۳)

امامت و جلالت: عبداللہ بن المبارکؒ نے فرمایا: کوئی شخص امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ اقتداء کئے جانے کا حقدار نہیں، اس لئے کہ وہ امام متقی صاف ستھرے پرہیزگار عالم فقیہ تھے، علم کو اس طرح کھوا کہ کسی نے ایسی بصیرت، فہم و فطانت و پرہیزگاری کے ساتھ نہیں کھوا تھا۔ (مناقب ابی حنیفہ للکردری: ص ۴۶)

مسعر بن کدامؒ نے فرمایا: جس شخص نے امام ابوحنیفہؒ کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کر لیا مجھے امید ہے کہ اس کو کوئی اندیشہ نہیں اور اس نے اپنے نفس کے لئے احتیاط کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ (تاریخ بغداد: ص ۳۳۹/۱۳)

یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا: کہ میں نے یحییٰ بن سعید بن العطانؒ کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے تھے:

ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے، ہم نے ابوحنیفہؒ کی رائے سے زیادہ

اچھی کسی کی رائے نہیں دیکھی اور ہم نے ان کے اکثر اقوال کو اختیار کیا ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۳۵)

یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا: میں نے یحییٰ بن سعید کو دیکھا فتویٰ میں کوفیوں کے قول کو اختیار فرماتے، اور کوفیوں کے اقوال میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کو اختیار فرماتے، امام ابو حنیفہؒ کی رائے کا ان کے اصحاب کی رائے کے مقابلہ میں اتباع فرماتے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۳۶)

یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا میں نے کعب سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا وہ قبلہ رخ بیٹھ کر حدیث حفظ کرتے، رات کو قیام کرتے، پے در پے برابر روزے رکھتے، امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے اور انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے بہت کچھ سنا ہے۔ اور یحییٰ بن سعید القطارؒ بھی ان کے قول پر فتویٰ دیتے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۴۷۰)

یحییٰ بن معینؒ کا ہی قول ہے: قراءت میرے نزدیک حمزہ کی قراءت معتبر ہے، اور فقہ امام ابو حنیفہؒ کا فقہ معتبر ہے، اسی (عقیدہ پر) میں نے لوگوں کو پایا ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۴۱)

محدثین اور طلبہ علم پر انفاق و سخاوت: قیس بن الربیعؒ نے بیان کیا کہ امام ابو حنیفہؒ (لوگوں کی) پونجیاں (جوان کے پاس جمع رہتیں) بغداد بھیجتے اور اس سے سامان خرید کر کوفہ لاتے اس کو فروخت کرتے اور سال سے سال تک جو اس کا نفع ہوتا اس کو جمع کرتے اور اس سے مشائخ محدثین کی ضرورت کا سامان غلہ، کپڑے اور دیگر ضروریات کا سامان خرید کر اور نفع میں جو دنانیر بچتے ان سب کو ان کے پاس بھیجتے اور فرمادیتے اپنی ضروریات میں خرچ کرو اور اللہ کے سوا کسی کی تعریف نہ کرو، اس لئے کہ میں اپنے مال میں سے تم کو کچھ نہیں دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر تمہارے بارے میں جو فضل فرمایا ہے وہ یہ ہے اور یہ تمہاری ہی پونجیوں کا نفع ہے، میرے ہاتھوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے

اس کو جاری فرمایا ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۶۰)

حفص بن حمزہ القرشی نے بیان فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ بعض دفعہ ان کے پاس سے کوئی شخص گذرتا اور بلا ارادہ اور بغیر ہٹائے وہ ان کے پاس بیٹھ جاتا، جب وہ مجلس سے کھڑا ہوتا حضرت اس سے دریافت فرماتے اگر اس کو فاقہ ہوتا اس کی حاجت روائی فرماتے۔ اگر بیمار ہوتا اس کی عیادت فرماتے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۶۰)

وفات و سانحة ارتحال: خطیب اور ابو محمد الحارثی نے بیان کیا کہ ابو جعفر المنصور نے امام ابوحنیفہؒ کو کوفہ سے بغداد طلب فرمایا اور ان سے عہدہ قضا قبول کرنے کی درخواست کی اور یہ کہ بلاد اسلام کے تمام قضاۃ ان کے ماتحت ہوا کریں گے۔ امام ابوحنیفہؒ نے معذرت بیان کی اور اس کو قبول نہیں فرمایا۔ ابو جعفر منصور نے ان کو قید میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ ہر روز ان کو (قید سے) باہر نکالا جایا کرے اور دس کوڑے مارے جایا کریں اور بازاروں (راستوں گلی کوچوں) میں اس کا اعلان اور تشہیر کی جایا کرے۔ پس (حکم کے مطابق) امام صاحب کو قید سے نکالا جاتا اور ان کے کوڑے سخت کوڑے مارے جاتے جس سے ان کے جسم پر نشان پڑ جاتے، اور بازاروں میں ان کو گھمایا جاتا اور اعلان کیا جاتا، ان کی ایڑیوں پر خون بہہ پڑتا اور ان کو قید خانہ میں لوٹا دیا جاتا۔ اور قید خانہ میں ان کے کھانے پینے میں بھی تنگی کی جاتی، دس روز برابر ہر روز دس کوڑے مارے جاتے۔ جب کوڑے مارے جانے کا سلسلہ برابر ہوتا رہا وہ (اللہ تعالیٰ کے سامنے) روئے اور کثرت سے دعا مانگی، پس اس کے بعد پندرہ یوم زندہ رہے پھر وفات ہو گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ابو محمد الحارثی نے نعیم بن یحییٰ سے نقل کیا انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کی موت پر دیس میں ہوئی اور ان کو زبردے کر ہوئی۔

ابو حسان الزیادتی نے فرمایا کہ جب امام ابوحنیفہؒ کو موت کا احساس ہوا سجدہ میں گر گئے

اور مجھ ہی کی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ (عتود الجمان: ص ۳۵۷-۳۵۹) خطیب نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کی وفات قید میں ہوئی ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۲۸)

اسماعیل بن سالم بغدادی نے فرمایا۔ امام ابوحنیفہ کو قضا قبول نہ کرنے پر کوڑے مارے گئے۔ مگر انہوں نے قضا کو قبول نہیں فرمایا۔ امام احمد بن حنبل جب اس کا ذکر کرتے تو روتے اور امام ابوحنیفہ پر رحم کھاتے (ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے) اور یہ امام احمد بن حنبل کے کوڑے لگائے جانے کے بعد ان کی حالت ہوئی۔ تاریخ بغداد: ص ۱۳/۳۲۷

امیر المومنین فی الحدیث عبد اللہ بن مبارک کا تذکرہ و تبصرہ

محدثین، امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے آپ کا تذکرہ کرتے ہیں فن حدیث کے رکن اعظم اور ائمہ کبار میں سے ہیں۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں آپ کی روایات کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ فن روایت کے امام مانے جاتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے ”مجھے جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے وہ امام ابوحنیفہ اور امام سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا ہے۔ امام بخاری نے اپنے رسالہ رفع یدین میں آپ کے متعلق تحریر فرمایا کہ:

”امام عبد اللہ بن مبارک اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اور لوگ اگر دوسرے کم علم لوگوں کے اتباع کے بجائے ان کا اتباع کرتے تو بہتر ہوتا۔“

خود امام عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

”اگر خدا تعالیٰ ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے ذریعہ میری فریاد رسی نہ کرتا تو میں عام

آدمیوں کی طرح ایک آدمی ہوتا۔^۱

ابو حنیفہؒ تمام حسنات اور تمام صفات محمودہ کے جامع تھے : ابن مبارکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں کے علماء سے سوال کیا کہ تمہارے شہر میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ سب نے کہا امام ابو حنیفہؒ! میں نے پوچھا سب سے زیادہ پرہیزگار کون ہے؟ سب نے کہا امام ابو حنیفہؒ پھر میں نے پوچھا سب سے بڑا زہد کون ہے؟ سب نے کہا امام ابو حنیفہؒ۔ پھر پوچھا سب سے زیادہ عابد اور علم کا شغل رکھنے والا کون ہے؟ تو سب نے کہا امام ابو حنیفہؒ۔ غرض میں نے اخلاق محمودہ و حسنہ میں جس وصف کا بھی سوال کیا۔ سب نے امام صاحب ہی کو افضل و برتر بتایا۔^۲

مسلم امیر المومنین فی الحدیث کی شہادت اور ان کا فیصلہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ کاش ہماری نہیں عظیم محدث ابن مبارکؒ کی سن لی جاتی جن کا نام لیا جا رہا ہے، ان ہی کا بتایا ہوا کام بھی کر لیا جاتا اور ان ہی کی راہ بھی اختیار کر لی جاتی تو آج ابو حنیفہؒ کی دشمنی سے آخرت میں جہنم کے شعلے مول نہ لینے پڑتے۔ ابن مبارکؒ اکثر فرمایا کرتے:

”ابو حنیفہؒ کی رائے“ کا لفظ مت کہو بلکہ تفسیر و حدیث کہو۔“ (موفق، انصار، کردری) نیز ابن مبارکؒ نے ان لوگوں کو بے وقوف قرار دیا ہے جنہوں نے ابو حنیفہؒ کی دشمنی کو زندگی کا مشن بنا رکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

ابو حنیفہؒ سے محرومی علم سے محرومی ہے : اگر میں بعض بے وقوفوں کی بات پر رہتا تو میں ابو حنیفہؒ سے محروم رہتا۔ اور ان کے علوم و معارف سے محروم رہتا، یوں کہنا چاہئے کہ طلب علم کی راہ میں میری ساری مشقت اور تعب اور ہزاروں

۱۔ (مقدمہ انوار الباری، ص ۹۴/۱)

۲۔ (حدائق الجہنم، ص ۷۶)

اکھوں روپے کا صرف رائیگاں جاتا۔

امام ابن مبارکؒ ایک مرتبہ درسِ حدیث دے رہے تھے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت بیان فرمائی۔ اس پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ سخت غصہ ہوئے اور فرمایا ”تم لوگوں کا اس سے کیا مقصد ہے جس کو خدا تعالیٰ نے بلند مرتبہ بنایا ہے وہی بلند ہوگا۔ اور جس کو خدا نے برتر نہ کر لیا ہے وہی برتر نہ رہے گا۔“

مرقد امام ابو حنیفہؒ پر امام ابن مبارکؒ کا زارزار رونا

بالاتفاق سب مؤرخین نے لکھا ہے کہ تمام محدثین کے محدثِ اعظم امام عبد اللہ بن مبارکؒ نے دنیائے حدیث کے گوشہ گوشہ میں جا کر اور اکھوں روپے اسفار پر صرف کر کے اس دورِ خیر القرون کے ایک، ایک محدث سے علومِ نبوت کی تحصیل کی۔ مگر جب امام اعظم ابو حنیفہؒ کے پاس آئے تو آخر تک آپ سے جدا نہ ہوئے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے انتقال کے بعد ان کی قبر پر کھڑے ہو کر زارزار رو کر فرماتے رہے کہ:

”ابو ایمن نخعی اور حماد نے مرتے وقت اپنا خلیفہ (ابو حنیفہ) چھوڑا تھا۔ خدا آپ پر رحم کرے کہ آپ نے اپنا خلیفہ نہیں چھوڑا۔ یہ کہہ کر دیر تک زارزار روتے رہے۔“

اس مبارک تذکرہ کے آخر میں ہم ابن مبارکؒ کے نام لیواؤں کے نام ان کی وصیت درج کر دیتے ہیں تاکہ اتمامِ حجت ہو۔

ابن مبارکؒ اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے:

”آثار اور احادیث کو لازم سمجھو مگر ان کے معانی کے لئے امام ابو حنیفہؒ کی ضرورت

۱۔ (موفقی، انتصار، کردری)

۲۔ (موفقی، بس ۲/۵۱)

۳۔ (خیرات الحسان)

ہے کیوں کہ وہ حدیث کے معانی جانتے ہیں۔“

نواب صدیق حسن خاں کی حقیقت پسندی: نواب صدیق حسن خاں قنوجی، علامہ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں:

يدل على انه من المجتهدين في علم الحديث اعتماد مذهبه بينهم والتعويل عليه واعتباره رداً وقبلاً.

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ کبار محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد و اعتبار کر کے موافق مخالف رد اور قبول کی طرف متوجہ ہوں۔

حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد

فقہ حنفی صحیح حدیث کے موافق ہے، امت مسلمہ کے متاخرین علماء میں مسلم اور مایہ ناز شخصیت حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

ہر یں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلائیات کلامی حق بجانب حنفی است و در خلائیات فتنی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی و در اقل متردد۔

اس فقیر پر ظاہر ہوا کہ خلائیات علم کلام میں حق حنفی مسلک کی جانب ہے اور خلائیات فتنی کے اکثر مسائل میں حق بجانب حنفی ہے اور بہت کم میں تردد ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ

۱۔ (موفق، کردری)

۲۔ (المجلد: ۲۲، ماخوذ از دقاع ابو حنیفہ: ۷۵/۷۸۲)

۳۔ (مبدأ و معاد: ص ۳۹)

انیقۃ ہی اوفق الطریق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت فی زمان البخاری^۱۔

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے اور جو سنت بخاری کے زمانہ میں جمع ہوئی ہے اس سے زیادہ موافق ہے، یعنی صحیح حدیث ہے۔
گو حوالہ جات مذکورہ کی حیثیت کشف ہی کی ہے۔ مگر جناب نواب صدیق حسن صاحب فرماتے ہیں:

اگر کشف دو کس باہم متوافق شود ظن غالب شود۔
دو بزرگوں کے کشف اگر موافق ہو جائیں تو ظن غالب کا حکم رکھتے ہیں۔
گویا فقہ حنفیہ اور امام ابو حنیفہ کے مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار پر پورے اترتے ہیں وہاں قرآن و حدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں اور یہ حقیقت تب ہی مانی جاسکتی ہے جب امام صاحب کی کامل حدیث دانی اور حدیث فہمی کا اعتراف اور اقرار کیا جائے۔



۱ (فیوض حرمین)

ج (ریاض المراض: ص ۲۱)



الامام ابو یوسف الانصاری

رحمہ اللہ تعالیٰ

المولود ۱۱۳ھ المتوفی ۱۸۲ھ

وہ قاضی ابو یوسف الامام العالمہ فقیہ العراقین یعقوب بن ابراہیم الانصاری الکوفی امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید ہیں۔

ہشام بن عروہ، ابواسحاق الشیبانی، عطاء بن السائب اور ان کے طبقہ کے محدثین سے حدیث پاک کا سماع کیا۔ اور امام محمد بن الحسن الفقیہ الشیبانی اور امام احمد بن حنبل اور بشر بن الولید و یحییٰ بن معین و علی بن الجعد و علی بن مسلم الطوسی و عمرو بن ابی عمرو اور ان کے علاوہ ایک بڑی مخلوق نے ان سے احادیث کو نقل کیا۔

طلب علم میں پرورش پائی، ان کے والد غریب شخص تھے اس لئے امام ابو حنیفہ یعقوب (ابو یوسف) کی سوسودینار اور دراہم سے دیکھ بھال فرماتے۔

عباس نے ابن معین سے نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ امام ابو یوسف صاحب حدیث اور صاحب سنت تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ للامام الذہبی: ص ۲۹۲/۱)

ابن حبان نے ”کتاب الثقات“ میں فرمایا ہے کہ (امام ابو یوسف) شیخ متقن تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ص ۶۳۵/۷)

اور (امام ابو یوسف) فقیہ، عالم، حافظ تھے، حدیث حفظ کرنے میں مشہور تھے، محدث کے پاس حاضر ہوتے اور پچاس ساٹھ احادیث حفظ کر لیتے، پھر کھڑے ہوتے اور لوگوں پر

ان کا املا کراتے، اور بہت حدیث بیان کرنے والے تھے۔ (الانتقاء لابن عبد البر: ص ۱۷۲)
 حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے۔ جب میں نے اولاً حدیث کو طلب کیا تو امام
 ابو یوسفؒ القاضیؒ کے پاس گیا (ان سے حدیث کو طلب کیا ان سے فراغت پر) پھر دوسرے
 محدثین سے حدیث کو طلب کیا۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۲/۲۵۵)

داؤد بن رشید کا ارشاد ہے۔ اگر امام ابو حنیفہؒ کا امام ابو یوسفؒ کے علاوہ کوئی اور شاعر
 نہ ہوتا تو ان کو سب لوگوں پر فخر کرنے کے لئے یہی کافی ہوتا۔ (حسن القاضی: ص ۱۵)

امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی صحبت کو سترہ برس تک لازم پکڑے رکھا اور بجز مرض
 کے عید، بقرعید میں بھی ان سے جدا نہیں ہوئے حتیٰ کہ ان کے بیٹے کا انتقال ہو گیا تو اس کے
 کفن و دفن میں بھی شریک نہیں ہوئے بلکہ ان کو پڑوسیوں اور عزیز واقارب پر چھوڑ کر امام
 ابو حنیفہؒ کی مجلس میں شریک ہوئے اس اندیشہ سے کہ کہیں امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے کوئی (علمی
 چیز) ان سے فوت نہ ہو جائے جس کی حسرت ہمیشہ باقی رہے۔ (حسن القاضی: ص ۹/۱۷۹)
 ہلال بن یحییٰؒ نے بیان فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ تفسیر و مغازی اور تاریخ عرب کے حافظ
 تھے اور ان کے علوم میں سب سے کم فقہ ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۲/۲۴۶)

یحییٰ بن خالدؒ نے بیان فرمایا: امام ابو یوسفؒ ہمارے پاس تشریف لائے اور ان میں
 (ان کے دیگر علوم کے مقابلہ میں) فقہ سب سے کم تھا اور انہوں نے اپنے فقہ سے مشرق
 و مغرب کو بھر دیا۔ (حسن القاضی: ص ۱۵)

ایک شخص نے امام مزیؒ (تلمیذ الامام الشافعیؒ) سے سوال کیا کہ آپ ابو حنیفہؒ کے
 بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ان کے (فقہاء و محدثین کے) سردار ہیں۔ پھر سوال کیا
 امام ابو یوسفؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا سب سے زیادہ حدیث کے متبع تھے۔

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ نے امام ابو یوسفؒ سے حدیث کے تین صندوق لکھے۔ (حسن القاضی: ص ۲۰)

۲۔ جب سب سے کم کذریہ مشرق و مغرب کو بھر دیا تو تفسیر و حدیث اور مغازی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔

پھر امام محمد بن الحسنؒ کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا مسائل کی تفریع میں وہ سب سے زیادہ ہیں، پھر امام زفرؒ کے بارے میں سوال کیا، فرمایا وہ قیاس میں سب سے زیادہ تیز ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۲۴۶/۱۴)

طلحہ بن محمدؒ نے فرمایا: امام ابو یوسفؒ کا کام مشہور ہوا، ان کی فضیلت ظاہر ہے، امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد اور اپنے اہل زمانہ میں سب سے زیادہ فقیہ ان کے زمانہ میں کوئی ان پر پیش قدمی نہ کر سکا (ان سے آگے نہ پڑھ سکا) علم، حکمت، ریاست، قدر میں وہ انتہا پر تھے، امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق اصول فقہ میں سب سے اول انہوں نے کتابیں تصنیف فرمائیں اور مسائل کا املا کیا اور ان کو پھیلایا۔ امام ابو حنیفہؒ کے علم کو اقطار ارض میں پھیلادیا۔ (تاریخ بغداد: ص ۲۴۵/۱۴)

محمد بن سماعہؒ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ قاضی بننے کے بعد بردن دوسو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد: ص ۲۵۵/۱۴)

محمد بن الصباحؒ نے فرمایا: امام ابو یوسفؒ صالح شخص تھے، پے درپے روزے رکھا کرتے۔ (کتاب الثقات لابن حبان: ص ۶۴۶)

اسلام میں سب سے اول جس کو قاضی القضاۃ کہا گیا وہ امام ابو یوسفؒ ہیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۲۴۲/۱۴)





﴿الامام محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ﴾

المولود ۱۳۲ھ۔ المتوفی ۱۸۹ھ

واسط میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں پرورش پائی۔ اور وہیں (کوفہ میں) امام ابو حنیفہؒ اور مسعر بن کدامؒ اور سفیان ثوریؒ سے علم (حدیث) کی سماعت کی۔ اور امام مالکؒ (صاحب الموطا) سے اور ابو عمروؒ و المازعؒ اور امام ابو یوسفؒ القاضیؒ سے بھی حدیثیں لکھیں اور حدیث کو طلب کیا اور حدیث کی سماعت کی خاطر بغداد شریف لے گئے، وہاں قیام فرمایا، بہت لوگوں کی ان کے پاس آمد و رفت ہوئی اور انہوں نے حدیث و رائے کو ان سے سیکھا۔ الامام محمد بن ادریس الشافعیؒ اور ابو سلیمان الجوزجانیؒ اور ابو عبیدہ القاسم بن سلامؒ وغیرہم امام محمدؒ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ (یعنی امام شافعیؒ اور ابو سلیمان جوزجانیؒ دونوں امام محمدؒ کے شاگرد ہیں)۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۷۲/۲)

امام محمد بن الحسنؒ نے فرمایا: میرے والد نے تیس ہزار درہم چھوڑے ان میں سے پندرہ ہزار میں نے نحو اور شعر پر صرف کئے اور پندرہ ہزار حدیث و فقہ پر صرف کئے۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۷۳/۲)

یحییٰ بن معینؒ نے ان سے جامع صغیر کو سیکھا۔ (تاریخ بغداد: ص ۱۷۶/۲)
امام ابو یوسفؒ کے بعد عراق کے فقہ کی سیادت و ریاست انہیں کی طرف منتہی ہوئی،

بہت سے ائمہ نے ان سے فقہ حاصل کیا۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ دنیا کے ذکی ترین لوگوں میں سے تھے۔ (مناقب ابی حنیفہ وصاحبہ للحافظ الذہبی: ص ۵۰)

امام محمدؒ نے فرمایا: میں امام مالکؒ کے دروازہ پر تین برس سے زیادہ مقیم رہا، اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے سات سو (۷۰۰) سے زائد احادیث میں نے ان سے سنیں۔ (تاریخ بغداد: ص ۲/۱۷۳)

امام شافعیؒ نے فرمایا: میں نے کوئی شخص امام محمد بن الحسنؒ سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا نہیں دیکھا، اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ قرآن پاک محمد بن الحسنؒ کی لغت کے مطابق نازل ہوا ہے ان کی فصاحت کی وجہ سے (یعنی ایسی عمدہ فصاحت اور قواعد تجوید کے مطابق ایسا عمدہ قرآن پاک پڑھتے تھے کہ محسوس ہوتا تھا کہ اسی طرح قرآن پاک نازل ہوا ہے)

امام شافعیؒ نے فرمایا: میں نے امام محمد بن الحسنؒ سے ایک بختی اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابوں کا علم حاصل کیا۔ اور یہ بھی فرمایا: فقہ میں مجھ پر لوگوں میں سب سے زیادہ امام محمد بن الحسنؒ کا احسان ہے۔ (تاریخ بغداد: ص ۲/۱۷۶)

بوہیٹیؒ نے امام شافعیؒ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا علم حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی، حدیث میں ابن عیینہ اور فقہ میں امام محمد بن الحسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ۔ (ذیل الجواہر المہیینہ: ص ۵۲۷)

دیلمیؒ نے روایت کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا میں دس برس امام محمدؒ کی صحبت میں رہا ہوں اور ان کے کلام سے اونٹ کے دو بوجھ کے برابر کتابوں کا علم حاصل کیا ہے۔ اگر وہ ہم سے اپنی عقل کے مطابق کلام فرماتے تو ہم ان کے کلام کو نہ سمجھ سکتے، لیکن وہ ہماری عقلوں کے مطابق کلام فرماتے تھے۔ (ذیل الجواہر المہیینہ: ص ۵۲۸)

امام شافعیؒ کا یہ بھی ارشاد ہے۔ محمد بن الحسنؒ کے علاوہ جب کسی سے میں نے مناظرہ کیا

تو اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ (تاریخ بغداد: ص ۲/۱۷۷)

امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے: جب کسی مسئلہ میں تین شخصوں کا قول (متفق) ہو تو پھر ان کی مخالفت کی گنجائش نہیں۔

دریافت کیا گیا وہ تین کون حضرات ہیں؟ فرمایا: ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمد بن الحسنؒ، ابو حنیفہؒ لوگوں میں سب سے زیادہ قیاس کو جاننے والے ہیں، ابو یوسفؒ لوگوں میں آثار (احادیث) کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں، اور محمد بن الحسنؒ عربیت کو لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (الانساب للسمعانی: ص ۸/۲۰۴)

ابو ایہم الحرثیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ یہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے؟ فرمایا محمد بن الحسنؒ کی کتابوں سے۔ (تاریخ بغداد: ص ۲/۱۷۷)

امام محمد بن الحسنؒ کے بعض شاگردوں سے منقول ہے کہ امام صاحب کا معمول ہر روز ایک تہائی قرآن تلاوت کرنے کا تھا، اور ان سے انتہائی ذکاوت، عقل تام، ذہن کی تیزی، کثرتِ تلاوت بھی منقول ہے۔ (مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للحافظ الذہبی: ص ۵۹)

امام کسائیؒ اور امام محمد بن الحسنؒ نے ہارون رشیدؒ کے ساتھ رے (شہر) کا سفر کیا اور وہاں دونوں کا ایک ہی دن میں انتقال ہوا، ہارون رشیدؒ نے فرمایا: آج لغت و فقہ دونوں کو دفن کر دیا گیا۔ (تاریخ بغداد: ص ۲/۱۷۷)





﴿الامام زفر بن الہذیل رحمہ اللہ تعالیٰ﴾

المولود ۱۱۱ھ المتوفی ۱۵۸ھ

وہ زفر بن الہذیل بن قیس المصریٰ ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: وہ میرے اصحاب میں سب سے زیادہ قیاس سے واقف ہیں۔
(انغواند البیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۷۵)

ابن معین اور ابو نعیم نے فرمایا وہ ثقہ اور اذوق اطمینان تھے۔
ابو عمر نے فرمایا: زفر عقل، دین، فہم والے، پرہیزگار اور حدیث میں ثقہ تھے۔ (الجواہر المصنیۃ: ص ۲۴۳، ۲۴۴/۱)

امیر ایم بن سلیمان کا ارشاد ہے ہم جب ان کے پاس بیٹھے تو ان کے سامنے دنیا کے ذرّہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی دنیا کا ذکر کرتا تو اس کو چھوڑ کر مجلس سے کھڑے ہو جاتے۔

ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام زفرؒ کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرما رہے تھے:-
”جب تک حدیث موجود ہو، ہم رائے کو اختیار نہیں کرتے، اور جب حدیث آجائے تو ہم رائے کو ترک کر دیتے ہیں“

امام وکیعؒ نے فرمایا: کسی کی صحبت سے مجھ کو اتنا نفع نہیں ہوا جتنا امام زفرؒ کی صحبت

سے ہوا۔

فضیل بن دکین کا ارشاد ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد میں نے امام زفرؒ کی صحبت کو لازم پکڑ لیا، چونکہ وہ ان کے اصحاب میں سب سے زیادہ فقیہ اور سب سے زیادہ پرہیز گار تھے، پس میں نے ان سے بھرپور حصہ حاصل کیا۔

حسن بن زیادؒ نے فرمایا: امام زفرؒ اور داؤد طائیؒ دونوں بھائی بھائی کی طرح تھے، داؤد طائیؒ فقہ کو ترک کر کے عبادت پر متوجہ ہو گئے، اور امام زفرؒ نے (فقہ اور عبادت) دونوں کو جمع کیا۔

محمد بن وہبؒ نے فرمایا: ”وہ (امام زفرؒ) اصحاب حدیث میں سے تھے اور ان دس حضرات میں سے ایک تھے جنہوں نے کتب (فقہ) کو مدون کیا۔ (ذیل الجواب: ص ۵۳۴، ۵۳۶)“



﴿صاحب مصابح﴾

کنیت ابو محمد، لقب محی السنہ، نام حسین بن مسعود، فراء، بغوی سے مشہور ہوئے، ابن الفراء بھی کہے جاتے ہیں ۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے، فرو کے معنی پوتین، آپ کے آباء واجداد میں کوئی پوتین سیتے اور بیچتے تھے، بغو آپ کا وطن ہے، جو ہرات اور مرو کے درمیان واقع ہے، اس لئے ’فراء بغوی‘ بولے جاتے ہیں، بغوی اصل بنشور ہے جو باغ شور کا معرب ہے، شور حذف کر کے بغ کی طرف نسبت کی، یہ لفظ دو حرفی ہے، واؤ کی زیادتی سے تین حرفی ہو گیا۔ فقہ میں قاضی حسین بن محمد کے، اور حدیث میں ابو الحسن عبدالرحمن بن محمد داؤدی کے شاگرد ہیں، ان کے علاوہ دیگر محدثین سے بھی استفادہ کیا، تمام عمر تصنیف و تالیف اور حدیث و فقہ کے درس میں مشغول رہے، ہمیشہ با وضو درس دیتے، قائم اللیل اور صائم النہار تھے، زہد و قناعت میں زندگی گذاردی، بیوی نے ترکہ میں کافی مال چھوڑا، مگر اس میراث سے کچھ نہ لیا، خشک روٹی پانی میں ترکہ کے روزہ افطار کرتے، جب اصرار کیا گیا کہ خشک روٹی کھانے سے دماغ میں خشکی پیدا ہوگی تو بطور سائن روغن زیتون کھانے لگے، اپنے زمانہ میں تفسیر، حدیث اور فقہ کے زبردست امام تھے، اور مسلک شافعی تھے، جب آپ نے شرح السنہ تصنیف کی تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ارشاد فرما رہے ہیں کہ تو نے احادیث کی شرح کر کے میری سنت کو زندہ کر دیا، اس کے بعد آپ کا لقب ”محی السنہ“ ہو گیا، آپ کی تصانیف میں مصابح السنہ حدیث کی مشہور کتاب ہے، جو ۴۳۸۴ صحاح و حسان روایات کا منتخب مجموعہ ہے، بخاری و مسلم سے ۲۳۵۴، ترمذی، ابو داؤد وغیرہ سے ۲۰۵۰۔

عمر ۸۱ سال ۵۱۶ھ میں بمقام مرو بخاہ شوال آپ کی وفات ہوئی، اور مقبرہ طالقان میں اپنے استاذ قاضی حسین کے جوار میں مدفون ہوئے۔

آپ کے تبحر علمی کی شہادتیں

بڑے بڑے اکابر محدثین و علماء نے آپ کے بلند مرتبہ کی شہادت دی ہے۔ مثلاً:

(۱)..... حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”البغوی الامام الحافظ“
 ”بورک لہ فی تصانیفہ لقصدہ
 الصالح فانہ کان من العلماء الربانین
 کان ذا العبد ونسک وقناعة
 بالمسیر“ (تذکرۃ الحفاظ ص: ۴/۵۳)
 آپ کے نیک عزم کی وجہ سے
 آپ کی تصانیف میں برکت عطاء ہوئی تھی،
 اس لئے کہ آپ علماء ربانین میں سے ہیں،
 آپ عبادت گزار حج کرنے والے اور
 تھوڑے پر قناعت کرنے والے تھے۔

(۲)..... حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”کان علامۃ زمانہ فیہا
 رای فی العلوم وکان دینا ورعا
 زاهدا عابدا صالحا.“
 آپ علوم میں اپنے زمانہ کے علامہ
 تھے اور دیندار متقی، زاہد، عبادت گزار اور
 نیک تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۲/۱۹۵)

(۳)..... علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”کان اماما جلیلا ورعا
 زاهدا فقیہا محدثا مفسرا جامعاً
 بین العلم والعمل سالکاً سبیل
 السلف لہ فی الفقہ الید
 الباسطۃ“
 آپ جلیل القدر امام، متقی، پرہیزگار،
 فقیہ، محدث، مفسر، علم و عمل کے جامع اور سلف
 کے طریق کے پیروکار تھے، آپ کوفتہ میں ید
 طولیٰ حاصل تھا۔ (نوائد جامعہ: ۱۹۴/بحوالہ
 الطبقات الکبریٰ للسبکی: ۲۱۴)

(۴)..... امام بغویؒ کو حدیث، فقیہ اور تفسیر تینوں فنون میں بہت کمال حاصل تھا، حضرت شاہ

عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”دے جامع است در سہ فن، آپ تین فنون میں جامعیت رکھتے
وہر یک را بکمال رسانیدہ است، محدث تھے اور ہر ایک کو کمال تک پہنچایا تھا، آپ بے
بینظیر و مفسر بے عدیل و فقیہ شافعی نظیر محدث اور بے مثال مفسر اور فقہ شافعی کے
صاحب فقہ است۔“ (بستان المحدثین (فارسی)
ص: ۱۳۷)

تصانیف

- (۱) المصابیح. (۲) ارشاد الانوار فی شمائل النبی المختار.
- (۳) ترجمة الاحکام فی الفروع. (۴) التہذیب فی الفروع.
- (۵) الجمع بین الصحیحین. (۶) شرح السنة.
- (۷) الفایة فی الفقہ. (۸) الکفایة فی القراءۃ.
- (۹) معالم التنزیل. (۱۰) معجم الشیوخ.



﴿صاحب مشکوٰۃ﴾

کنیت ابو عبد اللہ، لقب ولی الدین، نام محمد بن عبد اللہ، نسباً عمری ہیں، اور خطیب تبریزی سے مشہور ہیں، اپنے وقت کے محدث علام، فصاحت و بلاغت کے امام اور حدیث میں امتیازی شان رکھتے تھے، مبارک شاہ، ساوی وغیرہ آپ کے شاگرد تھے، آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور مشکوٰۃ المصابیح ہے جس میں صحاح کے علاوہ دوسری کتابوں کی حدیثیں بھی جمع ہیں، یہ دراصل علامہ فراہغوی کی مصابیح السنۃ کی تکمیل ہے، مصابیح میں صرف حدیثیں مذکور تھیں، راوی کا نام مخرج حدیث، صحت و ضعف و حسن وغیرہ کا تذکرہ نہ تھا، یہ سب صاحب مشکوٰۃ نے کیا اور ہر باب میں فصل ثالث کا بھی اضافہ کیا، مصابیح کی فصل اول میں صحیحین کی حدیثیں لائے ہیں جن کو صحاح سے تعبیر کیا، فصل ثانی میں ابو داؤد، ترمذی، نسائی، وغیرہ کی احادیث لائے جن کو حسان کے نام سے یاد کیا، فصل ثالث میں صاحب مشکوٰۃ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب کی احادیث بھی لائے ہیں، نیز باب کے مناسب صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال بھی جمع کر دئے ہیں۔

تعداد احادیث مشکوٰۃ و مصابیح

مصابیح کی کل حدیثیں ۴۴۳۴ تھیں آپ نے ۱۵۱۱ حدیثوں کا اضافہ کیا، اس طرح مشکوٰۃ کی کل احادیث ۵۹۴۵ ہو گئیں، (یعنی ۵۵۰۰ کم چھ ہزار) مشکوٰۃ المصابیح اس قدر مقبول ہوئی کہ تمام مدارس میں داخل درس ہے اور بڑے بڑے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں۔

تاریخ حدیث میں ہے کہ ۴۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

آپ ۳۷ھ میں ”مشکوۃ المصابیح“ کی تالیف سے فارغ ہوئے، مشکوۃ کی تالیف سے فراغت کے بعد آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام ”اکمال فی اسماء الرجال“ ہے، اس میں ان صحابہ و تابعین وائمہ کے حالات مختصر اور جامع انداز میں لکھے ہیں جن کا تذکرہ مشکوۃ میں ہوا، آپ اس رسالہ کی تالیف سے ۴۷ھ میں فارغ ہوئے۔

علم و فضل میں آپ کو جو مقام عالی حاصل تھا وہ آپ کی تالیف ”مشکوۃ المصابیح“ کی مقبولیت اور نفعیت سے ہی واضح ہے، حضرت ملا علی قاریؒ نے آپ کا تذکرہ ان الفاظ سے فرمایا ہے:

”لما کان کتاب مشکوۃ المصابیح الذی ألفہ مولانا الحبر العلامة والبحر الفہامۃ مظهر الحقائق وموضع الدقائق الشیخ النقی النقی“ (مرقاۃ: ۱/۲)

جب کہ کتاب ”مشکوۃ المصابیح“ جس کی تالیف کی موامنا، بڑے عالم، ملامہ اور علم و دانش کے دریا، حقائق کے ظاہر کرنے والے اور دقائق کی وضاحت کرنے والے شیخ جو متقی ہیں، پاک صاف ہیں۔

آپ کے بلند مقام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے جلیل القدر استاذ علامہ طبریؒ نے آپ کا تذکرہ ”بقیۃ الاولیاء قطب الصلحاء“ کے الفاظ سے کیا ہے۔ (فوائد جامعہ: ۵۱۵)

شرح مشکوۃ شریف

مشکوۃ شریف کو منجانب اللہ بے حد قبولیت نصیب ہوئی تالیف سے لے کر اب تک اس سے افادہ و استفادہ مختلف انواع سے پورے عالم اسلام میں عوام و خواص، علماء و طلباء و مصنفین غرضیکہ ہر طبقہ میں بہت عموم و شیوخ سے جاری رہا ہے۔ ”ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء“ علماء امت نے مختلف اطوار سے اس کتاب مقدس کی خدمت کی ہے، ایک نوع

خدمت اس کی شروع و حواشی لکھنا ہے، چنانچہ اس پر مختلف انداز سے شروع کثیرہ حواشی لکھے گئے ہیں، جن میں صرف چند ایک کا تذکرہ ہم تیر کا کرتے ہیں۔

(۱)..... الکاشف عن حقائق السنن.

یہ صاحب مشکوٰۃ کے استاذ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی شرح ہے۔ یہ مشکوٰۃ شریف کی سب سے پہلی شرح ہے، یہ شرح طیبی کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ طیبی کا انتقال صاحب مشکوٰۃ کے انتقال کے تین سال بعد ۴۳ھ میں ہوا۔ گویا شرح تالیف مشکوٰۃ کے بعد چھ سال کے عرصہ کے اندر اندر لکھی گئی ہے، اس شرح میں حضرت علامہ طیبی نے زیادہ تر فصاحت و بلاغت کے نکات بیان کرنے کی طرف توجہ فرمائی ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکوٰۃ کے علاوہ اور بھی بہت سی مفید کتابیں زیر قریطاس فرمائی ہیں، مثلاً فن بلاغت میں ”التبیان فی علم المعانی والیان“ اصول حدیث میں ایک کتاب ”خلاصہ فی اصول الحدیث“ لکھی۔ قرآن پاک کی ایک تفسیر لکھی جس کا نام ”کشاف“ ہے۔ یہ زحتری کی کتاب کے علاوہ ہے۔ اس میں زحتری کے معجزانہ نظریات کی تردید کی ہے۔ آخر عمر میں آپ نے ایک مبسوط تفسیر لکھنی شروع کی تھی، نماز فجر اور ظہر کے مابین اس تفسیر کے لکھے حصے کا روزانہ بڑے مجمع میں درس دیتے تھے۔ ظہر اور عصر کے دوران بخاری شریف سنانے کا معمول تھا، بروز منگل بتاریخ ۲۳ شعبان ۴۳ھ حسب معمول درس بخاری کے لئے قبلہ رو ہو کر فرضوں کے انتظار میں مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اسی حالت میں انتقال ہوا۔

(۲)..... لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح.

مشکوٰۃ شریف کی یہ شرح عربی زبان میں ہے۔ ہندوستان کے مشہور محدث شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی لکھی ہوئی ہے۔ شیخ کی ولادت ۹۵۸ھ کو اور وفات ۱۰۵۲ھ کو ہوئی،

اس شرح کے پہلے قلمی نسخے کہیں کہیں موجود تھے، اب مکتبہ معارف علیہ المہر نے حق طباعت ادا کرتے ہوئے طبع کرائی شروع کی ہے، چند جلدیں چھپ چکی ہیں۔

(۳)..... اشعة اللمعات.

یہ بھی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ہی لکھی ہوئی شرح ہے۔ اس میں احادیث مشکوٰۃ کا سلیس و نفیس فارسی زبان میں نہایت فصیح ترجمہ کیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ ضروری تشریحات و فوائد کا اہتمام کیا گیا ہے۔ حل مشکوٰۃ کے لئے بہت کافی ہے۔

(۴)..... مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح.

یہ شرح عربی زبان میں ہے۔ مشہور محدث و فقیہ حنفی علامہ علی بن سلطان محمد جو ملا علی قاری کے نام سے معروف ہیں ان کی تصنیف ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۰۱۴ھ کو ہوا۔

(۵)..... مبسوط.

مبسوط شرح ہے۔ روایات کے ضبط کا خصوصیت سے بہت اہتمام کیا ہے۔ ہر لحاظ سے مفید اور جامع ہے۔ نایابی کے بعد کئی حضرات نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ مکتبہ امدادیہ ملتان نے ۱۱ جلدوں میں مکمل طبع کرائی ہے۔

(۶)..... مظاہر حق جدید.

حضرت شاہ محمد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مشہور شاگرد حضرت علامہ قطب الدین خان دہلویؒ نے قدیم اردو زبان میں مشکوٰۃ شریف کی بہترین شرح لکھی ہے جس کا نام مظاہر حق ہے۔ نہایت مستند اور مقبول عند العلماء ہے اس کے مضامین زیادہ تر اشعة اللمعات سے ماخوذ ہیں۔

(۷)..... علامہ سید شریف رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشکوٰۃ شریف پر حاشیہ رقم فرمایا ہے جو علامہ طیبیؒ

کی شرح سے اختصار کیا گیا ہے۔

(۸).....التعلیق الصبیح علی مشکوة المصابیح.

مشہور محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے استاد معظم حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے ایماء پر عربی زبان میں شرح مشکوة لکھی۔ جس کا نام ”التعلیق الصبیح علی مشکوة المصابیح“ ہے۔ یہ آٹھ جلدوں میں ہے۔ پہلی چار جلدیں دمشق میں طبع ہوئیں۔ اور آخری چار جلدیں لاہور میں طبع ہوئیں۔



خطبہ ودیباچہ

جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد تدوین احادیث
مبارکہ کی ضرورت، کتاب المصاحح کی اہمیت و جامعیت
نیز مشکوٰۃ المصابیح کی وجہ تالیف، طریق تالیف، دونوں
کتابوں میں فرق کی تفصیل کو بیان کیا گیا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

خطبة الكتاب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا
ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له واشهد
ان لا اله الا الله الخ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں ہم اسی کی حمد کرتے ہیں اور ہم اسی سے
مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں اور ہم اپنے نفس کی برائیوں
اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ تعالیٰ سیدھا راستہ عطا کرے
اس کو بھٹکانے والا کوئی نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں،
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، یہ ایسی گواہی ہے جو نجات کا
ذریعہ اور درجات کی بلندی کی ضامن ہے، اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت
محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے وقت میں رسول بنا کر بھیجا جب ایمان کی راہوں کے نشانات
مٹ چکے تھے، اور اس کی روشنیاں گل ہو چکیں تھیں، اس کے آثار ماند پڑ گئے تھے اور ان کی
بتائی ہوئی منزل نظروں سے پوشیدہ ہو گئی تھی، چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

مٹے ہوئے نشانات کو دوبارہ واضح کیا اور کلمہ توحید کے ذریعہ لب گور مر یض کو شفا بخشی، اور جو شخص ہدایت کی راہ پر گامزن ہونا چاہے اس کے لئے ہدایت کے راستوں کو روشن کر دیا، اور نیک بختی کے خزانے نیک بختی کے طالب کیلئے ظاہر فرمادیئے۔

حمد و صلاة کے بعد، یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اسی وقت اختیار کیا جاسکتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ظاہر ہونے والی چیز (حدیث پاک) کی کامل اتباع کیجائے۔ اور قرآن کریم کو مضبوطی سے اسی وقت تھاما جاسکتا ہے، جب اس کی تشریح احادیث مبارکہ کے ذریعہ سے ہو۔

وكان كتاب المصابيح الذي صنفه الامام محي السنة قانع البدعة ابو محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوي رفع الله درجته اجمع كتاب صنف في بابہ: سنت کو زندہ کرنے والے بدعت کو ختم کرنے والے (ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) نے مصابیح کی تالیف فرمائی تھی، وہ کتاب اپنے فن کی ایک جامع کتاب تھی جس میں امام موصوف نے بہت اچھے انداز سے منتشر متون (احادیث مبارکہ) کو جمع فرمایا تھا، اور مصنف کا بغیر سند کے حدیث کو نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسے سند کے ساتھ نقل کرنا، کیوں کہ وہ نقل حدیث میں ثقہ اور معتد محمد ثین میں گئے جاتے ہیں، لیکن پھر بھی بے نشان والی چیز نشان والی چیز کے درجے میں نہیں ہو سکتی، اس وجہ سے میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد پائی اور اس کی توفیق کا طالب گارہوا، پھر میں نے ہر حدیث کو جس باب سے وہ متعلق تھی اس میں رکھا، اور علماء و محدثین نے جس طرح اس کو روایت کیا تھا اسی طرح میں نے سند اور حوالہ کتاب کے ساتھ اس کو ذکر کیا، مثلاً محمد بن اسماعیل بخاری، ابوالحسن مسلم بن حجاج قشیری، ابو عبد اللہ مالک بن انس اصبہی ابو عبد اللہ محمد بن ادريس شافعی ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، ابو عبد الرحمن احمد بن

شعیب نسائی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی، ابو الحسن علی ابن عمر دارقطنی، ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، ابو حسن رزین ابن معاویہ عبد ری، اور ان کے علاوہ بھی کچھ محدثین ہیں۔ اور بلاشبہ جب میں نے ائمہ حدیث کی طرف حدیث پاک کی نسبت کر دی تو گویا میں نے حقیقتاً اس کی سند حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادی، کیوں کہ ان ائمہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے سند ذکر کر کے ہم سب کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے، اور میں نے اس کتاب کی ترتیب وہی رکھی ہے جو صاحب مصابیح نے رکھی تھی، اور اس سلسلے میں میں نے ان کی پیروی کی ہے۔ اور میں نے عام طور سے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے، پہلی فصل میں شیخین کی روایت کو ذکر کیا ہے یا اس روایت کو ذکر کیا ہے جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی کتاب میں ہے اگرچہ کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن کو دوسرے محدثین نے بھی ذکر کیا ہے، لیکن میں نے صرف شیخین کا ذکر ان کے بلندی مرتبہ کی وجہ سے کیا ہے۔ اور دوسری فصل میں شیخین کے علاوہ جو ائمہ مذکورہ ہیں ان کی روایت کو ذکر کیا ہے، تیسری فصل میں احادیث کے علاوہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ان آثار کو بھی جمع کیا ہے جو باب کے مطابق تھے، آثار کو جمع کرنے میں شرائط حدیث کو مد نظر رکھا ہے۔

وان وجدت اخر بعضه متروکا علی اختصاره او مضموما الیه تمامه
فعن داعی اہتمام اترکہ والحقہ وان عثرت علی اختلاف فی الفصلین من
ذکر غیر الشیخین فی الاول: اگر تم کو ایک حدیث ایسی ملے جس کا بعض حصہ اختصاراً
حذف کر دیا گیا ہے یا اس میں کچھ حصہ ملا دیا گیا ہے تو یہ ملانا اور حذف کرنا ایک خاص مقصد
کے تحت ہے، اور اگر دونوں فصلوں میں اختلاف محسوس ہو اور یہ اس طور پر ہو کہ شیخین کے علاوہ کی
روایت فصل اول میں اور شیخین کی روایت فصل ثانی میں ہو تو یہ بات ذہن میں رہنا چاہئے کہ

یہ اختلاف غفلت یا تسامح کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ میں نے حمیدی کی کتاب ”جمع بین الصحیحین“ اور کتاب جامع الاصول میں بہت تلاش و جستجو کے بعد یہ ترتیب قائم کی ہے، اور اس سلسلے میں میں نے بخاری و مسلم کے اصل نسخوں پر اعتماد کیا ہے، اور اگر اختلاف اصل حدیث میں نظر آئے تو یہ اختلاف اسناد میں اختلاف کی وجہ سے ہوگا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس روایت کو شیخ نے نقل کیا ہے وہ مجھے نہ مل سکی ہو، لیکن ایسا بہت کم ہوگا کہ روایت مجھے نہ ملی ہو، یا مجھے اصول کی کتابوں میں شیخ کی نقل کردہ روایت کے خلاف وہ روایت ملی ہو، لیکن اگر ایسا اختلاف ملے تو خطا کی نسبت کوتاہ علمی کی وجہ سے میری طرف کی جائے، شیخ اس قسم کی غلطی سے پاک ہیں اور اصل پاک کی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات دنیا و آخرت میں بلند فرمائے۔ (آمین)

رحمہ اللہ من اذا وقف علی ذلک نبہنا علیہ و ارشدنا طریق الصواب ولم ال جہدا فی التفسیر والتفتیش بقدر الوسع والطاقة: اللہ تعالیٰ کی اس شخص پر رحمت ہو جس کو وہ روایت ملے اور ہمیں اس سے وہ مطلع کر دے۔ اور درست راستہ کی ہم کو رہنمائی کر دے۔ میں نے اس کی تلاش اور تحقیق میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور اپنی وسعت و طاقت کے مطابق بھرپور چھان بین کی۔ اور جیسا اختلاف پایا ویسا ہی نقل کر دیا۔ اور شیخ نے جن احادیث پر غریب یا ضعیف کا حکم لگایا ہے۔ میں نے ان سب کی وجہ کو بیان کر دیا ہے، اور جن احادیث اور اصولی امور کی شیخ نے نشاندہی نہیں کی، میں نے بھی ان مقامات کو بغیر کسی مجبوری کے نہیں چھیڑا، اور کچھ ایسے بھی مقامات ملیں گے جہاں میں نے کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بسیار تلاش و جستجو کے باوجود مجھ کو راوی کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ لہذا وہ جگہ میں نے خالی چھوڑ دی ہے۔ جس کو راوی کا نام معلوم ہو تو اس جگہ اس کا حوالہ دے دے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اس کتاب کا نام میں نے

”مشکوۃ المصابیح“ رکھا۔

اس کتاب کی تصنیف کے لئے اللہ تعالیٰ سے نیک توفیق، اس کی مدد، اس کی ہدایت اور مقصد کے حصول کے لئے خطا و قصور سے حفاظت کا طالب ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس زندگی میں اور مرنے کے بعد نیز تمام مسلم مردوں و عورتوں کو اس سے نفع پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے، طاقت و قوت اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے جو تمام امور پر غالب اور حکمت والا ہے۔

تشریح: الحمد لله نحمده الخ: جملہ مصنفین کا طریق یہی ہے کہ اپنی کتاب کو بسم اللہ اور حمد و صلوة سے شروع فرماتے ہیں، مگر سب کا انداز جدا گانہ ہوتا ہے کوئی جملہ اسمیہ کے ذریعہ تحمید کرتا ہے کوئی جملہ فعلیہ سے کوئی ایسا جملہ اختیار کرتا ہے جو اسمیہ فعلیہ دونوں ہو سکتا ہے صاحب مشکوۃ نے بھی یہی انداز اختیار کیا اور اپنی کتاب کو جملہ اسمیہ و فعلیہ دونوں سے شروع فرمایا ہے۔ غالباً اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جملہ اسمیہ تو دوام و استمرار پر دالت کرتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ہر حال میں ہمیشہ ہر قسم کی تعریف حق تعالیٰ شانہ کے واسطے ہے، اور جملہ فعلیہ تجدد و حدوث پر دالت کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہم انواع مختلفہ کے ساتھ وقفاً وقفاً یومانیو مالیلہ فلیلاً کبھی اس انداز سے کبھی اس طریق سے تیری حمد کرتے ہیں، پھول پتی پر کبھی حمد کرتے ہیں، اور کبھی عمدہ عمارتوں پر کبھی حسن و خوبی پر، کبھی دولت ایمان پر، کبھی دولت علم پر، ہر حال میں ہر کیف میں ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور چونکہ نحمدہ میں ایک دعویٰ کی صورت پائی جاتی ہے کہ ہم اس کی حمد کرتے ہیں۔

حالانکہ کہاں حق تعالیٰ شانہ کی حمد اور اس کا پاک نام اور کہاں ہماری ناپاک زبان اس کی شان تو یہ ہے۔

ہزار بار بشوئیم دہان ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال ہے ادبی است

وہاں تو یہ ہے کہ ہزار مرتبہ بھی منہ کو مشک و گلاب وغیرہ سے دھویا جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیا بہت بڑی غلطی ہے اور یہاں دعویٰ کہ ہم تیری حمد کرتے ہیں اس دعویٰ سے بچنے کے لئے مصنف نے فرمایا:

”ونستعينه“ کہ اس حمد کرنے پر بھی ہم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اُروہ توفیق دے تو ہم حمد کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اور پھر بھی ”الانسان مركب من الخطا والنسيان“ [انسان غلطیوں سے مرکب ہے] انسان کتنی بھی سعی کرے اہتمام سے کام لے غلطی بھول چوک ہو ہی جاتی ہے، حمد میں بھی کچھ نہ کچھ کوتاہی اور غلطی ضرور رہیگی۔ اس لئے فرمایا:

”ونستغفره“ کہ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت پا جتے ہیں اور پھر چونکہ شیطان انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے، پیدائش کے وقت ہی دولتہ پیدا ہوتے ہیں۔ لمة من الشيطان ولمة من الرحمن۔ اور لمة رحمانی اگر اچھائیوں کا القاء کرتا ہے۔ تو لمة شیطانی برائیوں کا القاء کرتا رہتا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ کسی بڑے کی پناہ گاہ کو پکڑا جائے اس لئے فرمایا:

”ونعوذ بالله من شرور انفسنا.“ [کہ ہم اپنے نفسوں کے شر اور برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پا جتے ہیں۔]

اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جو برائیاں نفسوں میں موجود ہیں بذات خود بری نہیں، بلکہ تعلق کے اعتبار سے اس میں برائی آ جاتی ہے۔ کفر بذات خود برائی نہیں اور غصہ بذات خود برائی نہیں بلکہ اپنے محل و متعلق کے بدل جانے سے برائی پیدا ہو جاتی ہے، کفر کا تعلق اگر شیطان کے ساتھ کیا جائے تو اچھا ہے ایسے ہی غصہ کا اور کفر کا تعلق خدا کے ساتھ کیا جائے تو برا اور مذموم ہے۔

اور جب شرور اور اعمال کی اضافت افس کی طرف کی ہو اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ نفوس مختار ہیں اور اعمال میں مستقل ہیں لہذا ”من يهده الله فلا مضل له الخ“ [جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ جس کو گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں]۔ [الاکرام وہم کو دور کر دیا کہ یہ سب منجانب خداوندی ہے بندہ کو صرف کسب حاصل ہے۔ (شرح الطیبی: ۱/۸۳)]

آثار سے مراد کتابیں ہیں۔ **انوار** سے مراد علماء۔ اور **ارکان** سے مراد آیات۔ **مکان** سے مراد کتاب اور علماء دونوں ہیں۔

شید تشیید سے جس کے معنی منسوب کرنا شید میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں تو چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ضمناً ہو گیا اس لئے صلوات اللہ الخ ائے اور اول اشہد ان محمداً الخ میں صلوات الخ نہ کہا چونکہ یہ کلمات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے ہی منقول ہیں۔

من معالہا: ماعفا کا بیان ہے اور من العلیل. من کان علی شفا کا بیان ہے۔ فی تائید الخ علت ہے فی تعلیلیہ ہے اور یہاں صنعت مشاکلہ بھی پائی جاتی ہے، چونکہ دو ایسے لفظوں کا ایک کلمہ میں جمع کر دینا جو لفظاً ایک ہوں اور معنی جدا گانہ صنعت مشاکلہ کہلاتا ہے یہاں شفی شفا دونوں ظاہراً ایک ہیں مگر اول فعل دوم اسم ہے۔

طرق الایمان: ایمان کے راستوں سے مراد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، کتب سماویہ اور ان کے قابعین پیروکار علماء و صلحاء ہیں۔ (مرقاۃ: ۱/۸)

قد عفت اثارها: [ان کے نشان مٹ چکے تھے] عفا یعفو عفواً. مٹا مٹا دینا۔ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور مبالغہ کے اوزان میں سے ہے یہ مانوڈ ہے اہل عرب کے قول ”عفت الريح الأثار سے۔ اور قرآن پاک میں ہے۔ ”عفا اللہ

عنک لم اذنت لهم“ ای محالہ عنک۔ (لسان العرب)

آثار: اثر کی جمع ہے۔ (مرقاۃ: ۱/۸)

و خبت انوارها: اور ان کی روشنی بجھ چکی تھی۔ خبا یخبو خبواً و خُبواً۔
بجھنا دھیم پڑنا۔ یہ اصل میں ہمزہ کے ساتھ ”خبا“ تھا مگر اہل عرب اس کو بلا ہمزہ کے استعمال
کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے ”کلما خبت زدناهم سعيراً“۔ (لسان العرب)

انوار: سے مراد انبیاء اور علماء وغیرہ کی تعلیمات و ہدایات ہیں۔ (تحفۃ المرأة)
و وھنت ارکانھا۔ وھن ض وھناً کمزوری، سستی، خواہ وہ عمل میں ہو یا امر میں یا
اس کے علاوہ میں۔ قرآن پاک میں ہے ”حملته امه وھنا علی وھن“ اس کی ایک تفسیر
ضعفا علی ضعف بھی کی گئی ہے۔ (لسان العرب)

ارکان: رکن کی جمع ہے اس سے مراد اصل توحید، نبوۃ، بعث بعد الموت اور قیامت
پر ایمان ہے اور عند البعض نماز، زکوٰۃ وغیرہ دیگر عبادات مراد ہیں۔ (مرقاۃ: ۱/۸)
جھل مکانہ: جھل س جھلا و جھالۃ نہ جاننا۔ یہ علم کی نقیض ہے۔

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث
فرمایا، جب بنی نوع انسان جہالت اور ضلالت کی انتہاء کو پہنچ گئی تھی اور ایمان و دین کی روشنی
پھیلانے والی وہ تعلیمات جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، کتب سماویہ اور ان کے متبعین کے
ذریعہ عالم میں پہنچانی گئی تھیں ان کو یکسر نظر انداز اور بالکل فراموش کر دیا گیا تھا، اور ان
تعلیمات و ہدایات سے اس قدر دوری ہو گئی تھی کہ وہ ناممکن الحصول ہو گئی تھیں، اور اس قدر
ظلمت و جہالت عام ہو چکی تھی کہ علماء و صلحاء کا وجود نا پید ہو گیا تھا اور جو معدودے چند تھے وہ
رہبانیت اختیار کئے ہوئے تھے، اور سماج و معاشرہ میں ان کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں تھی۔
(مستفاد: مرقاۃ)

وشفی من العلیل

من کان علی شفا.

پہا ”شفی“ شفاء سے ماخوذ ہے اور فعل ماضی ہے نیز دوسرا ”شفا“ حافہ اور کنارہ کے معنی میں ہے اور اسم ہے۔

اس سے اشارہ ہے قرآن پاک کی آیت ”وکنتم علی شفا حفرة من النار“ کی طرف (مرقاۃ)

اور مراد یہ ہے کہ بنی نوع انسان کفر و شرک میں ابتلا کی وجہ سے روحانی طور پر بیمار ہو کر دوزخ کے گڑھے میں گرنے کے قریب تھی، کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو ایمان و توحید کی تعلیم کے ذریعہ جہنم سے بچا کر فلاح و نجات کے راستہ پر گامزن کر دیا۔

واوضح سبیل الهدایة

لمن قصد ان یسلکھا.

[اور ہدایت کے راستہ کو واضح کر دیا اس شخص کے لئے جو اس پر چلنے کا ارادہ کرے۔]
کنوز سعادة. یعنی نیک بختی کے خزانے، اور اس سے مراد اسلام، ایمان، نیک اعمال، عبادات اور معارف ہیں کیونکہ ان کو حاصل کرنے والا جنت کے خزانوں کا مستحق ہوتا ہے۔

نیز ”لمن اراد“ اور اسی طرح ”لمن قصد“ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ کیلئے سعی ضروری ہے جیسا کہ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ ان چیزوں کا حصول موقوف تو مشیت خداوندی پر ہے مگر بندہ کیلئے کسب و سعی ضروری ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک کی صفت ”ہدی للمتقین“ ذکر فرمائی ہے۔ (مرقاۃ)

مَعَالِم. مَعْلَم کی جمع ہے بمعنی علامت۔ (مرقاۃ)

أَمَّا: مجمل کی تفصیل کے لئے آتا ہے۔

لطیفہ: اور اماں بھی تفصیل کے لئے ہوتی ہے جو باپ کی پیٹھ میں مجمل ہوتا ہے۔
اماں اس کو اپنے پیٹ میں لیکر اس کی تفصیل کر دیتی ہے اور اس کو ظاہر کر دیتی ہے۔

اُمّا کلام کا اسلوب بدلنے کے لئے بھی آتا ہے جس کو فصل خطاب کہتے ہیں۔ چونکہ یہ تفصیل کے لئے ہوتا ہے اور مجمل و مفصل میں تغایر ہوتا ہے۔

فان التمسک میں فاء چونکہ اما اکثر و بیشتر شرط کے لئے آتا ہے اسی لئے فاء یہاں لایا گیا، جزا کے معنی موہوم کی وجہ سے یہ سمجھ کر اور خیال کر کے کہ اما شرط کیلئے ہے۔

تمسک: کسی چیز کو پانچوں انگلیوں سے پکڑنا مضبوط پکڑنا۔ ہدی راستہ دکھانا اس کے معنی میں پیش قدمی رکھی ہوئی ہے ہدی کے معنی پال، سیرت چلن لا یتسب استقامت ہونا افتفاء گدی کے پیچھے کا حصہ، یہاں مراد اتباع کرنا ہے۔ لما میں ما موصولہ ہے اور صَدَرَ اس کا صلہ ہے۔

من مشکوٰۃ الخ: میں مشکوٰۃ سے تشبیہ دی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو، اور اس کو حذف کر دیا اور ضمیر کو لوٹا دیا، یہ استعارہ بالکنایہ ہے اسی کا نام استعارہ مکذیہ ہے۔

اعصام میں تمسک کے معنی کے بنسبت اور زیادتی ہے بحبل اللہ میں حبل اللہ سے مراد کلام اللہ شریف ہے۔

اما بعد سے یہاں تک حدیث کی ضرورت و عظمت کو بیان کیا اور فرقہ قرآنیہ کا ابطال

۱۔ اور اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ مشکوٰۃ کہا جاتا ہے طاق (وہ خراب دار و اثا جو دیوار میں چراغ وغیرہ رکھنے کے لئے بناتے ہیں) کو۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب منور سے نور حاصل کر کے اس کا فیضان مخلوق پر کرتا ہے لہذا وہ طاق کے مشابہ ہے۔ (شرح الطیبی)

اور یہ ماخوذ ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان ”اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح“ سے۔ (مرقاۃ)

کردیا جو یہ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کافی ہے، حدیث کی ضرورت نہیں۔

شوارد: شاردہ کی جمع ہے وحشی جانور مراد احادیث غریبہ، احادیث موصوف شواردہ صفت ہے اور ایسے ہی او ابد احادیث ہی کی صفت ہے۔

البتہ شواردہ سے مراد وہ احادیث ہیں جو کتب اصول میں روایت کی گئی ہیں، لیکن ان تک طالب کی رسائی مشکل ہوتی تھی کیونکہ یہ معلوم کرنا کہ کس کتاب میں ہے اور کس موقع پر ہے دشوار تھا، گویا وہ احادیث طالب کی نظروں سے پوشیدہ تھیں اور بھاگی ہوئی تھیں، اور او ابد سے مراد وہ احادیث ہیں جن کے معانی طالب حدیث سے پوشیدہ ہیں گویا کہ وہ اس سے بدکی ہوئی ہیں۔ اور صاحب مصابح نے ان کو اس طرح روایت کر دیا کہ ان کے معانی کا سمجھنا اور ان کا تماش کرنا آسان ہو گیا۔

ضرورت تدوین احادیث مبارکہ

تقطع اس کی یہ ہے کہ ما بعد سے لیکر ”بیسان کشفہ“ تک وجہ تعیین من بیان کی کہ کنوز سعادت فلاح دارین بغیر ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر ممکن ہے اور کنوز سعادت فلاح دارین کی ہر انسان کو ضرورت ہے اس لئے احادیث و ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کئے گئے۔

مصباح کو اختیار کرنے کی وجہ

کان کتاب المصباح سے او ابدہا تک وجہ اختیار متن بتائی کہ اس فن میں کتاب المصباح ہی کو کیوں متن بنایا اسی کی کیوں شرح کی بتا دیا کہ وہ سب کتابوں میں جامع ترین کتاب تھی اس لئے اس کو اختیار کیا۔

اشکال: لما سلك: سے ایک اشکال کا جواب ہے کہ جب کتاب المصاحح جامع ترین کتاب تھی تو اس کی شرح کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: گرچہ وہ جامع ترین کتاب تھی مگر اس میں اختصار استعد را اختیار کیا گیا تھا کہ اسانید و ماخذ کو چھوڑ دیا تھا اگرچہ اس وجہ سے کہ ایک بڑے بزرگ معتبر نے جمع کیا تھا، صحیح تھا، مگر بے نام و نشان ہونے کی وجہ سے حیران کن تھی اس وجہ سے شرح کی ضرورت پڑی۔

سلك کی ضمیر کا فاعل مصنف کتاب المصاحح اور چونکہ یہاں ایک کمی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور کمی سے ذرا دل کو رنج ہوتا ہے اس لئے فوراً دعا دیدی رضی اللہ عنہ

اغفال: بے نام و نشان راستہ اس عبارت میں وجہ تصنیف شرح بیان کی۔
أعلام اور اغفال میں دو نسخے ہیں (۱) دونوں میں ہمزہ کا فتح ایک علم کی جمع اور دوسری غفل کی جمع اس صورت میں اعلام کا مطلب ہوگا نشان والا راستہ۔ اور اغفال (بے نام و نشان راستہ) (۲) دونوں کا کسرہ، اس صورت میں یہ دونوں مصدر ہونگے اور معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہونگے۔ اور اعلام سے مراد ”مشكاة“ ہے اور اغفال سے مراد ”مصاحح السنۃ“ ہے۔

فاستخرت الله: اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”و ربك بخلق ما يشاء ويختار ما كان لهم الخيرة“ اور طبرانی نے حضرت انس سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ ”ماخاب من استخار ولا ندم من استشار (مرقاۃ)

استخاره

فاستخرت الخ. اللہ تعالیٰ کا نیلیون نمبر دعائے استخارہ ہے اگر ایک دن کام نہ

چلے تو سمجھ لو اائن خالی نہیں پھر کرو۔ تین دن تک کچھ نہ کچھ مشورہ مل جائیگا اور اگر تین دن میں کچھ حاصل نہ ہو تو سمجھ لو کہ تمہاری اائن خراب ہے اسے صحیح کراؤ۔ اور پھر چوتھے دن پانچویں دن استخارہ کرو پھر بھی کامیابی نہ ہو تو چھٹے دن پھر ساتویں دن استخارہ کرو، ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔

استخارہ کا مقصد

استخارہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس کام میں انسان کو تذبذب ہو کہ کروں یا نہ کروں تو استخارہ کے ذریعہ سے اس کے کرنے یا نہ کرنے کا شرح صدر ہو جاتا ہے اور اطمینان ہو جاتا ہے اور یہ منجانب اللہ ہوتا ہے اور اس میں ان شاء اللہ خیر ہوتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کرنے سے کوئی خواب نظر آتا ہے جس میں اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت ہوتی ہے سو یہ ضروری نہیں، خواب نظر بھی آ سکتا ہے، نہیں بھی، اصل چیز شرح صدر کا ہو جانا ہے۔ نقطہ

فاعلمت ما اغفلہ: پس بانشان کر دیا میں نے ان تمام مقامات کو جن کو بے نشان چھوڑ دیا تھا صلاب مصابح نے بایں طور کہ حدیث کے شروع میں راوی اور آخر میں مخرج کا التزامی طور پر تذکرہ کر دیا۔ (مرقاۃ)

مقرر: جائے قرار، مناسب باب جو مناسب تھا اسی میں اس حدیث کو رکھ دیا۔
اتقان: مضبوط، متقنون: اپنے علم میں مضبوط علماء، ثقات: ثقہ کی جمع ہے بمعنی عادل۔ (مرقاۃ)

شیخین: شیخین سے مراد امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ہیں۔ اس لئے کہ یہ لفظ جب محدثین میں بولا جاتا ہے تو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ مراد ہوتے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جب شیخین بولتے ہیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہوتے ہیں، اسی طرح فقہاء میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور مناطقہ میں ابو علی سینا اور فارابی مراد ہوتے ہیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: انی اذا نسبت الحديث اليهم: ان کی طرف یعنی ان بعض ائمہ کی طرف جن کو میں نے ذکر کیا اور جن کی کتب اسانید کے ساتھ متداول ہیں۔ (مرقاۃ)

قد فرغوا منه واغنوناه: یہ ایک اشکال کا جواب ہے اور اشکال یہ ہے کہ نقاد حدیث نے صاحب مصاحح پر اس وجہ سے اعتراض کیا تھا کہ انہوں نے نقل حدیث کے وقت سند حدیث کے ذکر کا التزام نہیں کیا تھا اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی صرف صحابی اور کتاب کے حوالہ کو ذکر کر دینا کافی سمجھا ہے۔ لہذا ان پر بھی وہی صاحب مصاحح والا اعتراض ہوا۔

جواب: تو جواب دیدیا کہ جن ائمہ کی کتب سے یہ احادیث لی گئی ہیں انہوں نے اپنی کتب میں مکمل سند ذکر کی ہے اور وہ اسانید کے سلسلہ میں نقد و نظر اور تلاش و جستجو کے مرحلہ کو طے کر چکے تھے لہذا اب ہمارے لئے صرف طرق حدیث پر اکتفا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

انہوں نے ہم کو تحقیق حدیث سے بے نیاز کر دیا ہے یعنی اب ہمیں روایات کو نقل کرتے ہوئے (کتب معتمدہ سے) وصل وقطع، وقف و رفع، ضعف و حسن، اور صحت و وضع

وغیرہ کی تحقیق کی ضرورت نہیں، کیونکہ ائمہ متقدمین اس سلسلہ میں بحث و تمحیص اور چھان پھٹک کر چلے ہیں۔

نقل حدیث

ملائلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کی اس عبارت سے ایک مسئلہ یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر کتب معتدہ مشہورہ سے کوئی روایت نقل کی جائے خواہ عمل کے لئے ہو یا احکام و استدلال کے لئے، ان کتب کے مصنفین پر اعتماد کرتے ہوئے یہ جائز ہے، حالانکہ ابن الصلاح نے اس کے لئے بعض شرائط بھی لکھی ہیں مگر علماء نے ان کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

اور ابن برہانؒ فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء اس رائے پر متفق ہیں کہ عمل بالحدیث کیلئے سماع شرط نہیں ہے بلکہ جب احادیث کا کوئی صحیح اور معتد نسخہ مل جائے تو اسکی روایات پر عمل کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ (مرقاۃ)

روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی زیادہ مستحکم سمجھی جاتی ہیں، اور درایہ میں اور بھی ان سے بڑھ سکتا ہے جیسے امام مالکؒ کہ وہ کلیات کے مجتہد ہیں بخلاف امام بخاریؒ کے کہ یہ فروع کے مجتہد ہیں۔

بعض احادیث جو کتاب المصاحح میں مختصر ہیں وہ یہاں مطول ہیں اور جو مصاحح میں مطول ہیں وہ یہاں مختصر ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دیکھا جائے کہ جو مسئلہ ہم کو بیان کرنا ہے اگر مختصر سے حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو مختصر ذکر کر دیا، اور اگر مختصر سے مسئلہ ثابت نہیں ہوتا تو وہاں مطول کو ذکر کر دیا گیا ہے۔

وان عشرت الخ: مطلب یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا تھا کہ فصل اول میں شیخین کی حدیثیں ذکر کریں گے اور ثانی و ثالث میں غیر شیخین کی اگر اس میں اختلاف معلوم ہو تو یہ اس وجہ

سے ہے کہ میں نے جب کتاب لکھی تو بہت سی کتابیں جمع بین الصحیحین، جامع الاصول، بخاری، مسلم وغیرہ میرے سامنے تھیں تو اگر کوئی حدیث مصاحح میں ہے اور دوسری کتابوں میں بھی مگر بخاری و مسلم میں نہیں تو میں نے بخاری و مسلم پر اعتماد کیا اور اس کو میں نے فصل اول میں جگہ نہیں دی اور مصاحح میں فصل ثانی میں کوئی حدیث ہے، اور وہ متون بخاری و مسلم میں ہے تو میں نے اس کو فصل اول ہی میں جگہ دی۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوگا کہ تمہیں مصاحح میں کسی باب یا کسی کتاب کے اندر کوئی روایت ملے گی لیکن مشکوٰۃ میں اس مقام پر وہ روایت نہ ملے گی، کیونکہ مصاحح میں وہ روایت مکرر تھی لہذا میں نے بالارادہ اس کو کسی مقام سے ساقط کر دیا اور دوسرے مقام پر بھیجہ وہ روایت بلا تغیر کے ذکر کر دی ہے۔ اور یہ عمل سہو و نسیان کی بنا پر نہیں، بلکہ بالقصد و بالارادہ ہے تکرار سے بچنے کی غرض سے۔ (مرقاۃ: ۳۳)

اور بعض مرتبہ مصاحح اور مشکوٰۃ دونوں میں متن حدیث میں اختلاف ملے گا تو اس کی بنیاد اسانید و رواۃ حدیث میں اختلاف ہے اور بہت ممکن ہے شاید کہ میں اس روایت کو نہ پاسکا ہوں جس کے الفاظ شیخ نے ذکر کئے ہیں۔ (مرقاۃ)

فی کتب الاصول: اس سے وہ کتب سبعہ مراد ہیں جن کی روایات صاحب مصاحح نے ذکر کی ہیں۔ (مرقاۃ)

ومالم یشر الیہ معانی الاصول: یعنی جن روایات کے اھطاع، وقف اور ارسال وغیرہ کا تذکرہ جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور بیہقی وغیرہ میں ہے اور مصنف نے اس کی طرف اشارہ نہیں کیا تو میں نے بھی ان کی اتباع میں اس مقام کی تشریح کو ترک کر دیا ہے۔ (طیبی و مرقاۃ)

بغرض: کیونکہ بعض نقاد نے بعض احادیث مصاحح کو موضوع قرار دیا ہے لیکن

صاحب مشکوٰۃ کو ترمذی یا اس کے علاوہ میں اس کے صحت یا حسن پر صراحت مل گئی۔ تو انہوں نے اس صراحت کو نقل کر دیا۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ”المرء علی دین خلیلہ“ ہے طاعنین نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، مگر امام ترمذیؒ نے اس کو اپنی جامع میں حسن اور امام نوویؒ نے ”ریاض الصالحین“ میں صحیح الاسناد قرار دیا ہے لہذا ان کے زعم باطل کے قلع قمع کے لئے اس صراحت کو نقل کر دیا۔ (شرح الطیبری مع زیادة)

مہملہ: مخرج حدیث کے تذکرہ کے بغیر۔

فان عشرت: اس لئے بعض علماء نے ان مقامات کے حاشیہ میں بخاری حدیث کو ذکر کر دیا ہے۔ اور اصل کتاب میں بیاض چھوڑ دی ہے۔ (مرقاۃ)

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم ای لا حول عن معصیۃ اللہ ولا طاقة علی الطاعة الا باللہ العزیز الحکیم: یعنی نہ معاصی سے رکا جاسکتا ہے، اور نہ کسی طاعت و عبادت پر قدرت ہو سکتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تب ہی بندہ گناہ سے بچ سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تب ہی بندہ کوئی عبادت بجاا سکتا ہے۔



فوائد خطبہ

صاحب اشرف التوضیح نے فوائد خطبہ اور فوائد بیباچہ کو سہل انداز میں بیان فرمایا ہے، جو طلباء حدیث کے لئے بہت مفید ہے اس لئے اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

آغاز کتاب مقدس

حضرت مصنف قدس سرہ نے قرآن پاک کی ترتیب کتابی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک اور طریقہ سلف صالحین کی اتباع کرتے ہوئے اپنی کتاب مقدس کو تسمیہ اور حمد سے شروع فرمایا ہے، حدیث ”کل امر ذی بال“ مختلف الفاظ سے وارد ہوئی ہے، بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں۔

کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ
بیسم اللہ الرحمن الرحیم فہو ابتر۔
(رواہ الخطیب بہذا اللفظ فی کتاب
الجامع) کذا فی المرقاة۔

ہر قابل اہتمام کام جو ”بسم
اللہ الرحمن الرحیم“ سے شروع نہ
کیا گیا ہو وہ بے برکت ہے۔

بعض روایات کے الفاظ یہ ہیں۔

کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ
بالحمد للہ فہو اجذم۔ (رواہ ابو داؤد
والنسائی فی عمل الیوم والیلة)
کذا فی المرقاة۔

ہر ذی شان کام جو ”الحمد للہ“
سے شروع نہ کیا گیا ہو وہ بے برکت
ہے۔

الفاظ ذیل سے بھی یہ حدیث ملتی ہے۔

کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ
بالحمد لله فهو اقطع. (رواہ ابن ماجہ)
ہر مہتمم بالشان کام جو ”الحمد لله“
سے شروع نہ کیا جائے وہ بے ثمر ہے۔
کذا فی المرقاة.

ان تمام روایات کا حاصل ہر مہتمم بالشان کام یا کلام کو بسم اللہ اور الحمد للہ سے شروع
کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ یہ حدیث مندرجہ ذیل الفاظ سے بھی وارد ہوئی ہے۔

کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ
بذكر الله فهو اقطع. (رواہ الرہاوی)
ہر اچھا کام جس کا آغاز ”ذکر اللہ“
فی اربعینہ وحسنہ ابن الصلاح
نہ ہو وہ برکت سے خالی ہوگا۔
کذا فی المرقاة.

راوی نے اس حدیث کے الفاظ ذیل بھی نقل فرمائے ہیں۔

کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ
بذكر الله ثم بالصلوة فهو اقطع
محقق من کل برکة. (اخرجه
الرہاوی عن ابی ہریرة مرفوعاً)
ہر ذی احترام کام جو ”ذکر اللہ“
سے اور پھر مجھ پر درود پڑھنے سے شروع
نہ کیا گیا وہ ہر برکت سے خالی ہے۔
کذا فی المرقاة: ۱/۴.

علامہ رہاوی کی حدیث نے تسمیہ اور حدیث تحمید کی مراد واضح کر دی ہے کہ حضرت
شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ہر ذی بال کام کے آغاز میں برکت پیدا
کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہونا چاہئے، وہ ”بسم اللہ“ کہنے کی صورت میں ہو خواہ
”الحمد لله“ کہنے کی شکل میں ہو۔ اگر مقصود سے قبل دونوں کو ہی ذکر کر لیا جائے تو نور علی
نور ہے۔ حصول برکت کے لئے ان دونوں میں سے کوئی ایک یا ذکر باری کے قبیل سے کوئی
اور کلمہ کہہ لینا بھی کافی ہے۔

تقریر بالا سے حدیث تسمیہ اور تحمید میں تعارض کا شبہ جاتا رہا کیونکہ دونوں حدیثوں کا مقصود ”ذکر اللہ“ سے کام شروع کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اگر علی سبیل التanzil تعارض تسلیم کر لیا جائے تو سہل اور صاف جواب یہ ہے کہ ابتدائے حقیقی اگرچہ بسیط غیر معقد ہے ایک ہی چیز سے ہو سکتی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام محاورات عامہ اور عرف کے مطابق ہوتا ہے۔ عرف میں مقصود سے پہلے ہر مناسب مقام کئے جانے والے کام کو ابتدائی کام سمجھا جاتا ہے۔ ابتدائے عرفی امر ممتد اور موسع ہے اس میں متعدد امور واقع ہو سکتے ہیں۔ اس لئے شروع فی المقصود سے قبل تسمیہ، تحمید اور صلوة علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہ امور سب عرف کے اعتبار سے ابتدائی امور ہیں۔

تسمیہ اور حمد میں ترتیب

”الحمد لله“ شکر باری تعالیٰ کو حضمن ہے۔ ”تکلم بالحمد“ تک جتنی نعمتیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں سب پر اجمالاً شکر کرنا مقصود ہے، کتاب کا افتتاح ”بسم اللہ“ سے کرنے کی توفیق مل جانا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس لئے حمد کو تسمیہ کے بعد ائے تاکہ اس نعمت عظیمہ پر بھی شکر ادا ہو جائے۔ نیز ”بسم اللہ“ پڑھنے کی ترغیب ہر اچھے کام سے پہلے دی گئی ہے، خواہ جنس کلام سے ہو خواہ جنس طعام واکل وشراب وغیرہا سے ہو، اور حمد کو (عادۃً) خطب اور جنس کلام کے ساتھ خاص سمجھا جاتا ہے، لہذا تسمیہ عام ہوا اور حمد خاص اور عام خاص سے مقدم ہوتا ہے اس لئے تسمیہ کو حمد پر مقدم کیا گیا۔ (من رقم الشیخ قدس سرہ)

قوله الحمد لله نحمد: حضرت مصنفؒ نے حمد کے لئے دو جملے ذکر فرمائے ہیں، ایک اسمیہ یعنی ”الحمد لله“ دوسرا فعلیہ مضارع یعنی ”نحمده“۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لمعات میں فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ ”الحمد لله“ سے اس بات کی

خبر دینا مقصود ہے کہ تمام محامذات پاک کے ساتھ مخصوص ہیں اور ”نحمدہ“ سے انشاءِ حمد مقصود ہے، گویا پہلا جملہ صورت و معنی خبر یہ ہے اور دوسرا صورت و خبر یہ ہے، معنی انشائیہ ہے اس صورت میں تکرار نہ رہے گا، یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں معنی انشائیہ ہوں۔ دوسرا جملہ گویا ظاہر تکرار ہے لیکن اس کے بعد ”نستعینہ“ کہنے سے تجدید فائدہ ہوگی کہ ہم انشاءِ حمد حق جل و علا کی اعانت کے بغیر کہاں کر سکتے ہیں۔ (لمعات: ۱/۲۵)

دونوں جملوں میں فرق

”الحمد لله“ جملہ اسمیہ ہے۔ اسمیت جملہ استمرار و دوام پر دالت کرتی ہے۔ اسمیہ جملہ کا معنی ہے۔ ”عدول الجملة عن الفعلية الى الاسمية“ ”نحمدہ“ جملہ فعلیہ مضارعیہ ہے۔ فعل حدوث و تجدید پر دال ہے۔ اور مضارعیت استمرار پر دالت کرتی ہے۔ اس طرح سے جملہ فعلیہ مضارعیہ استمرار تجدیدی پر دال ہوگا۔

دو جملے ذکر کرنے میں حکمتیں

(۱)..... جنس نعم باری تعالیٰ مستمر و دائم ہے۔ کوئی آن ایسی نہیں جس میں ہم پر ان کی جنس نعمت کسی نہ کسی نوع یا فرد کے ضمن میں فائض نہ ہو رہی ہو، البتہ منعم پاک کی نعمت کے انواع و جزئیات آنا فائض و مافیو ما نو بہ نو تازہ و تازہ وارد ہوتے رہتے ہیں۔ جنس نعم کے دوام و استمرار کے پیش نظر جملہ اسمیہ لائے اور انواع و جزئیات نعم کے تجدید کے پیش نظر جملہ مضارعیہ لائے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے ان کی نعمتیں جدید و تجدید نو بہ نو ہم پر فائض ہوتی رہتی ہیں انہیں کے مطابق ہماری طرف سے نو بہ نو حمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

(۲)..... ذات محمود سبحانہ تعالیٰ واحد دائم لم یزل و لا یزال ہے اور ان کی نعم تجدید ہیں، امر اول

کے پیش نظر جملہ اسمیہ اور ثانی کے پیش نظر جملہ مضارعیہ لائے۔

(۳)..... حمد کی دو قسمیں ہیں: (الف) حمد باری تعالیٰ اپنی ذات پر۔ یہ دائم و مستمر ہے، اصل حمد یہی ہے حامد جتنا بلند ہوگا اور محمود کو جس قدر پہنچانے والا ہوگا اسی قدر اس کی حمد ارفع ہوگی ظاہر ہے کہ یہ بات حمد باری تعالیٰ علی ذاتہ کے برابر کسی میں نہیں۔

(ب) حمد مخلوق خالق کے لئے۔ قسم اول دائم ہے، دوام حامد کی وجہ سے اس کی مناسبت سے پہلا جملہ اسمیہ لائے قسم ثانی حادث و متجدد ہے۔ حدوث حامد کی وجہ سے اس کی مناسبت سے دوسرا جملہ فعلیہ مضارعیہ لائے۔ (من رقوم الشيخ قدس سرہ)

صیغہ جمع لانے میں حکمت

بظاہر حمد کرنے والے تصنیف کرنے کے وقت تنہا مصنف ہیں، مقتضی ظاہر "احمدہ" بصیغہ الافراد تھا، مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "نحمدہ" کہا ہے، عدول عن مقتضی الظاهر کے کئی وجوہ محتمل ہیں۔

(۱)..... صیغہ جمع محکم الکرعظمت شان حمد کی طرف اشارہ ہے کہ اس جامع الکمالات پاک ذات کی حمد اتنا بڑا کام ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا افراد بنی آدم میں سے کسی ایک کے بس کی بات نہیں اس لئے صیغہ جمع لیا کہ ہر حامد کو شریک کر لیا ہے، خواہ اس کی حمد حالی ہو یا قالی، بایں ہمہ "نستعینہ" کہہ کر بتا دیا کہ سب مخلوق مل کر بھی اس امر عظیم کو ادا نہیں کر سکتی جب تک انہی کی اعانت شریک حال نہ ہو۔

(۲)..... حضرت مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اضعاف صیغہ جمع اختیار فرمایا ہے کہ تنہا میری حمد اس قابل نہیں کہ اسے بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل ہو۔ اپنی حمد کو انبیاء کرام علیہم السلام اولیائے عظام اور صالحین مخلصین رحمہم اللہ کی حمد کے ساتھ ملا کر پیش کیا تاکہ ان

نفوس قد سیہ کی مخلصانہ محامد کے ضمن میں یہ عہدناک سودا بھی نکل جائے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر صفحہ واحدہ میں کئی چیزوں کا سودا ہوا ہو پھر ان میں سے بعض میں عیب نکل آئے تو اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ رد کرے تو سب کو کرے، رکھے تو سب کو رکھے۔ عہدناک کو رد کر دینا اور صحیح سالم چیز کو رکھ لینا جائز نہیں جب حق تعالیٰ نے کمزور بندوں کو یہ تعلیم فرمائی ہے تو وہ کریم ذات خود بدرجہ اولیٰ مخلوط چیزوں میں سے صحیح سالم رکھ کر عیب ناک کو رد نہ فرمائیں گے۔ بلکہ صحیح سالم کی برکت سے عیب ناک کو بھی قبول فرمائیں گے۔ جماعت کی نماز میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ادنیٰ برکت اعلیٰ مقبول ہو جائے۔

(۳)..... اپنے اخوان و اصحاب پر شفقت اور ہمدردی کی وجہ سے صیغہ جمع الائے ہیں تاکہ اس اہم عبارت میں ان کو بھی شریک کر لیا جائے۔ کمال ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کی جائے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کی جائے۔ (کمافی الحدیث) **قولہ ونستعینہ:** یعنی حق تعالیٰ شانہ کی حمد کے امر عظیم میں اور تمام دیرامور میں اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرتے ہوئے ہر امر میں اس پاک و قادر مطلق ذات سے مدد کے طالب ہیں۔

یہاں حضرت مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”ایاہ نستعین“ [ہم اسی سے مدد پاتے ہیں] بعنوان حصر ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ مقام اختصاص کا ادراک و ظیفہ خواص ہے۔ ہر کس و ناکس کا یہ مقام نہیں کہ دل کی سچائی سے یہ کہہ سکے کہ مشاہدہ قدرت ہم پر اتنا غالب آچکا ہے کہ ہمارا کسی غیر کی طرف اب التفات ہی نہیں رہا، مطلب یہ کہ اعتقاد اس امر کا تو ہر مومن کو حاصل ہے۔ لیکن اس کا استحضار صادق و ظیفہ خواص ہے اسی لئے ابن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”لولا وجوب قراءة الفاتحة لما قراءتھا لعدم

صدقی فیہا“ (مرقاۃ: ۱/۷)

قوله ونستغفره: یعنی حمد میں جو غفلت و تقصیرات ہم سے واقع ہوئی ہیں نیز اس کے علاوہ جن جن اسرافات و سیئات کا ہم شکار رہے ہیں سب سے معافی کے طالب ہیں۔
ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سنیات اعمالنا: شرور انفس اور اعمال سینہ میں تمام محرمات و مکروہات ظاہرہ و باطنہ بالعموم اور حمد و تصنیف کے موقع کی بے اعتدالیاں بالخصوص داخل ہیں۔ مثلاً احمد سے غفلت، اس میں ریاء و سمعہ و دیگر شوائب نفس کا اختلاط، قلت یا عدم اخلاص، اپنی استعداد و قابلیت پر نظر، توفیق الہی سے صرف نظر اور تفصیل مسائل کے وقت قلت تدبر اور تجاوز عن حد الاعتدال وغیرہ امور۔

قوله من يهده الله الخ: یہ کلام صورتہ تو اس بات کی خبر ہے کہ ہدایت و اضال کے وصف میں باری تعالیٰ متفرد ہیں کسی خیر و شر کا خالق ان کے سوا کوئی نہیں، لیکن معنی یہ جملہ انشائیہ (وعانیہ) ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہدایت و اضال انہی کے قبضہ قدرت میں ہے اس لئے ہم ان سے سوال و درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں ہر قسم کے ضال سے محفوظ رکھے۔ ہدایت سے نوازے رکھے۔

فائدہ

اس سے پہلے جملہ ”نعوذ بالله الخ“ میں شرور و اعمال کو اپنے نفوس کی طرف منسوب کیا تھا اس جملہ ”من يهده الله الخ“ میں یہ بتا دیا کہ اچھے اور برے اعمال کی نسبت بندہ کی طرف کسب کے درجہ تک ہے۔ نیکی اور بدی کے ہر کام کا خلق صرف ذات پاک کی ہی صفت ہے بندہ اپنے کسی فعل کا خالق نہیں، پہلے جملہ میں جبر یہ کار د تھا، اس میں قدر یہ اور معتزلہ کار د ہے۔ خلق افعال عباد کے مسئلہ کی توضیح ان شاء اللہ باب الایمان بالقدر میں کی جائے گی۔

شهادة تكون للنجاة وسيلة و لرفع الدرجات كفيلة: شهادة

اشهد کا مفعول مطلق ہے، اور جملہ ”تكون للنجاة وسيلة الخ“ شہادت کی صفت ہے، یعنی میں تو حید باری تعالیٰ کی ایسی شہادت دیتا ہوں جو نجات کے لئے وسیلہ ہو۔ اور جنت میں درجات عالیہ کے حصول کی ضامن ہو۔

شہادت تو حید کے دوسرے ہیں۔ اول یہ کہ اعتقاد و یقین تو درست ہو چکا ہے لیکن ابھی اس زور قوت کا نہیں جو اعمال صالحہ کے ارتکاب اور اعمال طالحہ سے اجتناب کا موجب بنے۔ ثانی یہ کہ یقین قلبی پھوٹ پھوٹ کر اعضاء و جوارح پر اعمال حسنہ و طاعات واجبہ تک ہی منتج ہو تو دخول اولیٰ فی الجنة کا سبب ہوگا۔ اور اگر طاعات نافلہ تک پہنچانے والا ہو تو اس کی برکت سے جنت میں دخول اولیٰ بھی ہوگا اور درجات عالیہ بھی حاصل ہوں گے۔

غرضیکہ وسیلہ نجات ہونا شہادت کے درجہ اولیٰ کا اور ضامن رفع درجات ہونا اس کے درجہ ثانیہ و تلیا کا ثمرہ ہے، اعمال حسنہ و طاعات و اخلاق حمیدہ اسی مرتبہ ثانیہ کے ثمرات و نتائج ہیں۔ ”وبما قررنا اندفع ما یرد علی المصنف من ان دخول الجنة بالایمان و رفع الدرجات بالاعمال فكیف اضاف رفع الدرجات الی الشهادة“ (کذا فی المرقاة: ۱/۸)

واشهد ان محمداً عبده ورسوله: ”عبد“ کی اضافت حق تعالیٰ کی طرف تشریفی ہے کہ حقوق ربو بیت کی ادائیگی میں سب کائنات پر فوقیت لے جانے کی وجہ سے حق تعالیٰ کے سب سے اخص مقرب و شرف بندہ ہیں۔

قرب و محبت کی منازل میں سے گورسالت سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔ لیکن چونکہ عبد کا اصل موضوع عبدیت ہی ہے اس لئے اس کو مقدم فرمایا۔ عبدیت آپ کے اوصاف میں سے سب سے گراں قدر اور اشرف وصف ہے اس لئے آپ کے بہت سے اہم اور

اشرف مقامات و مناصب کے تذکرہ کے مواضع میں قرآن پاک نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خیر عنوانِ عبد سے کیا مثلاً معراج کے واقعہ عظیمہ کو ذکر کرتے وقت فرمایا ہے: ”سبحان الذی اسرى بعدہ“ اور تنزیل فرقان کی نعمت کے اظہار کے موقعہ پر فرمایا: ”تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ“ ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا: ”فاوحی الی عبدہ ما اوحی“

مذہب عشق مجازی میں بھی عبد کا وصف جب محبوب کی طرف منسوب ہو جائے تو اس کو خاص شرافت و طاوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی میزان کا ایک شاعر کہتا ہے۔

لا تدعنی الا بیا عبدہا

فانہ اشرف اسمائیا

[مجھے جب بھی پکارنا ہو تو صرف اس (محبوبہ) کا عبد کہہ کر پکارا کرو کیونکہ اس کے برابر شرافت میں میرا کوئی دوسرا نام نہیں ہے۔]

قاضی عیاض شارح مسلم اور صاحب الشفاء رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

ومما ازد ادنی عجاوتیہا

وکدت باخمصی اطاء الثریا

دخولی تحت قولک یا عبادی

وان صیرت احمدنی نبیا

(کذا فی المرتقاۃ: ۱/۸)

[یعنی آپ کے ارشاد پاک یا عبادی میں داخلہ اور احمد مجھے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمارے لئے نبی اور ہمارا ان کی امت میں سے ہونا ایسے انعام ہیں جس کے سرور کی وجہ سے پاؤں کے تلوے زمین پر نہیں لگتے۔]

وصف عبدیت کے ذکر میں یہ نکتہ بھی ہے کہ ختم رسالت و معراج جیسے مناصب جلیلہ پر فائز ہو جانے سے رسول عبدیت سے نکل نہیں جاتے۔ بلکہ مقامات عالیہ ان کی عبدیت میں اور بھی عروج و پاشنی پیدا کر دیتے ہیں۔

نیز اس میں تعدیل اعتقاد بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں نہ نصاریٰ جیسی افراط کی جائے کہ عبدیت سے نکال کر الوہیت تک پہنچا دیا جائے نہ یہود جیسی تفریط کی جائے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کا رسول اور بندہ مقبول بھی نہ سمجھا جائے۔

قوله الذی بعثہ الخ: الذی اسم موصول ہے۔ بعثہ سے لئے کرو جہل مکانہا تک اس کا صلہ ہے۔ و طرق الایمان میں واؤ حالیہ ہے۔ فشید، شفی، اوضح اور اظہر اسی فعل صلہ پر مترتب ہیں۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر رسولہ کی نعت ہے۔

اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری شدید ترین ضرورت کے موقع پر ہوئی اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت لوگ جہالت و ضالت کی انتہاء تک پہنچے ہوئے تھے۔ کہیں کوئی ایسی صحیح قیادت موجود نہ تھی جو گم کردہ راہ افراد کو عقائد، اعمال و اخلاق کی صحیح منزل تک پہنچا سکے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

”لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ مِنْ اللَّهِ يَتْلُو صَحَافًا مَطْهُرَةً“ (سورة البينة) [جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر تھے وہ (اپنے کفر سے برگز) باز نہ آنے والے تھے، جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔ (یعنی) ایک اللہ کا رسول جو ان کو پاک صحیفے پڑھ کر

سناوے۔ [بیان القرآن]

وطرق الایمان قد عفت آثارها الخ: اس کے شیخ قدس سرہ نے اشعۃ
اللمعات میں دو مطلب لکھے ہیں۔

(۱)..... طرق الایمان سے مراد حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین علمائے
عظام رحمہم اللہ ہیں اور نشانات مٹ جانے اور انوار بجھ جانے اور ارکان کمزور
پڑ جانے سے مراد یہ ہے کہ ان شخصیات مقدسہ کی تعلیمات اور ہدایات کا سلسلہ تعلیم
و تعلم ختم ہو چکا تھا۔ اور ان کے مقتضی کے مطابق عمل کا روانہ باقی نہ رہا تھا۔ جھل
مکانہا سے مراد یہ کہ ان کے علوم و معارف کی قدر و منزلت سے ناواقفیت
و ناشناسی عام تھی۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اس
وقت ہوئی جب کہ انبیائے سابقین علیہم السلام کی تعلیمات بالکل نابید ہو چکی تھیں، صحیح زہری
بالکل معدوم تھی۔ کہیں کہیں اکا دکا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم پر عمل کرنے والا کوئی کوئی ہوگا
لیکن وہ بے پارے حالات زمانہ سے مجبور ہو کر اپنی جان و ایمان کو کسی گوشہ گمنامی میں لئے
بیٹھے تھے۔ علامۃ الناس کی قیادت نہ کر سکتے تھے۔

(۲)..... طرق الایمان سے مراد وہ عقائد، اعمال، اخلاق، آداب و ریاضات ہیں جو تکمیل
انسانیت کا ذریعہ ہیں۔ آثار کے مٹ جانے و روشنیوں کے بجھ جانے سے مراد علمی
و عملی طور پر ان امور کا چرچا نہ رہنا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



فوائد دیاچہ

خلاصہ دیاچہ

صاحب مشکوٰۃ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد دیاچہ مشکوٰۃ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے تو آپ نے علم حدیث کی ضرورت اور اہمیت مختصر مگر جاندار لفظوں میں بیان فرمائی ہے کہ علم حدیث ایسا ضروری علم ہے جس کے بغیر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنایا نہیں جاسکتا۔ اور ایسا علم ہے جس کے بغیر قرآن پاک حل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں نے اس اہم علم میں تصنیف کے لئے قلم اٹھایا۔

کسی علم میں تصنیف کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں مستقل کتاب لکھی جائے۔ دوسرا یہ کہ کسی اور کتاب کو لے کر اس میں کچھ اضافات کر کے ایک نئی کتاب کی شکل دیدی جائے۔ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں نے دوسری راہ اختیار کی ہے۔ میں نے اپنی محنت کا میدان بنانے کیلئے امام بغویؒ کی تصنیف الطیف ”المصابیح“ کا انتخاب کیا۔ اس کی جامعیت کے پیش نظر اس میں کچھ تغیرات، الحاقات اور اضافات کر کے ایک نیا مجموعہ تیار کیا۔ مصابیح میں مذکورہ بالا اضافات والحاقتات و تغیرات کے بعد جو کتاب تیار ہوئی۔ میں نے اس کا نام ”مشکوٰۃ المصابیح“ رکھا ہے اسم اور رسمی میں مراعات تامہ رکھتے ہوئے

عجیب نام تجویز فرمایا۔ مشکوٰۃ دیوار کے اس طاقچہ کو کہتے ہیں جس میں چراغ وغیرہ رکھا جاتا ہے۔ اور مصابیح! مصباح کی جمع ہے بمعنی چراغ۔ مصابیح سے مراد ”کتاب مصابیح“ بھی ہو سکتی ہے اور وہ احادیث بھی ہو سکتی ہیں جو مصابیح میں مندرج ہیں۔ گویا ہر حدیث سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ میں یقین و معرفت میں ترقی دینے کے لئے چراغ کا کام دیتی ہے۔ نام کا ترجمہ ہوا: [کتاب مصابیح کا طاقچہ] یا [احادیث مصابیح کا طاقچہ] مصباح کی روشنی کھلی جگہ رکھنے کی صورت میں پھیلتی ہے اس لئے اس میں تیزی اور قوت کم ہوتی ہے۔ جب اس کو طاقچہ میں رکھا جاتا ہے تو روشنی منضبط ہونے سے تیز اور قوی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مصابیح کی احادیث پہلے بھی بہت نافع تھیں، لیکن مشکوٰۃ میں آنے کے بعد ان اغفال میں جو اعلام لگے ہیں ان سے ان کی ضواء اور افادیت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ نیز طاقچہ میں مصباح رکھ کر اور بھی چیزیں رکھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ یہی حال مشکوٰۃ شریف کا ہے کہ اس میں پوری احادیث مصابیح رکھنے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی احادیث رکھی گئی ہیں۔

غرضیکہ مصابیح پر وضع اعلام اور الحاقات و اصلاحات و تغیرات کے بعد جو مجموعہ تیار ہوا اس نافع ترین ذخیرہ کا نام ”مشکوٰۃ المصابیح“ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

لئن کان فی مشکاة یوضع مصباح

فذا لک مشکاة وفیہا مصابیح

وفیہا من الانوار ماشاع نفعها

لهذا علی کتب الانام تراجیح

ففیہ اصول الدین والفقه والهدی

حوائج اهل الصدق منه مناجیح

(مرقاۃ: ۱/۲)

[یعنی اگر عام طاہروں میں صرف ایک ایک مصباح ہوتا ہے سو یہ طاہر تیار ہوا جس میں کئی مصباح ہیں۔ اور اس میں ایسے انوار ہیں جن کی افادیت عام پھیل چکی ہے، اس کو دوسرے حضرات کی تصنیفات پر گونا گوں وجوہ ترجیح حاصل ہیں۔ سو اس میں اصول دین، فقہ، ہدایت سبھی کچھ ہے۔ تمام اہل صدق و صفا کی دینی حاجات اس سے بخوبی پوری ہوتی ہیں۔

”مصابیح“ میں صاحب مشکوٰۃ نے جو اضافات، الحاقات و نفع افزا اصلاحات اور تغیرات کئے ہیں وہ اور کتابوں میں امتیاز اور فرق کے وجوہ الگ بیان کر دینا مناسب ہے ان کو یاد کر لیا جائے۔

وجوہ الفرق بین المشکوۃ والمصابیح

- (۱)..... ”مصابیح“ میں متن حدیث سے پہلے صحابی کا ذکر نہیں تھا۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ التزام فرمایا ہے کہ ہر حدیث سے پہلے اس صحابی کا اسم گرامی ذکر فرمادیا ہے۔ جنہوں نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔
- (۲)..... ”مصابیح“ میں احادیث کے آخر میں مخرجین کا حوالہ بالنعین نہیں دیا صاحب مشکوٰۃ نے ہر حدیث کے آخر میں متعین مخرج کا حوالہ دے دیا ہے۔
- (۳)..... ”مصابیح“ اور مشکوٰۃ دونوں اس امر میں تو مساوی ہیں کہ حدیثوں کی پوری سندیں ان میں مذکور نہیں۔ فرق یہ ہے کہ مصابیح میں تعین مخرج بھی نہیں اور مشکوٰۃ میں تعین مخرج ہے جو بمنزلہ پوری سند ذکر کرنے کے ہے۔
- (۴)..... ”مصابیح“ میں ہر باب کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پہلے حصہ کی احادیث کو من الصحاح کے عنوان سے اور دوسرے کو من الحسان کے عنوان سے شروع کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ میں یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ پہلے حصہ کو الفصل الاول سے تعبیر کرتے ہیں۔

دوسرے کو الفصل الثانی سے۔ حدیثیں وہی ہیں جو مصابیح میں تھیں۔ فصل اول میں شیخین کی اور ثانی میں غیر شیخین کی۔ غیر شیخین کی احادیث کو حسان کہنا یا تو تغلیبا ہے یا ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ کما مر۔

(۵)..... ”مصابیح“ کے ہر باب کے صرف دو حصے تھے۔ صاحب مشکوٰۃ نے اکثر ابواب میں ایک تیسرے حصہ کا اضافہ فرما دیا ہے جس کو الفصل الثالث سے تعبیر کرتے ہیں اس فصل میں جو احادیث آتے ہیں وہ مصابیح میں نہ تھیں، ان کا اضافہ ہے۔

(۶)..... ”مصابیح“ میں اصالةً صرف مرفوع حدیثیں ذکر کی گئی ہیں، صاحب مشکوٰۃ نے الفصل الثالث میں موقوف اور مقطوع حدیثوں کو بھی ذکر فرمایا ہے۔

(۷)..... ”مصابیح“ میں بعض احادیث مختصر تھیں، صاحب مشکوٰۃ نے کہیں تو ان کو مختصر ہی رہنے دیا ہے۔ کہیں بعض اسباب و دواعی کی بنا پر ان مختصر حدیثوں کی تکمیل کر دی ہے۔

(۸)..... ”مصابیح“ میں بعض حدیثیں مکرر تھیں۔ مشکوٰۃ میں تکرار حذف کر دیا گیا ہے۔

(۹)..... صاحب ”مصابیح“ نے بعض حدیثیں الصحاح کے عنوان کے ماتحت ذکر کیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ شیخین کی حدیثیں ہیں۔ لیکن صحیح بخاری، صحیح مسلم، جمع بین الصحیحین للحمیدی اور جامع الاصول میں سے کسی میں بھی نہ مل سکنے کی وجہ سے صاحب مشکوٰۃ نے بعض احادیث میں غیر شیخین کا حوالہ دیا ہے۔

(۱۰)..... بعض حدیثیں ”مصابیح“ کے دوسرے حصہ میں تھیں جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حدیثیں صحیحین میں نہ ہوں گی لیکن ان میں سے بعض حدیثیں صاحب مشکوٰۃ کو صحیحین میں مل گئیں اس لئے شیخین کا حوالہ دے دیا۔

(۱۱)..... بسا اوقات ”مصابیح“ میں حدیث کے اور لفظ ہوتے ہیں، مشکوٰۃ میں اور، اس کی

وجہ یہ کہ مصابیح میں پیش کردہ لفظوں کا حوالہ صاحب مشکوٰۃ کو نہ مل سکا۔ اس لئے اس حدیث کو وہ الفاظ پیش کئے جن کی سند و حوالہ ان کو دستیاب ہو سکا۔

(۱۲)..... ”مصابیح“ کی بعض حدیثوں کو نقل کر کے کبھی صاحب مشکوٰۃ یوں کہہ دیتے ہیں کہ ماوجدت ہذہ الروایۃ فی کتب الاصول یا یوں فرما دیتے ہیں وجدت خلافا فیہا۔ یہ اس وقت فرماتے ہیں جب کہ مصابیح کی روایت بعینہا تفتیش تام کے بعد بھی ان کو نہ مل سکی۔ اس صورت میں جو اختلاف روایت پاتے ہیں اس کو نقل فرما دیتے ہیں۔

(۱۳)..... ”مصابیح“ کی بعض احادیث کے متعلق شیخ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ یہ ضعیف ہے یا غریب یا کوئی اور وصف بیان کیا۔ صاحب مشکوٰۃ نے ایسے موقع پر یہ طرز اختیار فرمایا ہے کہ عام طور پر ضعف یا غرابت وغیرہ کی وجہ بیان کر دی، بعض جگہ وجہ بیان نہیں کی، معلوم نہ ہو سکنے کی وجہ سے یا اس لئے کہ اس میں اختلاف تھا اور یہ طول میں نہ جانا چاہتے تھے۔

(۱۴)..... کتب اصول میں کبھی کسی حدیث کے متعلق صحیح یا حسن یا غریب یا ضعیف یا منکر وغیرہ کوئی صفت بیان کی گئی ہوتی ہے لیکن صاحب ”مصابیح“ نے اس کو نقل نہیں کیا، صاحب مشکوٰۃ بھی عدم نقل میں انہی کی اتباع کرتے ہیں، لیکن کہیں کسی غرض سے اس کو نقل بھی فرما دیتے ہیں۔

(۱۵)..... صاحب مشکوٰۃ نے بعض احادیث کے آخر میں مخرج کا حوالہ معلوم نہ ہو سکنے کی وجہ سے جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔

ذکر صحابی کے فوائد

صاحب مشکوٰۃ ہر روایت کے شروع میں صحابی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں جن سے

وہ حدیث مروی ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کرنے سے بہت سے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً

(الف)..... ناخ اور منسوخ کے پہچاننے میں مدد ملتی ہے۔ مثلاً ایک مسئلہ میں دو متعارض حدیثیں ہمارے سامنے ہیں اب غور کرنا پڑے گا ان میں سے کون سی حدیث مقدم ہے کون سی متاخر ہے۔ متاخر ناخ ہوتی ہے۔ اس تقدم و تاخر کا پتہ چلانے میں ذکر صحابی رضی اللہ عنہ سے مدد مل سکتی ہے مثلاً ایک حدیث کو روایت کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں اور دوسری حدیث کو نقل کرنے والے بعد میں اسلام لائے ہیں اس سے کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ کونسی حدیث پہلے کی ہے۔

(ب)..... کبھی دو حدیثوں میں تعارض ہوتا ہے ذکر صحابی رضی اللہ عنہ سے ایک کو ترجیح دینے میں مدد ملتی ہے وہ اس طرح سے کہ مثلاً ایک حدیث کو روایت کرنے والا صحابی فقیہ ہوتا ہے اور دوسری حدیث کو روایت کرنے والے صحابی فقیہ نہیں ہیں۔ تمام کے تمام صحابہ عادل تو ہیں۔ لیکن ہر صحابی کا فقیہ ہونا ضروری نہیں۔ فقیہ کی روایت کو غیر فقیہ کی روایت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ ذکر صحابی سے اس کام میں مدد ملے گی۔

(ج)..... کبھی ذکر صحابی سے حدیث کی قوت یا ضعف کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے وہ اس طرح سے کہ ایک صحابی کی حدیث جو آگے چلی ہے وہ تو اچھی سند سے پہنچی ہے۔ طالب علموں میں مشہور ہے کہ یہ اچھی سند والی ہے۔ اور دوسرے صحابی کی حدیث جس سند سے آگے چلی ہے وہ سند کمزور ہے اور طالب علموں کو اس بات کا بھی پتہ ہے کہ یہ حدیث جس سند سے پہنچی ہے وہ کمزور ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کے صحابی ذکر کر دینے سے اس کی پہچان میں مدد ملے گی۔

تعیین مخرج کے فوائد

صاحب مشکوٰۃ نے یہ التزام کیا ہے کہ تعین مخرج فرماتے ہیں اس میں بہت سے فوائد ہیں۔ مثلاً:

- (۱)..... اجمالی طور پر سند کی حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ جن مخرجین و مصنفین کے حوالے دیتے ہیں ان کی شرائط معروف ہیں، مثلاً علماء اور طلباء جانتے ہیں کہ امام بخاری کس شرط اور معیار پر قول کر حدیث لاتے ہیں، جب کہیں گے ”رواہ البخاری“ تو اس سے ہم اندازہ کر سکیں گے یہ اس معیار کی حدیث ہے۔ علیٰ هذا القیاس۔
- (۲)..... مخرجین کی قلت اور کثرت معلوم ہو جاتی ہے کبھی کبھی صاحب مشکوٰۃ ایک حدیث نقل کر کے متعدد مخرجین کا حوالہ دے جاتے ہیں، اس سے اس حدیث کے بارے میں اطمینان بڑھے گا کہ اس کی تخریج کرنے والے اتنے حضرات ہیں۔

قواعد و فوائد ”ہمزہ ابن“

دیباچہ میں لفظ ابن کافی استعمال ہوا ہے اور ویسے بھی کتب حدیث میں لفظ ابن بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ عموماً اس کے قواعد سے طلبہ عزیز ناواقف ہوتے ہیں اس لئے اس لفظ کے بارہ میں اہم فوائد پیش کر دینا مناسب ہے۔

- (۱)..... لفظ ابن کا ہمزہ وصلی ہے اور ہمزہ وصلی کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جب وسط کلام میں واقع ہو تو لکھنے میں رہتا ہے، پڑھنے میں گر جاتا ہے۔

- (۲)..... قاعدہ مذکورہ کی بنا پر درج کلام میں آنے کی صورت میں ابن کا ہمزہ کتابت میں آنا چاہئے صرف تلفظ میں گر جانا چاہئے۔ لیکن ابن کے استعمال کی ایک خاص صورت

”ایسی ہے جس میں اس کا ہمزہ مخفیاً کتابت میں بھی گرا دیا جاتا ہے۔ وہ صورت استعمال یہ ہے کہ ابن علمین متناسلین کے درمیان میں واقع ہو، (یعنی پہلا علم بیٹا ہو اور ابن کے بعد والا علم باپ یا ماں ہو) اور یہ (ابن) پہلے علم کی صفت بن رہا ہو اور دوسری طرف مضاف ہو۔

(۲)..... ایسی صورت میں ابن کا ہمزہ لکھنے میں بھی گرا دیا جاتا ہے۔ جیسے محمد بن اسماعیل۔ محمد بیٹا ہے اسماعیل کا یہ علمین متناسلین ہوئے۔ ابن محمد کی صفت اور اسماعیل کی طرف مضاف ہے اس لئے یہاں اس کا ہمزہ نہ پڑھا جائے گا نہ لکھا جائے گا، مشکوٰۃ شریف میں جتنے محدثین کے اسماء مبارکہ ذکر کئے گئے ہیں سب میں یہ قاعدہ چلتا ہے۔ اس صورت میں ہمزہ خطاً گرانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ترکیب عرب میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے اور کثرت استعمال خفت کا تقاضا کرتی ہے۔ پڑھنے میں تو یہ ہمزہ گرا ہی تھا، مزید تخفیف یہ ہوتی کہ لکھنے میں بھی گرا دیا۔

(۳)..... اگر لفظ ابن علمین متناسلین کے درمیان میں ہو اور مذکورہ شرطیں بھی پوری ہوں، لیکن لفظ ابن سطر کے شروع میں آ رہا ہو تو پھر اس کا ہمزہ لکھا جاتا ہے۔

(۴)..... صورت مذکورہ میں ایک تخفیف یہ بھی ہوتی ہے کہ ابن سے پہلا علم اگر قابل تنوین ہو تو اس کی تنوین بھی گرا دی جاتی ہے۔ جیسے: محمد بن اسماعیل میں محمد منصرف اور قابل تنوین ہے اس پر تنوین مخفیاً گرا دی گئی ہے۔

(۵)..... اگر ابن علمین متناسلین کے درمیان تو آئے لیکن پہلے کی صفت نہ ہو بلکہ اس سے خبر ہو تو ابن کا ہمزہ لکھنے میں نہ گرے گا لکھنا ضروری ہے۔ جیسے زید بن عمرو جبکہ ابن عمرو مرکب بنا کر زید کی خبر بنانا مقصود ہو [زید عمرو کا بیٹا ہے] اب ابن کا ہمزہ صرف تلفظ میں گرے گا کتابت میں آئے گا۔

(۶)..... ”محمد بن یزید ابن ماجہ“ مشکوٰۃ شریف کی اس عبارت میں دو ابن ہیں۔ پہلے بن کا الف لکھنے میں گرا نا چاہئے اس لئے کہ یہ علمین متا سلین کے درمیان ہے۔ محمد بیٹا ہے یزید کا۔ لیکن دوسرے ابن کا الف لکھنا چاہئے اس لئے کہ یہ علمین متا سلین کے درمیان نہیں۔ یزید ماجہ کا بیٹا نہیں بلکہ اس کا عین ہے۔ ایک قول کے مطابق، اور زون ہے دوسرے قول کے مطابق، اس لئے یہ ابن ماجہ یزید کی صفت نہیں بن سکتا، بنا بریں اس پر تخفیف کا قاعدہ مذکورہ چسپاں نہیں ہوتا، اس کا الف لکھنا چاہئے جیسے کہ ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں فرماتے ہیں: باثبات الف ابن خطا فانه بدل من ابن یزید ففی القاموس ماجہ لقب والد محمد بن یزید صاحب السنن لاجدہ وفی شرح الاربعین ان ماجہ اسم امہ۔

حاصل یہ کہ دوسرا ابن یزید کی صفت نہیں بن سکتا بلکہ ابن یزید سے بدل ہے۔ محمد بیٹا یزید کا یعنی بیٹا ماجہ کا اس کو خوب ذہن نشین کر لیا جائے۔ محمد بن یزید ابن ماجہ جیسی تراکیب کتب حدیث میں اور بھی بہت سی ملتی ہیں۔ مثلاً:

(۱)..... عبد اللہ بن عمرو ابن ام مکتوم: عمرو ام مکتوم کا بیٹا نہیں بلکہ زون ہے۔ عمرو

عبد اللہ کے والد کا نام ہے اور ام مکتوم والدہ کا دوسرے ابن کا الف لکھنا چاہئے۔

(۲)..... عبد اللہ بن ابی ابن سلول: سلول عبد اللہ کی والدہ اور ابی کی بیوی ہے۔

(۳)..... عبد اللہ بن مالک ابن بحینہ: بحینہ عبد اللہ کی والدہ مالک کی زوجہ ہے۔

(۴)..... محمد بن علی ابن الحنفیہ: حنفیہ محمد کی ماں اور حضرت علیؑ کی زوجہ ہیں۔

(۵)..... اسمعیل بن ابراہیم ابن علیہ: علیہ ابراہیم کی زوجہ اور اسمعیل کی ماں ہیں۔

(۶)..... اسحق بن ابراہیم ابن راہویہ: راہویہ ابراہیم ہی کا لقب ہے۔

لفظ ماجہ کی تحقیق

لفظ ماجہ جیم کی تخفیف کے ساتھ ہے اس پر تشدید پڑھنا غلط ہے۔ محمد بن یزید ابن ماجہ کے متعلق عام طور پر ناواقفیت کی بنا پر یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ماجہ محمد کے دادا اور یزید کے باپ ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ یزید تو محمد کے باپ ہیں ماجہ یزید کے باپ اور محمد کے دادا نہیں پھر ماجہ کا یزید اور ان کے بیٹے محمد سے کیا رشتہ ہے اس میں دو رائیں ہیں، ایک یہ کہ ماجہ یزید کی بیوی اور محمد (صاحب سنن ابن ماجہ) کی والدہ ہیں، اس صورت میں یزید اور ماجہ میں علاقہ زوجیت کا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ماجہ محمد کے والد یزید کا لقب ہے، اس صورت میں یزید اور ماجہ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ یزید محمد کے والد کا علم ہے اور ماجہ انہی کا لقب اور عرف ہے۔ اب یزید اور ماجہ میں علاقہ عینیت کا ہے۔

تاریخی حیثیت سے ان میں سے کوئی رائے صحیح اور روزنی ہے اس کی مکمل تفصیل کا تو یہ موقع نہیں البتہ مختصر اتنی بات یاد رکھیں کہ اس میں بھی اختلاف ہے دونوں طرف تصحیح ملتی ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے بعض علماء سے قول اول (ماجہ صاحب سنن محمد کی ماں ہیں) کی تصحیح نقل کی ہے، چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں فرماتے ہیں:

وهنا لك قول آخر وصحوه
وهو ان ماجة اسم لامه والله اعلم. (امام
ابن ماجہ اور علم حدیث: ۱)
ماجہ آپکی والدہ کا نام تھا۔ والله اعلم.

شاہ عبدالعزیز محمد ث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بستان المحدثین میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ (بستان المحدثین: ۲۹۸)

نواب صدیق حسن خان نے بھی اپنی کتاب ”الحطۃ بذکر الصحاح الستہ

اور اتحاف النبلاء المتقین“ میں عینہ یہی فرمادیا ہے۔ (کہ ماجہ محمد کی ماں ہیں) مگر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عجالہ نافعہ میں صاف لفظوں میں تصریح کی ہے کہ ماجہ آپ کے والد یزید کا لقب ہے، محمد کی ماں کا نام نہیں۔ (عجالہ نافعہ: ۲۳)

شاہ صاحب نے عجالہ نافعہ میں جو کچھ لکھا ہے اکثر علماء کی تصریحات اسی کے موافق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کے طے کرنے کا حق سب سے زیادہ مؤرخین قزوین کو ہے کیونکہ امام ابن ماجہ خود قزوینی ہیں۔ ”صاحب البیت ادریٰ بمافیہ“ ان (مورخین قزوین) کے بیانات اسی کی تصویب کرتے ہیں کہ ماجہ یزید کا لقب ہے۔ چنانچہ محدث رافعی تاریخ قزوین میں امام ابن ماجہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ”انہ محمد بن یزید و ان ماجة لقب یزید“ [ان کا نام محمد بن یزید ہے اور ماجہ یزید کا لقب ہے۔] (تہذیب البہذیب: ۵۳۲/۹)

اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حافظ ظلی کے حوالہ سے جو قزوین کے مشہور مؤرخ ہیں نقل کیا ہے کہ ماجہ یزید کا عرف اور لقب تھا۔ (البدایہ والنہایہ: ۵۲/۱۱) سب سے بڑھ کر یہ کہ اس بارے میں خود امام ماجہ کے مشہور ترین شاگرد حافظ ابوالحسن بن اھظان کا بیان موجود ہے جس میں وہ نہایت جزم کے ساتھ تصریح کرتے ہیں کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا، ظاہر ہے کہ ان تصریحات کے ہوتے ہوئے اب اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہتا تھا کہ ماجہ درحقیقت آپ کے والد ماجد ہی کا لقب تھا، اسی لئے امام نووی نے تہذیب الاسماء والمغات میں اور علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے القاموس المحیط میں اور علامہ ابوالحسن سندھی نے شرح ابن ماجہ میں صاف تصریح کی ہے کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا، دادا کا نہیں۔ ایسی صورت میں قواعد اطباء کے مطابق ابن ماجہ میں ابن کو الف کے ساتھ لکھنا

پا بنے تاکہ اس کو محمد کی صفت سمجھا جائے یزید یا عبداللہ کی صفت نہ سمجھ لیا جائے۔

الجمع بین الصحیحین للحمیدی کا تذکرہ

دیباچہ مشکوٰۃ میں ”الجمع بین الصحیحین للحمیدی“ کا ذکر کیا گیا ہے۔
حمیدی سے مراد ابو عبد اللہ بن ابی نصر حمیدی اندلسی ہیں، مذہب ظاہریہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو ”ظاہری“ ہی کہہ دیتے ہیں۔ انہوں نے اندلس، مصر، شام، عراق اور حرم شریف میں رہ کر حدیث کی سماعت کی۔ ابن حزم ظاہری کے بھی شاگرد ہیں۔ ابو عبد اللہ قراعی، ابن عبد البر، ابو بکر الخطیب اور دوسرے محدثین سے بھی استفادہ کیا ہے۔ (بستان المحدثین: ۲۱۲)
آپ بہت ہی پرہیزگار اور عقیف الطبع تھے۔ ان کی عفت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار ابو بکر بن میمون آپ کے حجرہ پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ کو کسی مشغولی کی بنا پر علم نہ ہوا۔ اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ ابو بکر بن میمون یہ سمجھ کر کہ جب ممانعت نہیں فرمائی تو اجازت ہی ہوگی۔ اندر تشریف لے گئے۔ حمیدی کی ران کھلی ہوئی تھی۔ آپ پر یہ بات نہایت گراں گزری اور دیر تک یہ کہتے ہوئے روتے رہے کہ جب سے مجھ کو تمیز و شعور حاصل ہوا ہے اب تک میری ران کسی نے برہنہ نہیں دیکھی۔ (ایضاً: ۲۱۳)

ولادت

آپ کی ولادت کے سلسلہ میں بستان المحدثین میں ہے:
”ولد اور در عشرۃ اولی از قرن خامس است“ [ان کی پیدائش قرن خامس کے عشرہ اولیٰ میں ہوئی۔]

اور حاشیہ بستان المحدثین میں ابن خلکان کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ۳۲۰ھ سے قبل پیدا ہوئے۔

وفات

آپ کی وفات ۷۱۷ھ ارذو النجہ ۲۸۸ھ کو ہوئی۔ یہی تاریخ وفات بستان المحدثین عمدة القاری میں نقل کی گئی ہے۔ اور مرقاۃ میں اور لمعات التنفیح کے حاشیہ میں بحوالہ تعلیق ۱۱۱ البانی آپ کا سن وفات ۲۸۰ھ لکھا گیا ہے۔ (بستان المحدثین: ۲۱۳، عمدة القاری: ۱/۱۸، مرقاۃ: ۱/۳۳، لمعات التنفیح: ۱/۴۶)

آپ کی کرامت

آپ نے وفات سے قبل کئی بار شہر کے بڑے افسر ”ظفر“ کو وصیت کی تھی کہ مجھے بشرحانی کے پاس دفن کیا جائے لیکن اس نے کسی وقتی عذر کی بنا پر آپ کو وہاں دفن نہ کیا، بلکہ کسی اور جگہ دفن کر دیا۔ ایک دن اس نے خواب میں حضرت حمیدی کو دیکھا کہ وہ اس بات کی شکایت فرما رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے مجبوراً ماہ صفر ۱۲۹۱ھ آپ کو وہاں سے منتقل کر کے بشرحانی کے پاس دفن کیا۔ اس وقت آپ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ آپ کا کفن بالکل تازہ تھا اور بدن بالکل صحیح و سالم تھا اور آپ کے جسم مبارک سے بڑی دور تک خوشبو مہک رہی تھی۔ (بستان المحدثین: ۲۱۳)

آپ کے مفید اشعار

بستان المحدثین میں آپ کے بہت سے مفید اشعار نقل کئے ہیں۔ ان میں سے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ جو حقیقت میں بہت ہی نافع اور مفید ہیں:

لقاء الناس ليس يفيد شيئا
سوى الهذيان من قيل وقال
فاقلل من لقاء الناس الا
لاخذ العلم او اصلاح حال

[یعنی لوگوں کی ملاقات کچھ نفع نہیں پہنچاتی۔ سوائے گفت و شنید اور لغو گوئی کے پس لوگوں کی ملاقات کو کم کر مگر وہ ملاقات جو علم حاصل کرنے کے لئے ہو یا اصلاح حال کی خاطر ہو۔]

تنبیہ: یہ حمیدی جن کا تذکرہ کیا گیا جنہوں نے ”الجمع بین الصحیحین“ فرمائی ہے۔ یہ امام بخاریؒ کے کافی بعد ہوئے ہیں، ایک اور حمیدی ہیں جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں۔ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں سب سے پہلے انہی کی حدیث المائے ہیں۔ ان کا نام عبد اللہ بن زبیر ہے۔ ان کا انتقال ۲۱۹ھ کو ہوا ہے۔ ان دونوں میں عام طور پر اشتباہ ہو جاتا ہے۔

جامع الاصول کا تذکرہ

دیباچہ مشکوٰۃ میں ”الجامع الاصول“ کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ ابن المثیر الجزریؒ کی تصنیف ہے۔ جس میں انہوں نے صحاح ستہ کی احادیث کو جمع فرمایا ہے۔ اور ابواب کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے رکھی ہے۔ یہ نہایت ہی جامع اور مفید کتاب ہے۔ اور اس سے استفادہ بھی سہل ہے۔ علامہ یاقوت رومی اس کتاب کا تعارف کرانے کے بعد لکھتے ہیں:

”اقطع قطعاً انه لم یصنف مثله قط ولا یصنف“ (فوائد جامعہ: ۷۳،

معجم الالباء: ۶/۲۴۱)

[مجھے پکارتین ہے کہ اس جیسی کتاب نہ پہلی تصنیف کی گئی ہے اور نہ ہو سکے گی۔]

آپ کا اسم گرامی اس طرح ہے: ”مجد الدین ابوالسعادات مبارک بن محمد الجزری“

زیادہ مشہور ابن المثیر الجزریؒ کے نام سے ہیں۔ آپ کا انتقال ۶۰۶ھ کو ہوا۔ (مرقاۃ: ۱/۳۳، حاشیہ لغات: ۱۸)

آپ نے لغات الحدیث پر ایک مفید کتاب لکھی ہے، جس کا نام ”النهاية“ ہے۔



انما الاعمال بالنیات

اس حدیث کو ”ثلاث الاسلام“ [اسلام کا تہائی حصہ] کہا گیا ہے۔ اور بعض نے ”نصف العلم“ کہا ہے۔ چونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں۔

(۱).....قالب سے متعلق۔

(۲).....قلب سے متعلق۔

یہ حدیث اعمال قلب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس حدیث کو حدیث انما اور حدیث المنبر بھی کہتے ہیں۔

نسخہ کیمیا

حسن نیت کی وجہ سے انسان اپنے ہر جائز عمل کو عبادت بنا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ کھانا پہننا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، بیوی بچوں سے ہنسی تفریح، دوستوں سے ملنا جلنا، کھیتی باڑی، محنت مزدوری، تجارت و زراعت، حرفت و صنعت، نفسانی خواہشات کو شرعی حدود کے اندر پورا کرنا۔

یہ سب اعمال حسن نیت سے عبادت بن سکتے ہیں، اور اس طرح انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عبادت بن سکتا ہے۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں: ”میں نے پانچ اکھا احادیث سے اپنی کتاب کو منتخب کیا ہے، پھر ان میں سے چار احادیث کا انتخاب کیا ہے۔ وہ چار احادیث یہ ہیں:

(۱)..... ”انما الاعمال بالنیات“ [اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔]

(۲)..... ”الحلال بین والحرام بین وبينهما مشتبها“ [حلال بھی کھلا ہوا

ہے، اور حرام بھی کھلا ہوا ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔] (پس مومن کو مشتبہ چیزوں سے بھی بچنا لازم ہے۔)

(۳)..... ”لا یؤمن احدکم حتی یحب لایحیہ ما یحب لنفسه“ [تم میں

کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ جو اپنے لئے پسند ہے وہی اپنے بھائی کیلئے پسند کرے۔]

(۴)..... ”من حسن الاسلام المرأ ترکه مالا یغنیه“ [اسلام کا حسن

”[یعنی چیزوں کا ترک کر دینا ہے“]

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ان میں پانچویں حدیث کا انتخاب فرمایا ہے، وہ یہ ہے:

”المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده“ [مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔]

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حدیث انما

﴿اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے﴾

﴿۱﴾ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْعَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَانُئٍ قَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا، يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ، الْحَدِيثُ - (متفق عليه)

حوالہ: بخاری شریف: ج ۱/ ص ۲، باب کیف کان بدء الوحی، کتاب بدء الوحی، حدیث نمبر ۱، مسلم شریف: ج ۲/ ص ۱۴۰، ۱۴۱، باب قوله صلى الله عليه وسلم "انما الاعمال بالنية"، کتاب الامارة، حدیث نمبر ۱۹۰۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال: نام عمر، والد کا نام خطاب، کنیت ابو حفص، سب سے پہلے میرا مومنین کے نام سے آپ ہی کو پکارا گیا، آپ کا لقب فاروق ہے، جس کے معنی ہیں حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا، اس لقب کی وجہ یا تو یہ ہے کہ آپ کے ایمان سے قبل اسلام اور اہل اسلام غایت خفاء میں تھے آپ کے بعد اسلام کا بہت ظہور ہوا اور مسلمانوں کی ہمت بڑھی، دوسرا قول قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر ۲/ ۳۷۷، آیت "ویریدون ان یسحاكموا الی الطاغوت" کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی اور منافق کے درمیان نزاع ہو، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا تھا مگر پھر بھی وہ منافق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس فیصلہ کے لئے آیا۔ ساری تفصیل سن کر..... (باقی اگلے صفحہ پر)

حل لغات: امرئ، الرجل کے معنی میں ہے، اس کی جمع نہیں آتی (عمدة القاری: ج ۱ ص ۵۱) یصیب، صوب سے مشتق ہے، أصاب الشی پالینا، امراة کی جمع نساء، خلاف قیاس ہے۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، آدمی کے لئے وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی ہے، چنانچہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے ہجرت کی، تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے ہی ہوگی، اور جس شخص نے حصول دنیا، یا کسی عورت سے شادی کی غرض سے ہجرت کی، تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہے، جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)..... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مناقب کی گردن اڑا کر فرمایا: کہ جو حضور قدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیصلہ نہانے اس کا فیصلہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں یہ ہے۔

معدودے چند افراد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام ثابت ہے، کعب بن لویؓ پر جا کر ان کا نسب حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے یہ بھی قبیلہ قریش کے ایک طعن کی طرف منسوب ہو کر طویٰ کہلا تے ہیں، ہجرت کے تیرہویں سال حضرت ابو بکر کی وفات کے بعد آپ کے دست مبارک پر بیعت خلافت کی گئی۔

منقبت عمر: ان کے مناقب بشار ہیں خود حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کتب حدیث میں ان کے مناقب میں بہت سی روایات منقول ہیں، خلفاء راشدین میں سے دوسرے ہیں ۲۳ھ میں انہی ذی الحجہ میں ابو طلحہ کے ”خبر مارنے سے شہادت عمل میں آئی، اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ شہادت کا وقت کیا ہے مگر اس پر علماء نے اتفاق نقل کیا ہے کہ مدفن اس وقت عمل میں آئی جب حرم شروع ہو چکا تھا۔ (مرقاۃ: ۲۹/۱، الکشاف: ۵۹/۲، شذرات: ۳۳)

لو کان نبیا بعدی لکان عمرؓ، الحدیث (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے) الحق بنطق علی لسان عمرؓ، الحدیث (حضرت عمرؓ کی زبان پر حق ہوتا ہے) اور جس راستہ کو عمرؓ جاتے ہیں شیطان اس راستہ کو نہیں جاتا۔ یہ احادیث تو بہت مشہور ہیں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جیسی نیت ہوتی ہے ویسا ہی ثمرہ ہوتا ہے، اگر رضا خدا کے لئے نماز پڑھی تو رضا خدا حاصل ہوگی، اور اگر رضا خلق کے لئے نماز پڑھی تو ثمرہ میں رضا خلق حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہ ہوگی۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک عالم کو ایسا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اپنی نعمتیں گنوائیں گے، اور پھر ارشاد ہوگا کہ تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ عالم کہے گا کہ اے پروردگار! تیری رضا کے لئے میں نے علم پڑھا، اور دوسروں کو پڑھایا، اور پوری زندگی اسی میں گذاردی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جھوٹ ہے، تو نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ لوگ تجھ کو علامہ کہیں سو تجھ کو علامہ کہا جا چکا، اب تیرے لئے یہاں کچھ نہیں اور فرشتوں کو ارشاد ہوگا کہ اسے جہنم میں داخل کر دو۔ پس اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

ایسے ہی ایک نئی اور ایک مجاہد کا حال ہوگا، اور بد نیتی کی وجہ سے دونوں کو جہنم میں داخل کر دیا جائیگا۔

نئی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، اور پھر فرمائیں گے تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ وہ کہے گا کوئی خیر کام ایسا نہیں جہاں میں نے خرچ نہ کیا ہو، ارشاد ہوگا یہ سب اس لئے کیا کہ تجھ کو نئی کہا جائے کہ بہت بڑا نئی ہے۔ سو کہا جا چکا، اب یہاں کیا پاتے ہو؟ اور اس کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اسی طرح مجاہد کو پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے، اور فرمائیں گے، کہ تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ پروردگار تیرے لئے جہاد کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، حکم ہوگا یہ سب اس لئے کیا تھا کہ تجھ کو بہادر کہا جائے، سو کہا جا چکا، یہاں تیرے لئے کچھ نہیں اور اس کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

حدیث ہذا کو ”حدیث المنبر“ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے منبر پر بیان کیا تھا۔ کما فی البخاری۔ اور مہلب نے کہا کہ بعض روایت میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے منبر پر یہی حدیث بیان فرمائی تھی، اس لئے ”حدیث المنبر“ کہا جاتا ہے۔ لیکن سند کے لحاظ سے یہ بات زیادہ وزنی نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں نیت کا ذکر ہے۔ بنا پر یں ”حدیث النیۃ“ بھی کہا جاتا ہے۔

حدیث ہذا کی عظمت و جلالت شان کے بارے میں تمام محدثین کرام متفق ہیں، چنانچہ سفیان بن عیینہ، امام شافعیؒ، عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث دین کے ستر بابوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں: کہ جو کسی کتاب لکھنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے اس حدیث سے ابتداء کرے، اور امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ یہ حدیث ”نصف العلم“ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت عمل قلب ہے، اور اعمال عبادت بدن ہیں اور امام احمد اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ یہ ”ثلث الاسلام“ یا ”ثلث دین“ ہے۔ کیونکہ بندہ کا کسب یا بذریعہ قلب ہوگا وہ نیت ہے یا بذریعہ زبان ہوگا یا بذریعہ جوارح ہوگا، بنا پر یں ”ثلث الاسلام“ کہا۔

یہی وجہ ہے کہ تمام سلف و خلف اپنی مصنفات کا اسی حدیث سے افتتاح کرتے تھے تاکہ قارئین اپنی نیت ابتداء ہی سے خالص کر لیں۔ اور علامہ خطابیؒ تو صرف تصنیف کے ساتھ خاص نہیں کرتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ متقدمین اپنے ہر کام کی ابتداء اسی حدیث سے کرتے تھے تاکہ برکت ہو جائے۔ بنا پر یں قدوة المحمّدین امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری کی ابتداء اسی حدیث سے کی۔ اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے بھی سلف صالحین کی اقتداء کرتے ہوئے اپنی کتاب کو حدیث النیۃ سے شروع کیا تاکہ طالب علم اپنی نیت کی اصلاح کرے،

نیز سامنے کتاب الایمان و کتاب الطہارت آ رہی ہے اور ان کا مدار نیت پر ہے اس لئے بھی اس سے شروع کیا۔

دوسری رائے ملا علی قاریؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے یہ ذکر کی ہے کہ اس روایت کو شروع میں المائیک وجہ امام بغویؒ کی اقتدا کرنا ہے کیونکہ انہوں نے بھی اس روایت کو کتاب الایمان سے قبل اور مقدمہ کے بعد اسی طرح ذکر کیا ہے، بخاریؒ کی اتباع مقصود نہیں۔ (مرقاۃ: ۱/۳۹)

شروع میں اس روایت کو اما کر اشارہ کر دیا کہ معلم اور معلم دونوں کو نیت درست کرنی چاہئے اور اس میں اخلاص پیدا کرنا چاہئے، کیوں کہ یہی ایسی بنیاد ہے جس پر عقائد و اعمال کا مدار ہے نیز طالب حدیث ایسا ہے گویا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر رہا ہے لہذا اس کو مقام اختصاص کے حصول کے لئے اخلاص کی ضرورت ہے، اس لئے اس روایت کو عام مصنفین شروع میں ذکر کرتے ہیں حتیٰ کہ اس کا نام ”طلیعة کتب الحدیث“ ہے۔ (مرقاۃ: ۳۸-۱/۳۹)

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے کہ مسلمان اس حدیث کی اہمیت فوائد کی کثرت اور صحت روایت پر مجتمع ہیں۔ امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ جو تصنیف کرے اس کے لئے مناسب ہے کہ اس حدیث سے ابتدا کرے تصحیح نیت پر تنبیہ کرنے کیلئے۔

لیکن اس بات کا خیال رہے کہ یہ روایت غریب ہے (غریب کی تعریف آپ لوگ یاد کر چکے ہو کہ اگر سند میں کہیں ایک ہی راوی رہ جائے تو اس کی روایت غریب ہو جاتی ہے اور غرابت صحت کے منافی نہیں ہے)

لطیفہ: نیز اس میں ایک لطیفہ باعتبار اسناد کے یہ ہے کہ اس کی سند میں تین تابعی ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں (۱) یحییٰ بن سعید: یہ صفارتا بعین میں سے ہیں، (۲) محمد بن ابراہیم اللہیمی: یہ اوساطا تابعین میں سے ہیں، (۳) علقمہ بن وقاص اللہیسی: یہ کبار تابعین میں

سے ہیں۔ نیز سب ایک دوسرے سے لینے میں منفرد ہیں اور یحییٰ بن سعید کے بعد اس روایت کے متعدد طرق ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ جیسا پہلے گذر چکا سات سو طرق تک پہنچ گئے ہیں۔
(شرح مسلم للنووی، کتاب الامارۃ: ۷/۴۷، فتح الباری: ۱/۱۶)

شان و رود

بعض علماء نے اس مقام پر اس روایت کا شان و رود ذکر کیا ہے ابن مسعودؓ کی روایت ہے:
من هاجر یتغی شیئاً فهو له، قال: هاجر رجل لیتزوج امرأة یقال لها ام قیس،
وكان یسمى مهاجر ام قیس. (طبرانی: ۱۰۳/۹، رقم الحدیث: ۸۵۴۰)
حافظ ابن حجر نے ایک روایت اور ذکر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے
ایک عورت کو پیغام دیا، اس نے نکاح کے لئے شرط لگائی کہ اگر وہ شخص ہجرت کریگا تب نکاح
کرونگی ورنہ نہیں، لہذا اس شخص نے ہجرت کی، اور انہوں نے نکاح کر لیا، پھر ان کو مہاجر ام
قیس کہا جانے لگا۔ (فتح الباری: ۱/۱۷)

یہ وہی ام قیس ہیں جن کے بھائی عکاشہ بن محسن کا واقعہ صحیحین کی روایت میں وارد
ہے: کہ وہ ان ستر ہزار لوگوں میں سے ایک ہو گئے جو بلا حساب و کتاب جنت میں جائیں گے۔
لیکن اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ حدیث ”انما الاعمال.....“ کو اتنی وجہ سے
بیان کیا گیا ہے نیز حافظ ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ یہ واقعہ اپنی جگہ، لیکن کسی سند میں مجھے یہ نہیں ملا
کہ اس حدیث کا اس واقعہ سے صراحۃً کوئی تعلق ذکر کیا گیا ہو۔ (فتح الباری: ۱/۱۷)

اور اگر مان لیا جائے کہ اس واقعہ سے اس روایت کا تعلق وجوہ ہے تو جواب یہ ہوگا کہ
ان کی نیت مخلوط تھی، جو محض خلافِ اولیٰ ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی نکیر
فرمائی ہے۔

بہر حال یہ حدیث شریف شروع میں ایسی ہی ہے جیسے کلام اللہ کے شروع میں بسم اللہ۔ اور اس سے اشارہ کر دیا کہ ہر عمل کے لئے صحیح نیت ضروری ہے، پس طالب علم کو بھی اپنی نیت صحیح کرنا ضروری ہے اگر نیت صحیح نہ ہو تو علم الٹا وبال ہوگا۔

حقیقت اخلاص

اس حدیث کا اصل موضوع ہے اخلاص کی تعلیم اور ترغیب دینا۔ اخلاص کی حقیقت لغت کے اعتبار سے یہ ہے کہ جس چیز میں کھوٹ مل سکتا ہو، ملاوٹ کی جاسکتی ہو تو اس کو کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک صاف رکھنا، مثلاً دودھ میں پانی کی ملاوٹ کی جاسکتی ہے، دودھ کو اس ملاوٹ اور شائبہ سے بچالینا یہ اخلاص اللبن کہلائے گا، اور ملاوٹ سے بچنے والے دودھ کو اللبن الخالص کہیں گے، شریعت کی اصطلاح میں اخلاص کا معنی ہے اپنے عمل کو غیر اللہ کے شوائب سے بچا کر رکھنا۔ مطلب یہ ہے کہ عمل صرف اللہ کے لئے ہونا چاہئے، اس میں کوئی اور شائبہ نہ آنا چاہئے۔ عمل میں شائبہ یہ ہو سکتا ہے کہ دنیوی اغراض میں سے کسی غرض کے لئے کیا جائے۔ ہر قسم کے شائبہ سے بچانا اخلاص العمل کہلائے گا۔

عمل مشوب کا حکم

عمل کی تین قسمیں ہیں۔ ہر کام کرنے کا کوئی نہ کوئی باعث اور محرک ضرور ہوتا ہے، اس باعث اور محرک کے اعتبار سے عمل کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)..... عمل کا باعث اور محرک صرف اخروی غرض ہو۔ اللہ عزوجل کی رضا حاصل کرنا ثواب اور جنت لینا۔

(۲)..... عمل کا باعث صرف دنیوی غرض ہو، مثلاً لوگوں کی نظر میں عزت و جاہت حاصل کرنا، یا کوئی اور دنیوی غرض حاصل کرنا۔

(۳)..... کسی عمل میں باعین کی شرکت ہو، یعنی غرض اخروی اور غرض دنیوی دونوں کے لئے کیا جا رہا ہو۔

اس تیسری قسم کو عمل مشوب کہتے ہیں۔ یعنی ملاوٹ والا عمل۔ اور پہلی دونوں قسموں کو عمل خالص کہتے ہیں۔ پہلی قسم خالص للآخرۃ اور دوسری قسم خالص للدنیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے ان دونوں قسموں کو اخلاص کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک میں غرض ایک ہی ہے۔ دوسری جانب کی ملاوٹ نہیں ہے۔ لیکن جب شریعت میں اخلاص کا لفظ بولا جاتا ہے تو مراد اخلاص للعمل للآخرۃ ہی ہوتا ہے۔ اپنے عمل کو دنیوی اغراض کے شوائب سے پاک کر لیا۔

تینوں قسموں کا حکم

پہلی قسم بالاتفاق مقبول ہے، اس پر ثواب ملے گا۔ دوسری قسم بالاتفاق مردود ہے، اس پر عقاب ہوگا۔ تیسری قسم کے حکم میں تفصیل ہے۔ عمل مشوب وہ عمل ہے جس میں دونوں غرضیں ملی ہوئی ہوں اس کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱)..... باعین مساوی ہوں، یعنی پچاس فی صد دنیوی غرض ہے، اور پچاس فیصد اخروی غرض ہے۔

(۲)..... باعث دنیوی غالب ہو اور باعث اخروی مغلوب ہو۔ مثلاً: اسی فیصد دنیوی غرض ہے، بیس فیصد اخروی غرض ہے۔

(۳)..... باعث اخروی غالب ہے اور باعث دنیوی مغلوب ہے۔

یہاں پہلی حالت میں نہ ثواب ہے نہ عقاب، اکثر علمائے کرام کی یہی رائے ہے۔ دونوں غرضیں ایک دوسرے کی مزاحم بن گئی ہیں۔ باقی قسموں کا کیا حکم ہے اس میں تین قسم کے اقوال ہیں، جو سید مرتضیٰ زبیدی نے اتحاف شرح احیاء میں نقل کئے ہیں۔ ایک قول اشد ہے۔

اور ایک اخفاء ہے اور ایک اعدل ہے۔

(۱)..... علامہ عزالدین بن عبدالسلام اور علامہ محاسبی اور علامہ صلاح الدین علانی کا مذہب یہ

ہے کہ جس قول میں تھوڑی سی دنیوی غرض بھی مل جائے وہ مردود ہے۔ یہ قول اشد ہے۔

(۲)..... بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ جس عمل میں تھوڑی سی اخروی غرض بھی مل جائے وہ

مقبول ہے۔ یہ قول سب سے نرم ہے۔

(۳)..... امام غزالی اور علامہ قرطبی اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ دوسری تیسری قسم نہ مطلقاً

مقبول ہیں، نہ مطلقاً مردود۔ بلکہ اس میں تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ جب باعث اخروی

غالب ہو اور باعث دنیوی مغلوب ہو اس پر ثواب مل جائے گا، لیکن اتنا ثواب نہیں

ملے گا جتنا کہ خالص لئلا خیرۃ میں ملنا تھا، بلکہ جس قدر دنیوی غرض کی ملاوٹ ہوگی اتنا

ہی کم ثواب ملے گا، جب غرض دنیوی غالب ہو اس پر عقاب ہوگا، لیکن اتنا عقاب

نہیں ہوگا جتنا کہ خالص لئلا دنیا ہونے کی صورت میں ملنا تھا، بلکہ جتنی اخروی غرض مل

گئی اتنا ہی ثواب ملے گا اور اتنا ہی عقاب کم ہو جائے گا، یہ قول معتدل ہے، اسے

عقل و نقل قبول کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: ”من يعمل مثقال ذرة خیرا

یرہ ومن يعمل مثقال ذرة شریرہ“ اس قول میں اس قانون کی پوری رعایت

ہے۔ نہ تو ذرۃ خیر کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی ذرۃ شر کو۔

ایک غلطی کا ازالہ

اس میں شک نہیں کہ اخلاص میں کافی کھوٹ ملتے رہتے ہیں، بعض لوگ ان شوائب

سے ڈر کر نیک کام کرنا ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ جب ہم سے شوائب و ریا دور نہیں ہوئے اور

اخلاص کامل نہیں آیا تو پھر نیکی کرنے کا فائدہ کیا، یہ بہت بڑی شیطانی پال ہے۔

امام غزالی اور دوسرے مشائخ نے اس پر خصوصی تنبیہات فرمائی ہیں: ریاء کے ڈر سے عمل کا چھوڑ بیٹھنا یہ شیطان کو کامل درجہ کا خوش کرنا ہے، جب نیکی کرتا تھا بغیر اخلاص کامل کے شیطان کو ایک خوشی تھی، یعنی ترک اخلاص کی خوشی جب اس نے کام ہی چھوڑ دیا تو اب شیطان کو دو خوشیاں نصیب ہو گئیں، ایک ترک عمل کی اور ایک ترک اخلاص کی، تو دشمن کو زیادہ خوش کرنا احمقانہ حرکت ہے۔

فائدہ

مشائخ نے تصریح کی ہے کہ ریاء کے خوف سے عمل چھوڑ دینا یہ خود ریا ہے۔ اس لئے کہ اخلاص کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ نظر اللہ تعالیٰ پر رہے، جب لوگوں کے دکھاوے کے خوف سے عمل چھوڑا تو معلوم ہوا کہ اس کی نظر غیروں پر ہے، یہ بری قبیح حرکت ہے، تو عمل چھوڑ کے کونسا کمال حاصل کیا ہے کہ دشمن کو اور زیادہ خوش کر دیا ہے۔ اور خالق کا وظیفہ چھوڑ کر دوسروں کا وظیفہ شروع کر دیا۔ شان عبدیت یہ ہے کہ نہ غیر اللہ کے لئے کام کرنا ہے نہ ان کے لئے چھوڑنا ہے۔ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ پر نظر رہنی چاہئے۔

اس بات پر بھی نظر رہنی چاہئے کہ اخلاص پر عمل کرنا کوئی مشکل بات نہیں، اخلاص مامور بہ ہے، اور شریعت اسی چیز کا امر کرتی ہے، جو اختیار اور بس میں ہو ہر کام کے شروع میں اتنا دھیان کر لینا کہ میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہوں، یہ اختیاری بھی ہے، آسان بھی ہے، صرف تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔ (اشرف التوضیح)

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ: لفظ ”إِنَّمَا“ حصر کے لئے ہے، عبد القاہر جرجانی دائل اعجاز القرآن میں لکھتے ہیں کہ جب متکلم کو اپنی بات پر پورا یقین ہو کہ میری بات صد فی صد صحیح ہے اس میں کسی قسم کے شبہ و شک کی گنجائش نہیں۔ اس جگہ پر انما استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے انما هو الہ واحد۔

”الْأَعْمَالُ“ یہ جمع ہے عمل کی اور عمل فعل اختیاری کو کہا جاتا ہے، اس لئے حیوانات کے بارے میں ھیئتہ عمل کا اطلاق نہیں کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں لفظ اعمال ائے افعال نہیں ائے اس لئے کہ دونوں میں فرق ہے کہ عمل کہا جاتا ہے کہ جس میں دوام و استمرار ہو اور فعل میں دوام و استمرار نہیں ہوتا بلکہ ایک بار کرنے سے فعل کہا جاتا ہے، اس لئے جنت کی بشارت میں ان الذین امنوا و عملوا الصالحات آیا ہے و فعلوا الصالحات نہیں آیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ایک دفعہ نیک اعمال کرنے سے نجات نہیں ہوگی بلکہ دوام و استمرار ضروری ہے۔

النِّیَّات: نیت کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی قصد اور ارادہ ہے۔ اور شرعاً اس کے معنی توجہ القلب نحو الفعل ابتغاء لوجه الله تعالى۔ اور فقہاء کرام کے نزدیک نیت سے مراد لیتے ہیں التمييز بین العملین یا تمييز بین العبادۃ و العادة، حدیث ہذا میں نیت لغوی مراد ہے، شرعی مراد نہیں تا کہ مابعد کے ساتھ تطبیق ہو جائے کیونکہ سامنے نیت کی تقسیم کی جارہی ہے، خیر و شر کی طرف، اور نیت شرعی میں خیر ہی ہے شر نہیں ہے۔

وضو میں نیت کا حکم

اصل میں یہاں ایک اجتہادی مسئلہ مختلف فیہا چلا آ رہا ہے، کہ وضو کی صحت کے لئے نیت شرط ہے یا نہیں؟ تو پہلے سمجھ لینا چاہئے کہ عبادات کی مختلف قسمیں ہیں، ایک ”عبادت محضہ“ ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ اس کی صحت اور اس پر ثواب مرتب ہونے کے لئے نیت ضروری ہے، دوسری صرف ”عبادت آلہ“ کہ دوسری عبادت محضہ کے لئے آلہ ہے، جیسے طہارت بدن و مکان و ثوب، اس میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ اس کی صحت کے لئے نیت شرط نہیں اور ثواب کے لئے نیت شرط ہے۔

تیسری قسم جس میں طہارت و عبادت کی شان موجود ہے اس میں بھی ثواب کیلئے نیت شرط ہونے میں سب کا اتفاق ہے البتہ اسکی صحت کیلئے نیت شرط ہے یا نہیں؟ اسمیں شوافع اور احناف کے درمیان اختلاف ہے، شوافع عبادت کی شان کو رائج قرار دیکر دوسری عبادتوں کی طرح نیت ضروری قرار دیتے ہیں اور احناف جہت طہارت کو رائج قرار دے کر دوسری طہارت بدن، کپڑے کی طرح نیت کو ضروری نہیں کہتے، وہ ہے وضو۔ تو شوافع کے نزدیک بلانیت وضو درست نہیں ہوگا، اور احناف کہتے ہیں کہ بلانیت وضو صحیح ہو جائیگا، اور نماز کیلئے آلہ بن جائیگا، طہارت ثوب و بدن کے مانند، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

تو اس اختلاف کی بناء پر ”بالنیات“ کے متعلق نکالنے میں اختلاف کیا گیا، تو شوافع صحت متعلق مانتے ہیں کیونکہ ظروف کے متعلق افعال عامہ ہی ہوتے ہیں۔ اور صحت افعال عامہ میں سے ہے تو مطلب یہ ہوا کہ تمام اعمال کی صحت نیت پر ہے۔ اور وضو بھی ایک عمل ہے، لہذا اس کی صحت بھی نیت پر ہوگی، اور احناف نے تُثَابُ متعلق مقدر مانا کیونکہ سامنے فَمَنْ كَانَتْ هَجْرُهُ الْخ میں ثواب کا ذکر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وضو بلانیت کے بھی صحیح ہو جائے گا، یعنی مفتاح صلوٰۃ بن جائے گا، البتہ اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

الاعمال المتعلقة بالنیة: امام غزالی فرماتے ہیں کہ جو اعمال نیت کے متعلق ہوتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں، (۱) طاعات، (۲) معاصیات، (۳) مباحات۔ معاصیات میں اچھی نیت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نیت صالحہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اعمال کے اندر اس کی صلاحیت بھی ہو حالانکہ معصیت کے اندر یہ صلاحیت نہیں، مثلاً کسی کی غیبت کرنا، دوسرے کو راضی کرنے کے لئے یا مال حرام سے ثواب کی نیت سے صدقہ کرے۔ یا مثلاً: چوری کرے اس نیت سے کہ اس کے ذریعہ میں غریبوں کی، یتیموں کی مدد کروں گا یہ جائز نہیں، اور اس نیت سے گناہ کا کام جائز نہ ہوگا، بلکہ گناہ کے کام میں اس میں نیک نیت کرنا

دوسرا جرم عظیم ہوگا، بلکہ بعض اوقات ایمان چلے جانے کا خطرہ ہے، طاعات کی صحت کے لئے نیت کرنا ضروری ہے، اسی طرح زیادت ثواب کے لئے بھی نیت کرنا ضروری ہے۔ اور اگر نیت فاسد ہو مثلاً ریا، سے عبادت کرے تو ثواب نہیں ملے گا گویا صحیح ہو جائے گی۔

مباحات ایسے اعمال ہیں جو فی نفسہ نہ موجب ثواب ہیں اور نہ موجب گناہ ہیں، نیت کے ذریعہ ثواب و گناہ ملے گا، اچھی نیت ہو تو ثواب ملے گا بری نیت ہو تو گناہ ہوگا۔ مثلاً عطر استعمال کرنا، اگر اس میں اتباع سنت کی نیت ہو یا لوگوں کے دل کو خوش کرنا اور اپنی بدبو سے لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی نیت ہو تو ثواب ہوگا۔ اگر فخر و مباہات یا عورتوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی نیت ہو تو گناہ ہوگا۔

وَ اِنَّهَا لَا مَرِيَّةَ لَهَا : اس جملہ کے بارے میں بحث ہوئی کہ آیا یہ پہلے جملے کی تاکید ہے یا تائیس ہے تو علامہ قرطبی کی رائے ہے کہ نیت کا معاملہ نہایت اہم ہے اس لئے دوسرے جملہ سے بطور تاکید اسی مضمون کو اعادہ کیا گیا لہذا یہ جملہ پہلے کی تاکید ہے، مگر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ التائیس اولیٰ من التکید کے پیش نظر تائیس ماننا زیادہ بہتر ہے کہ اس سے نیا ایک فائدہ بیان کرنا مقصود ہے۔ پھر نئے فائدہ کی تعیین میں مختلف اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔ (۱) بعض کہتے ہیں کہ پہلا جملہ قاعدہ عرفیہ یا کلیہ ہے، اور دوسرا جملہ قاعدہ جزئیہ یا قاعدہ شرعیہ ہے۔ (۲) بعض کہتے ہیں کہ پہلے جملہ میں عمل نیت کے تابع ہو کر حکم مرتب ہونے کا بیان ہے اور دوسرے جملے میں عامل اور نیت کے تعلق کا ذکر ہے۔ (۳) علامہ ابن دقیق العید کی رائے یہ ہے کہ پہلے جملے میں عمل اور نیت میں ربط کا بیان ہے۔ اور دوسرے میں عمل کو اس کی شرائط کے ساتھ ادا کرنے کے بعد جو نیت ہوگی وہی حاصل ہوگا۔ اس کا بیان ہے۔ (۴) علامہ نووی فرماتے ہیں کہ دوسرے جملے میں منوی کی تعیین کا شرط ہونا بیان کیا گیا ہے۔ (۵) بعض کہتے ہیں کہ جو اعمال خارج از عبادت ہیں ان کو داخل کرنے کے لئے دوسرا

جملہ ایایا گیا۔ (۶) بعض کہتے ہیں دوسرے جملے میں نیت کے اندر عدم نیابت کا بیان ہے۔
 (۷) بعض کی رائے یہ ہے کہ دوسرے جملہ میں یہ بیان ہے کہ وحدت وتعدد اجر وحدت وتعدد نیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (۸) پہلا جملہ علت فاعلیہ ہے اور دوسرا جملہ علت غائیہ وثرہ ہے۔
 قولہ فمن كانت هجرته الخ: اس جملہ سے پہلے قاعدہ کی مثال بیان فرما رہے ہیں۔ جملہ میں تین چیزیں تھیں، عمل، نیت، ثمرہ، تو فمن كانت هجرته سے عمل کی طرف اشارہ ہے اور الی اللہ الخ سے نیت کی طرف اشارہ ہے۔ اور فخرتہ الخ سے ثمرہ و نتیجہ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح بعد کے جملے میں بھی یہی تین چیزیں ہیں۔

اشکال مع جواب

یہاں ظاہر اثر و جزا میں اتحاد ہو گیا۔ حالانکہ دونوں میں تغایر ضروری ہے۔ لیکن معنی تغایر ہے، معنی کے اعتبار سے عبارت یوں ہوگی: فمن كانت هجرته نيةً و ارادةً ف هجرته اجراً و ثواباً۔ یا مبالغہ کبھی اتحاد ہو جاتا ہے، پس شرط و جزا میں تغایر ہونے کا اشکال ختم ہو گیا۔

اشکال دوم مع جواب

یہاں دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ پہلی مثال میں اللہ و رسول کا ذکر مکرر آئے اور دوسری مثال میں دنیا و عورت کے ذکر کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اللہ اور رسول کے نام میں لطف و التذاف ہے۔ بناء بریں مکرر ایایا گیا۔ بخلاف دنیا و امرأة کے کہ اس میں قباحت و عدم مبالغہات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مکرر نہیں ایایا گیا۔ پھر امرأة کو خصوصی طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اعظم فتنہ ہے۔ اس لئے اس میں خطرہ زیادہ ہے اس سے پرہیز کرنے کے لئے خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔

فمن كانت الخ: میں ایک تمثیل ذکر فرمائی ہے نیت ختم ہوتا ہے، اور اس کے اوپر لگنے والا ثمرہ ہوتا ہے، جیسا ختم ہوتا ہے ویسا ہی ثمرہ ہوتا ہے۔

ہجرت کو مثال میں ذکر کرنے کی وجہ

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، اشکال یہ ہے کہ اعمال تو بہت ہیں مگر مثال میں ہجرت ہی کو کیوں خاص طور پر ذکر کیا گیا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں ہجرت کی بڑی اہمیت تھی، یہاں تک کہ ہجرت الی المدینہ کو ایمان و کفر میں فرق قرار دیا گیا تھا، اور قرآن و احادیث مبارکہ میں ہجرت کی خاص فضیلت و اہمیت بھی بیان کی گئی ہے، اور ایک خاص واقعہ بھی پیش آ گیا تھا، جس کی وجہ سے ہجرت کو خاص طور پر ذکر کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول انما الاعمال الخ بیان فرمایا ہے کہ جیسی نیت ہوگی ویسا ہی ثمرہ ہوگا۔

پس یہ جملہ قاعدہ کلیہ ہے، یعنی اس جملہ میں قاعدہ کلیہ کا بیان ہے، اور دوسرا جملہ ”انما لامری مانوی الخ“ جزئیہ یا ثمرہ ہے۔ اور تیسرا جملہ ”فمن كانت هجرته الخ“ اس کی مثال ہے۔

اس حدیث سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں وہ تم شرح و قایہ وغیرہ میں پڑھ چکے ہو، وہاں دیکھ لی جیو۔

خلاصہ: یہ ہے کہ جو اعمال از قبیل عبادات محضہ ہیں وہ بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتے تمام ائمہ کے نزدیک نیت شرط ہے۔ موقوف علیہ ہے۔ اور وہ اعمال جن میں عبادت کی کوئی صورت ہی نہیں وہ افعال حسیہ جن میں تعبد کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا وہ بغیر نیت کے بھی صحیح

ہیں جیسے مکان بنانا، کھانا کھانا، وغیرہ، لیکن وہ اعمال جن میں کچھ حصہ تعبدی ہے کچھ غیر تعبدی ہے جیسے وضو اس میں اختلاف ہے امام اعظمؒ کے نزدیک فعل حسی پورا ہونے کے لئے نیت ضروری نہیں لیکن شان تعبدی پیدا ہونے کے لئے نیت ضروری ہے۔

امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک وضو کے لئے نیت ضروری ہے جس طرح نماز میں۔ دلیل ”انما الاعمال بالنیات“ کو پیش کرتے ہیں کہ وضو ایک عمل ہے اور ہر عمل کے لئے نیت ضروری ہے لہذا وضو کے لئے نیت ضروری ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ وضو کے دو پہلو ہیں ایک فعل حسی اور شان متحاجی دوسرا شان تعبدی۔ شان تعبدی کے لئے نیت ضروری ہے۔ شان متحاجی کے لئے ضروری نہیں۔ اگر بغیر نیت کے وضو کر لیا وہ وضو متحاج صلوٰۃ تو بن جائے گا۔ مگر ثواب نہ ہوگا۔ اعمال کا فعل حسی ہو جاتا ہے تعبدی نہیں ہوتا، پس امام اعظمؒ کے نزدیک عبارت یہ ہوگی ”انما الاعمال بالنیات، ای ثواب الاعمال معتبر بالنیات۔“

اقسام ہجرة

ہجرت کے لغوی معنی چھوڑنا۔ اور شرعاً ترک ما نہی اللہ کو بھی ہجرت کہا جاتا ہے اور قرآن وحدیث میں اکثر ہجرت کا اطلاق ترک الوطن الذی بدار الکفر الی دار الاسلام پر ہوتا ہے۔ پھر ہجرت کی بہت اقسام ہیں: (۱) ہجرت من دار الخوف الی دار الامن کما فی ہجرة الحبشه (۲) ہجرت من مکة الی مدینة، یہ دونوں ہجرتیں منسوخ ہو گئیں جیسا کہ حدیث میں ہے ”لا ہجرة بعد الفتح“ (۳) ہجرت من دار الکفر الی دار الایمان (۴) ہجرت من دار البدعة الی دار السنة (۵) الہجرة لطلب العلم وغیرہ۔ یہ ہمیشہ باقی رہیں گی۔

فوائد ومسائل

اس حدیث سے فقہاء نے بہت سے احکام اور فوائد استنباط کئے ہیں، ہم یہاں چند احکام اور چند فوائد ذکر کرتے ہیں۔

(۱)..... انمہ ثلاثہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے وضو اور غسل میں نیت کو واجب قرار دیا ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ کے نزدیک وضو یا غسل میں نیت کی ضرورت نہیں۔

(۲)..... دوسرا مسئلہ اس حدیث سے یہ مستنبط کیا گیا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق رمضان کے مہینے میں ابتداء میں ایک نیت تمام روزوں کے لئے کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے تمام روزے مل کر عبادت واحدہ ہیں۔ لہذا ایک ہی نیت کافی ہے۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک ہر روزہ کے لئے مستقل الگ الگ نیت ضروری ہے۔ کیوں کہ ہر روزہ مستقل عبادت ہے۔ لہذا ایک نیت سب کے لئے کافی نہیں۔

(۳)..... ایک مسئلہ یہ مستنبط کیا گیا ہے کہ خطبہ کے دوران احادیث بیان کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ کے دوران یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

(۴)..... ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ عبادات کے لئے نیت لازم اور واجب ہے۔ البتہ عبادات مقصودہ میں وجوب نیت بالاتفاق ہے اور وسائل میں اختلاف ہے۔

فوائد

(۱)..... اس روایت سے ایک فائدہ یہ سمجھ میں آیا کہ علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے ہجرت ظاہرہ

درکار ہے۔

(۲)..... دوسرا فائدہ اس سے یہ حاصل ہوا کہ علوم دینیہ میں حصول کمال ہجرت باطنہ پر موقوف ہے۔

(۳)..... تیسرا فائدہ یہ سمجھ میں آیا کہ ”خرم فی الحدیث“ جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
یعنی حدیث کے بعض جملوں پر اکتفاء کیا جائے اور بعض جملوں کو حذف کر دیا جائے۔
(کشف الباری)

(۴)..... اعمال کا ثمرہ ملنے کا دار و مدار نیات پر ہے۔

(۵)..... ہر آدمی کو عمل کا ثواب بقدر نیت ملے گا۔ مثلاً اگر کسی عمل میں دس نیتیں کر لی ہیں تو دس کا ثواب مل جائے گا۔

(۶)..... کتابوں کے شروع میں یہ حدیث لکھنی چاہئے تاکہ ابتداء ہی سے معلم اور معلم کی نیت صاف ہو جائے۔

(۷)..... کسی ضابطہ کلیہ کو بیان کرنے کے بعد بہتر یہ ہے کہ اس کی تمثیل بھی پیش کر دی جائے تاکہ مخاطبین کے لئے سمجھنا آسان ہو جائے، جیسا کہ اس حدیث میں ہجرت کی مثال پیش کی گئی ہے۔

(۸)..... کسی خاص شخص میں کوئی خاص کوتاہی ہو بہتر یہ ہے کہ شدید ضرورت کے بغیر خطاب خاص نہ کیا جائے، خطاب عام میں اصلاح کی کوشش کی جائے۔ جیسے مہاجر ام قیس کی خطاب عام میں اصلاح فرمائی ہے۔

(۹)..... اگر کسی عام چیز کو ذکر کیا جائے پھر اس کے خاص فرد کے الگ ذکر کرنے میں کوئی نکتہ ہو تو اس کی تخصیص اچھی چیز ہے، مطلب یہ ہے کہ تخصیص بعد التعمیم میں اگر کوئی حکمت ہو تو یہ مفید چیز ہے۔

(۱۰)..... حدیث سے ثابت ہوا کہ محبوب چیز کا تکرار کرنا محمود ہے۔

(۱۱)..... قبیح چیز کا تکرار کرنا قبیح ہے، یہ دونوں باتیں یوں ثابت ہوئیں کہ ہجرت کے دو جملوں میں سے پہلے جملے میں اللہ اور اس کے رسول کا نام صراحتہ ذکر کیا گیا ہے، اور دوسرے جملہ میں دنیا اور عورت کا نام دوبارہ نہیں لیا، بلکہ اس کی جگہ ”ماہاجر الیہ“ کہہ دیا ہے، معلوم ہوا کہ قبیح چیز کو بغیر ضرورت کے ذکر نہ کرنا چاہئے۔

(۱۲)..... مصنف نے اس حدیث کو یہاں الکر اشارہ کر دیا، دیباچہ میں احادیث ذکر کرنا مستحسن چیز ہے۔

(۱۳)..... اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ دین کو کسب دنیا کا ذریعہ بنانا مذموم ہے۔

(۱۴)..... مصنف نے آغاز کتاب سے پہلے اس حدیث کو اگر اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ حدیث کسی خاص بات کے ساتھ مخصوص نہیں اس کی ضرورت ہر بات میں ہے۔

(۱۵)..... شروع میں حدیث لانے سے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ طالب علم کے لئے ہجرت ظاہرہ یعنی ترک وطن کرنا ہوگا۔

(۱۶)..... شروع میں یہ حدیث اگر اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ طالب علم کو علم کے لئے ہجرت باطنہ بھی کرنی پڑے گی، صورت و سیرت ٹھیک کرنی پڑے گی، ترک معاصی

کے بغیر نور علم حاصل نہیں ہو سکتا، امام شافعی فرماتے ہیں: ۷

شَكُوْتُ إِلَى وَكِيعٍ سَوْءَ حِفْظِي

فَأَوْصَانِي إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي

فَإِنَّ الْعِلْمَ نُورٌ مِّنْ إِلَهِي

وَنُورُ اللَّهِ لَا يُعْطَى لِعَاصِي



تم

الجزء الاول بحمد الله تعالى
 واحسانه وتوفيقه تعالى وبمنه وكرمه
 ويليهِ الجزء الثاني اوله كتاب الايمان
 انشاء الله تعالى ربنا تقبل منا انك انت السميع
 العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم بحرمة
 حبيبك سيد المرسلين وصلى الله تعالى
 عليه وعلى آله واصحابه اجمعين
 الى يوم الدين
 محمد فاروق غفرله